نوائے غزوۂ ہند

برِّصغیر اور پوری دنیا میں غلبۂ دین کا داعی

فروری ۲۰۲۶ء | شعبان المعظم ۱۴۴۷ھ

بانی مُدیر: حافِظ طیّب نواز شہید رحمۃ اللہ علیہ

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ

اور اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو!

ہم جنگ کے لیے روم گئے ہوئے تھے، رومیوں کی فوج میں سے ایک بڑی صف مقابلے کے لیے نکلی جن سے مقابلے کے لیے مسلمانوں میں سے بھی اتنی ہی تعداد میں یا اس سے زیادہ آدمی نکلے۔ ان دنوں مصر پر عقبہ بن عامر حاکم تھے جبکہ لشکر کے امیر فضالہ بن عبید تھے۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے روم کی صف پر حملہ کر دیا یہاں تک کہ ان کے اندر چلا گیا۔ اس پر لوگ چیخنے لگے اور کہنے لگے کہ یہ خود کو اپنے ہاتھ سے ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کھڑے ہوئے اور فرمایا؛ اے لوگو! تم لوگ اس آیت (وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ... یعنی تم خود کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو کی) یہ تفسیر کرتے ہو۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت ہم انصار کے متعلق نازل ہوئی، اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کر دیا اور اس کے مددگاروں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو ہم لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے؛ اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کر دیا ہے اور اس کی مدد کرنے والے بہت ہیں اور ہمارے اموال (کھیتی باڑی وغیرہ) ضائع ہو گئے ہیں، ہمارے لیے بہتر ہوگا کہ ہم ان کی اصلاح کریں۔ چنانچہ اس پر اللہ تعالیٰ نے ہماری بات کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ○ (سورۂ بقرہ:۱۹۵)

اور اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو۔

چنانچہ ہلاکت یہ تھی کہ ہم اپنے احوال اور کھیتی باڑی کی اصلاح میں لگ جائیں اور جنگ و جہاد کو ترک کر دیں۔ راوی کہتے ہیں کہ ابو ایوبؓ ہمیشہ جہاد ہی میں رہے یہاں تک کہ دفن بھی روم ہی کی سرزمین میں ہوئے۔

(جامع ترمذی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوائے غزوۂ ہند

جلد نمبر: ۱۹، شمارہ نمبر: ۲

فروری ۲۰۲۶ء — شعبان المعظم ۱۴۴۷ھ

بحمداللہ... مُسلسل اشاعت کا انیسواں ۱۹ سال!

تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (email) پر رابطہ کیجیے: editor@nghmag.com

www.nawaighazwaehind.org

www.nawai.io/Twitter

www.nawai.io/Bot

www.nawai.io/ChirpWire

ContactNGH.313

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’بیت المقدس کا ایک بادشاہ ہندوستان کی طرف ایک لشکر روانہ کرے گا، وہ اس کو فتح کریں گے، پس مجاہدین ہند کی سرزمین کو پامال کرڈالیں گے۔‘‘

(کتاب الفتن لنعیم بن حمادؒ)

اس شمارے میں

اداریہ
اہلِ پاکستان ایک فیصلہ کن دوراہے پر! 5
تزکیہ واحسان
اللہ سے حُسنِ ظن 11
آخرت
موت ومابعد الموت 15
اسوۂ حسنہ
سیرتِ رسول ﷺ کے سائے میں 17
استقبالِ رمضان
رمضان المبارک کا استقبال......قرونِ اولیٰ میں! 21
رمضان المبارک کی برکات اور روزے کا مقصد 23
غنیمتِ رمضان اور حالِ بزرگان 27
نشریات
فَاعْتَبِرُوْا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ 35
فکر ومنہج
جنگی اسٹریٹجی کے ۳۳ رہنما اصول 37
القاعدہ کیوں؟ 48
مدرسہ ومبارزہ (مدارس و دینی جدوجہد کی تحریک) 51
کفار کا معاشی بائیکاٹ 56
حیّ علی الجہاد!
عصرِ حاضر میں مسلمانوں پر جہاد کی فرضیت 59
گوشۂ افکار شاعرِ اسلام
یہ پیام دے گئی ہے مجھے بادِ صبح گاہی 63
عالمی منظر نامہ
خیالات کا ماہنامچہ 64
اخباری کالموں کا جائزہ 67
جنوں یا خرد 77
مغرب کو بالآخر بین الاقوامی اخلاقیات یاد آگئیں 78
طوفان الاقصیٰ
قبلۂ اوّل سے خیانت کی داستان (عمان) 79
کہ اُن کے واسطے تو نے کیا خودی کو ہلاک 84
شہ سرخیوں میں چھپی اسرائیل کی ایک اور جنگ 86
اپیسٹین فائلز سازش نہیں 88
افغان باقی کہسار باقی......الحکم للہ والملک للہ
عمرِ ثالث 90
پاکستان کا مقدر......شریعتِ اسلامی کا نفاذ!
پاکستان امریکہ تعلقات تاریخ کے آئینے میں 93
پاکستان کی ’بورڈ آف پیس‘ میں شمولیت 97
کشمیر......غزوۂ ہند کا ایک دروازہ!
کشمیر اور بھارت میں بے دخلی کو معمول بنانے کا عمل 99
علیکم بالشام!
شام میں جہاد کا مستقبل 100
غزوۂ ہند
غزوۂ ہند کی فکری بنیادیں 105
نقطۂ نظر
اے آئی (AI) کا وبال 115
حلقۂ مجاہد
مجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟ 123
الدراسات العسکریہ
امنیت (سکیورٹی) 126
عالمی جہاد
معرکے ہیں تیز تر! 129
ناول وافسانے
الشوک والقرنفل (کانٹے اور پھول) 131
وغیرہ وغیرہ
اِک نظر ادھر بھی 137
اس کے علاوہ دیگر مستقل سلسلے......

اعلانات از ادارہ:

- مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ میں علمائے کرام کی اجازت کے بعد جانداروں کی تصاویر شامل ہوتی ہیں۔ تاہم یہ اجازت فقط مجلّے کے ’ویب ورژن (PDF وغیرہ)‘ کے لیے ہے، اگر کوئی مجلّے کو کاغذ پر چھاپنا چاہے تو براہِ کرم مذکورہ تصاویر کو دھندلا (blur) کر کے چھاپے۔ قدیم ومعاصر علماء کی اکثریت بہر حال کاغذ پر چھپی تصویر کی اجازت نہیں دیتی!
- مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ میں شائع ہونے والے ’مستعار مضامین‘ (بشمول سوشل میڈیا پوسٹس رسٹیٹس رٹویٹس) مجلّے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں اور ان مضامین وغیرہ میں موجود تمام خیالات اور ان کے مصنفین کے تمام افکار وآراء سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

’غزوۂ ہند‘ تمام اہلِ ایمان کا قضیہ ہے اور اس ’غزوے‘ کی حمایت و نصرت تمام اہلِ ایمان بالخصوص برِّ صغیر میں بستے اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔ ’غزوۂ ہند‘ کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام ’نوائے غزوۂ ہند‘ ہے۔

نوائے غزوۂ ہند:

- اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور محبّینِ مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔
- برِّ صغیر، افغانستان اور ساری دنیا کے جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورتِ حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔
- امریکہ، بھارت، اسرائیل اور اس کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے...... اسے بہتر سے بہترین بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

editor@nghmag.com

اہلِ پاکستان ایک فیصلہ کن دوراہے پر!

عام فرد کی زندگی کی طرح، قوموں کی زندگی میں بھی کچھ نازک مراحل آتے ہیں، کچھ فیصلہ کن دوراہے۔ ان فیصلہ کن دوراہوں پر کیا گیا فیصلہ اپنی بادِ بہاری دہائیوں اور صدیوں تک چلائے رکھتا ہے۔ یا اس نازک موڑ پر کیا گیا غلط فیصلہ دہائیوں اور صدیوں تک، بعد میں آنے والی کئی نسلوں تک کے مستقبل کو خراب کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ قوموں کے قائدین ایسے مواقع پر ہمیشہ اپنی قوم کے لیے کچھ ہدایات، کچھ ترشید کا اہتمام و انتظام کرتے ہیں، یہ ہدایات و ترشید بھی صحیح یا غلط ہو سکتی ہیں۔ بچشمِ سر آج ہم ملاحظہ کر رہے ہیں کہ اقوامِ عالم ایک ایسے ہی نازک مرحلے سے گزر رہی ہیں، خصوصاً مسلم اقوام اور مسلم اقوام میں سے بھی خاص طور پر 'اہالیانِ پاکستان'۔ مسلم اقوام اس لیے کہ معرکۂ خیر و شر میں شر تو ہمیشہ واضح ہی ہوتا ہے، شر یعنی کہ فتنہ، یعنی فساد، یعنی کفر و شرک۔ لیکن کئی بار خیر کے چہرے پر گرد پڑ جاتی ہے، چھانٹی انہی اہلِ خیر میں سے ہوا کرتی ہے، ایمان و نفاق کی چھانٹی۔ پھر پچھلی پون صدی میں 'مسلم' اقوام میں سے جس قوم نے من حیث القوم سب سے زیادہ ایمان و دین کے دعوے کیے (اور صرف دعوے ہی نہیں بہت سے میدانوں میں سچی بھی ثابت ہوئی) ان میں سرِ فہرست قومِ پاکستان ہے۔

یہ تمہیدی کلمات کہنے کے بعد تھوڑا سا پیچھے چلتے ہیں۔ ربع صدی پیچھے۔ دنیا میں باطل کا غلبہ تھا، اینڈ آف ہسٹری اور تہذیبوں کے ختم ہو جانے کے دعووں کے بعد ایک ایسے ورلڈ آرڈر کا چرچا تھا، جو نظامِ شمسی کے سیارے 'زمین' سے باہر نئے سیارے تلاش رہی تھی تا کہ انسانی زندگی کو، انسانی تہذیب کو نہیں، مکرر انسانی زندگی کو، افراد کی زندگی کو preserve کیا جا سکے اور جدید تعبیرِ تاریخ کے مطابق یہ تہذیب قدیم ذی ارواح کی طرح extinction کا شکار نہ ہو جائے۔ یہ ورلڈ آرڈر، ببانگِ دہل خدائے لم یزل کو چیلنج کرتے ہوئے (بزعمِ خود) ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی کی طرف قدم بڑھا رہا تھا[1]۔ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا فیصلہ تو یہ تھا کہ 'كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ'، لیکن اس فیصلۂ یزدانی کا کفر کرنے والے کہتے تھے کہ نہیں! ہم موت کو قبول نہیں کرتے۔ جبکہ اللہ کے ماننے والے کہتے تھے کہ نہیں، لم یزل ذات تو صرف خدائے برتر و بزرگ کی ہے، اس کا فیصلہ ہے کہ اس نے دو زندگیاں پیدا کی ہیں، ایک میں ہر ایک کو موت دے گا اور اگلی میں ہر ایک کو زندگی بخشے گا۔ اب جو اگلی زندگی میں ہمیشہ کی زندگی، یعنی راحت کی زندگی چاہے اور جہنم سے بچنا چاہے تو وہ اللہ کی بندگی اختیار کر لے اور جو جو اللہ کی بندگی کو اس دنیا میں چیلنج کر کے کسی چاند اور کسی مریخ پر خدا کی نافرمانی والی زندگی بسانا چاہے تو ہم اس سے اعلانِ جنگ کرتے ہیں۔ اسی دنیا میں ہمیشہ کی زندگی کا حصول اور پھر کچھ اللہ والوں کا ایسے دنیا داروں کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا کوئی انہونی نہیں ہے، یہ محض ربع صدی پہلے برپا ہونے والا انوکھا واقعہ نہیں ہے۔ بلکہ تاریخ کا پہیہ ہر کچھ زمانے بعد اسی جگہ آ رکتا ہے۔ البتہ ایک صدی پہلے جس تہذیبِ باطل نے ایسی خدائی کا دعویٰ کیا اور سچے خدا کے ماننے والوں کو دنیا بھر میں روندنا شروع کر دیا، اس کا نام امریکہ تھا اور آج سے ربع صدی پہلے، کچھ اللہ والوں نے اس باطل خدا کو اسی خدا کے گھر میں ذلیل و رسوا کر دیا۔ باطل کی ذلت و رسوائی کے اس واقعے کو 'نائن الیون' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ نائن الیون کے بعد امریکہ اپنی civilization اور اپنے way of life جس کا سادہ سا ترجمہ 'دین' کیا جا سکتا ہے کو بچانے میدان میں نکلا۔ نائن الیون کی صورت میں امریکہ کو ضرب لگانے والے بوریا نشین مردانِ قلندر کو جائے پناہ، انہی درویشوں کے امام ملا عمر نے اپنے وطن میں دے رکھی تھی، لہٰذا امریکہ نے اپنا پہلا ہدف اسی مردِ قلندر کے وطن کو بنایا۔ امریکہ نے 'وار آن ٹیرر' کا اعلان کیا اور پھر اپنے حواریوں سمیت افغانستان پر چڑھ دوڑا۔

---

[1] دنیا کے امیر ترین آدمی، ایلون مسک کی گفتگوئیں اس پر موجود ہیں جو چاند اور مریخ پر زندگی کو بسانا چاہتا ہے۔

افغانستان کا ہمسایہ ملک پاکستان تھا۔ ’پاکستان کا مطلب کیا؟‘ ’لا الٰہ الا اللّٰہ‘ کا دیس پاکستان! بش اور اس کے چیلوں نے جب اس وقت پرویز مشرف کو فون کر کے اس وار آن ٹیرر میں شمولیت کی دعوت دی تو وہ چند دن، وہ چند ہفتے، شاید چند ماہ، ربع صدی قبل اہلِ پاکستان کے لیے ایک فیصلہ کن دوراہا تھے۔ پرویز مشرف نے بش کی دعوت پر لبیک کہا۔ پھر افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجانے میں جیسا ساتھ (پڑوسی ہونے کے سبب) پاکستان نے امریکہ کا دیا تو کوئی اور ایسا ساتھ نہ دے سکا۔ ’ہوائیں ان کی، فضائیں ان کی، سمندر ان کے، جہاز ان کے‘، الغرض جو کچھ پاکستان کا تھا وہ سب امریکہ کا ہوا، ہواؤں اور فضاؤں سے ستاون ہزار بار امریکی جہازوں نے اڑ کر افغانستان کو تہہ و بالا کیا، زمینوں پر ’یومیہ‘ چار چار سو امریکی و نیٹو کنٹینر دندناتے ہوئے کراچی سے چمن و تورخم پہنچتے۔ امارتِ اسلامیہ افغانستان کی اکثر اعلیٰ قیادت کو پاکستانی فوج و انٹیلی جنس نے پشاور تا کوئٹہ اور اسلام آباد تا کراچی گرفتار و قتل کیا۔ چھ سو سے زیادہ مہاجر مجاہدوں کو پرویز مشرف کے اپنے اقرار کے مطابق گرفتار کر کے باگرام و گوانتانامو بھیجا گیا۔ عافیہ صدیقی کو پکڑ کر امریکہ کے حوالے کیا۔ جدید و قدیم سبھی سفارتی آداب و قوانین کو پاؤں تلے روند کر افغانستان کے سفیر ملا عبد السلام ضعیف کو مادر زاد برہنہ کر کے، ہتھکڑی لگا کر چکلالہ ائیر بیس سے امریکی حراست میں دیا گیا۔ اس تاریخ کے نازک مرحلے پر، اس فیصلہ کن موڑ پر جو فیصلہ ہوا، تو اس کے نتیجے میں پاکستان میں ایک ایسا آگ و خون کا کھیل شروع ہوا جس کی آنچ ربع صدی بعد کم نہ ہوئی اور جو خون بہتے بہتے ہماری گردنوں تک کو ڈبو چکا ہے۔ تاریخ کا یہ حوالہ دینا بہت ضروری تھا۔

ربع صدی بعد، دنیا کے ایک اور خطے میں وقت کا ایک اور نائن الیون جیسا حملہ ہوتا ہے۔ دنیا اس کو سات اکتوبر کے نام سے جانتی ہے، طوفان الاقصیٰ! طوفان الاقصیٰ کے محرکات بھی نائن الیون سے کچھ مختلف نہیں، نہ ہی اس کے بعد کے واقعات۔ اینڈ آف ہسٹری کا ایک (صہیونیوں کے مطابق) مطلب یہ بھی ہے کہ یہودیوں کا بادشاہ، ان کا مسیحا یعنی مسیح الدجال آئے گا اور سب یہودیوں کو ہزار ہزار یا اس سے زیادہ برس کی زندگی بخشے گا اور باقی سب مخلوق ان یہودیوں کی خادم و غلام ہو گی۔ اس مسیح الدجال کو ’لانے‘ کے لیے یہود کے نزدیک ارضِ مقدس پر قبضہ کر کے اسرائیل کا قیام، پھر مسجدِ اقصیٰ پر قبضہ کر کے اس کا انہدام نہایت ضروری ہے۔ انہی یہود کے ان عزائم کے آگے بند باندھنے کا نام طوفان الاقصیٰ تھا اور ہے۔ ’فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے‘، اسرائیل پر حملہ ہوا تو افرنگ کے سبھی نئے و پرانے مہرے اور حواری حرکت میں آ گئے۔ ابھی چند سطور قبل ربع صدی کا جو حوالہ ہم نے دیا کہ جب پاکستان ’وار آن ٹیرر‘ کا حصہ، نان نیٹو اتحادی اور فرنٹ لائن اتحادی قرار پایا تو کن کن امور میں امریکیوں کی سہولت کاری کی گئی اور اس کا نتیجہ آج پاکستان بھر میں کس طرح ظاہر ہو رہا ہے۔ بالکل ایسا ہی ایک منظر آج پھر دہرایا جا رہا ہے۔

دنیا کے سبھی ذی عقل لوگ جانتے ہیں کہ ٹرمپ صرف امریکہ کا نہیں دنیا بھر کا بے تاج بھی نہیں، بلکہ تاج ور بادشاہ بننا چاہتا ہے۔ وہ اپنے خونیں ساتھی نیتن یاہو کے ساتھ مل کر دنیا میں اس عظیم تبدیلی کی راہ ہموار کرنا چاہ رہا ہے جس کی عملی صورت مسیح الدجال کا خروج ہو گا۔ ٹرمپ کی قیادت میں ’بورڈ آف پیس‘ کا قیام ایک نئی مطلق العنان عالمی بادشاہت کی کوشش ہے، جو موجودہ اقوامِ متحدہ (جس میں پانچ عالمی بدمعاشوں: امریکہ، برطانیہ، فرانس، روس اور چین کی منہ زوری ہے) کو ختم کرنے کی طرف ایک بھونڈا اقدم ہے۔ یہ بورڈ آف پیس کچھ اور کر پائے یا نہیں، لیکن اس کا پہلا ہدف غزہ کی مکمل و حتمی بربادی ہے۔ اس غزہ کی مکمل و حتمی تباہی، جو پچھلے دو سوا دو سال میں بربادی کی تصویر مسجدِ اقصیٰ کے دفاع کی خاطر ہے۔ وہ غزہ جسے ’نوّے ہزار ٹن (۹۰،۰۰۰) گولہ و بارود‘[۲] نہیں توڑ سکا، اسے توڑنے اور مکمل برباد کرنے کے لیے یہ بورڈ آف پیس بنایا گیا ہے، پیس یعنی امن۔ سبحان اللّٰہ، بے شک پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے عظیم کلام میں کس قدر وضاحت سے فرمایا:

---

[۲] یہ عدد جیرڈ کشنر نے بورڈ آف پیس کی افتتاحی تقریب میں بیان کیا۔ جیرڈ کشنر ٹرمپ کا یہودی داماد ہے اور مشرقِ وسطیٰ کے امور میں ٹرمپ کے دائیں ہاتھ کے طور پر جانا جاتا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَ رْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ○ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ......(سورۃ البقرۃ:۱۱-۱۲)

”اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم زمین میں فساد نہ مچاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ یاد رکھو یہی لوگ فساد پھیلانے والے ہیں......“

اس بورڈ آف پیس میں شامل ہونے کے لیے اسرائیل سے بھی سبقت لے جانے والا ملک، ملکِ پاکستان ہے [۳]۔ ربع صدی قبل کابل و قندھار کا سودا کیا گیا تھا، لیکن آج بورڈ آف پیس میں شامل ہو کر القدس و غزہ کا سودا کیا گیا ہے۔ انبیاء کی سرزمین کا سودا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرزمینِ اسراء و معراج کا سودا، قبلۂ اول کا سودا۔ اس سودے میں ساتھ دینے والے نام نہاد کلمہ گو ظالموں میں ترکیہ، سعودی عرب، قطر، متحدہ عرب امارات، ازبکستان، انڈونیشیا، آذربائیجان، البانیا، بحرین، مصر، اردن، قزاقستان، کوسووو، کویت و مراکش شامل ہیں۔ ابھی دجال کا خروج نہیں ہوا، لیکن یہ سب دجال پر اس کی آمد سے قبل ہی ایمان لا چکے ہیں۔ اطلاعات کے مطابق پاکستانی فوج کی تین ریجمنٹیں غزہ میں تعینات کی جائیں گی: انیسویں لانسر ریجمنٹ، تیرہویں لانسر ریجمنٹ اور پانچویں ہارس ریجمنٹ۔ کیا یہ محض اتفاق ہے کہ یہ تینوں ریجمنٹیں قبل از قیامِ پاکستان (۱۹۴۷ء) برطانوی مقبوضہ فلسطین اور عراق و شام میں تعینات رہیں او آج ان کے غزہ جانے کی باتیں چل رہی ہیں۔ انیسویں لانسر ریجمنٹ کا نام ۱۹۵۶ء تک 19th King George V's Own Lancers رہا، تیرہویں لانسر ریجمنٹ کا نام 13th Duke of Connaught's Own Lancers تھا اور پانچویں ہارس ریجمنٹ کا نام 5th King Edward's Own Lancers Probyn's Horse تھا۔ پاکستان کے اہلِ دین کی قیادت میں سے ایک محترم شخصیت نے کہا کہ قوم کو کنفیوژن میں نہ ڈالیں کہ غزہ میں جا کر لڑ کر مرنے والا فوجی کیا کہلائے گا۔ سچی بات تو بصد احترام یہ عرض ہے کہ قوم کو کنفیوژن میں پاکستانی فوج کی اعلیٰ قیادت نے نہیں، ہمارے اپنے لوگوں نے ایسی باتیں کہہ کر ڈالا ہے۔ ذرا سوچیے نیتن یاہو کا مشن پورا کرنے والا پاکستانی فوج کا ایک ’زندہ‘ یا ’مردہ‘ سپاہی و افسر کیا کہلائے گا؟ ایسی جرات تو عبد اللہ بن ابی بن سلول رئیس المنافقین میں بھی نہ تھی کہ وہ اپنے سپاہیوں کو یوں قریشِ مکہ کا لشکری بنا دیتا۔ نیتن یاہو کا مشن پورا کرنے والے پاکستانی فوجی بالکل اسی طرح مردار ہوں گے جیسے اسرائیلی فوجی، بلکہ ان فوجیوں اور ان کی اعلیٰ قیادت کے بارے میں کچھ بات آئندہ سطور میں آئے گی۔

آج اہلِ پاکستان ایک بار پھر تاریخ کے ایک انتہائی فیصلہ کن دوراہے پر کھڑے ہیں۔

صرف ایسا نہیں ہے کہ ربع صدی قبل امارتِ اسلامیہ افغانستان کی تباہی اور مجاہدینِ القاعدہ کے سودے کے بعد آج مجاہدینِ کتائبِ قسّام اور مجاہدینِ سرایا القدس کو ختم کرنے کے ٹرمپ منصوبے کا حصہ پاکستانی فوج بننے جا رہی ہے۔ یہ کوئی پیٹ پالنے کا مجبوری والا طریقہ نہیں ہے جس میں لقمۂ حرام کی کوئی گنجائش نکل آئی ہے، بلکہ عین گھر کے اندر کے حالات بھی اللہ کی شریعت سے بغاوت بلکہ جنگ پر آمادگی و اعلان کا اظہار ہیں۔ سود ہماری معیشت ہے اور سبھی اہلِ فکر و دانش جانتے ہیں کہ چھبیسویں آئینی ترمیم میں ’ربا‘ کا یکم جنوری ۲۰۲۸ء تک خاتمہ محض ایک ڈھکوسلے اور لالی پاپ سے زیادہ کچھ نہیں۔ اگر یہ حقیقتاً سود ختم کرنے کا کچھ ارادہ رکھتے تو اس کے لیے کوئی سنجیدہ قدم اٹھاتے، اٹھتر سال سے جاری کھربوں کی سودی معیشت کو ختم کرنے کے لیے کوئی سنجیدہ اقدام نہیں کیا گیا۔ معاشرے میں بے راہ روی اور زنا کو پھیلانے کی خاطر اب آئین کا حصہ محض حقوقِ نسواں بل نہیں، بلکہ ٹرانس جینڈر ایکٹ اور اٹھارہ سال سے کم عمر کی شادی پر پابندی بھی ہے۔ پاکستان کے ممتاز علماء و

---

[۳] اسرائیل اس بورڈ کا حصہ ۱۳ فروری ۲۰۲۶ء کو بنا جبکہ پاکستان اس بورڈ کا حصہ ۲۲ جنوری ۲۰۲۶ء کو بن گیا تھا۔

مشائخ و اہلِ دین قائدین نے دو ماہ پیشتر کراچی میں منعقد ہونے والی ایک مجلس میں جتنے نکات بطورِ قرار داد منظور کیے آج ان کی دھجیاں علی الاعلان اڑائی جا رہی ہیں۔ اسلام آباد میں وفاقی حکومت کے تحت اور صوبہ سندھ و بلوچستان میں اٹھارہ سال سے کم عمر کی شادی پر پابندی ہے اور ابھی وسطِ فروری ۲۰۲۶ء میں ملک کے سب سے بڑے صوبے پنجاب میں ایک آرڈیننس کے ذریعے اٹھارہ سال سے کم عمر کی شادی کو قانوناً جرم قرار دے دیا گیا ہے اور نکاح کرنے والے اور کروانے والے کو سات سال قید اور دس لاکھ روپے تک جرمانہ کیا جائے گا۔ اٹھارہ سال سے کم عمر کی شادی کو تو 'چائلڈ میرج' کہا جاتا ہے لیکن حیرت انگیز بات ہے کہ پاکستانی فوج میں شمولیت کے لیے اہل عمر سترہ سال ہے۔ ہمیں ہماری اس بے باکی پر معاف کیجیے، آج ہم سب جو اس نئے قانون پر نوحہ زن ہیں اس نکتے کی طرف توجہ نہیں کر رہے کہ اٹھارہ سال سے کم عمر کی شادی کے قانون و آرڈیننس سے قبل (پنجاب میں) جو 'چائلڈ میرج ریسٹرینٹ آرڈیننس ۱۹۲۹ء' نافذ تھا اس میں بھی لڑکوں کے لیے شادی کی کم از کم عمر ۱۸ سال اور لڑکیوں کے لیے ۱۶ سال تھی، سوال یہ ہے کہ کیا اس نئے آرڈیننس سے قبل ۱۹۲۹ء والے آرڈیننس میں طے شدہ اٹھارہ اور سولہ سال کی عمر کی حد شرعاً جائز تھی؟

بے شک یہ نئے قوانین و آرڈیننس و ایکٹ، اللہ جَلَّ جَلَالُهُ کی شریعت کی واضح خلاف ورزی ہیں، لیکن مسئلے کی جڑ کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ آئین جس کو ہم 'اسلامی' کہتے ہیں کیا یہ واقعی اسلامی ہے؟ ۱۹۲۹ء میں جو قانون بنا وہ انگریز نے ہی بنایا تو کیا انگریز نے شریعتِ اسلامی کا پابند ہو کر یہ قانون بنایا تھا؟

عالمی و مقامی طور پر ریاستِ پاکستان کا کردار ہمارے سامنے ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہم بے سود قرار دادوں اور احتجاجوں میں الجھے رہیں گے اور ہمارے پارلیمانوں میں زنا کی سہولت کاری اور 'ہماری' افواج ٹرمپ اور نیتن یاہو کے ساتھ مل کر حماس نہیں دراصل ارضِ قدس میں جہاد کا خاتمہ کرتی رہیں گی؟

اسرائیل کی حمایت کے خلاف تحریکِ لبیک کے کارکنوں کا جو قتلِ عام مریدکے میں ہوا کیا یہ قتلِ عام ہمارے لیے کوئی پیغام نہیں رکھتا؟ حد تو یہ ہے کہ کل تک جس طرح مجاہدین کی عورتوں کو اغوا و بے آبروئی کا نشانہ بنایا جاتا تھا، آج اسی طرز پر پنجاب میں تحریکِ لبیک کی عورتوں کو غائب کیا جا رہا ہے۔ سخت سردی میں خیبر کے علاقے وادئ تیراہ میں، برف میں جس طرح وہاں کے قبائلی لوگوں کو چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ بے گھر و دربدر کیا گیا تو کیا یہ ریاست و فوج کی وحشت و بربریت نہیں ہے؟

آج اہلِ پاکستان ایک بار پھر تاریخ کے ایک انتہائی فیصلہ کن دوراہے پر کھڑے ہیں۔

اہلِ پاکستان کو اب یہ فیصلہ کرنا ہو گا کہ وہ اٹھتر سال سے جس ٹرک کی بتی کے پیچھے بھگائے جا رہے ہیں، کیا وہ اسی ٹرک کی بتی کے پیچھے بھاگتے ہوئے غزہ کے مسلمانوں کے قتلِ عام میں خاموش حامی بن جائیں گے اور اپنے ملک میں غیر شرعی قوانین پر بس رسمی سی احتجاجی کارروائیوں کے بعد چپ سادھ لیں گے یا اپنے گھروں سے نکل کر فریضۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور فریضۂ دعوت و جہاد ادا کریں گے؟
ہمیں من حیث القوم پارلیمانی قرار دادوں، جمہوریت، احتجاجوں اور مظاہروں کے سرابوں کے پیچھے بھاگتے ہوئے دہائیاں بیت گئیں۔ دہائیاں بیت گئیں ہمیں اسلاف کی راہ چھوڑے ہوئے۔ ہمارے سلف نے تو 'ظالموں' کے خلاف علَمِ بغاوت بلند کیا تھا جبکہ ہمارے زمانے کے حکمران تو اللہ کے نازل کردہ قوانینِ شریعت کی جگہ اپنے بنائے قوانین نافذ کرتے ہیں اور امریکیوں اور اسرائیلیوں کے ساتھی بنتے ہیں۔ ہمیں ذرا سمجھائیے کہ ایسا کون سا اکراہ ہے، کون سی مجبوری ہے کہ جس کے تحت غزہ کو تہہِ تیغ کرنے کے لیے پاکستانی فوج کے پیادہ و آرمرڈ ریجمنٹ کے افسر و جوان بورڈ آف پیس کے تحت جنگ لڑیں گے؟ اپنے مسلمان بھائیوں کا قتل اور وہ بھی ارضِ مقدس میں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ معراج کو پائمال کرنے کے لیے جانا کیا ایمان و اسلام کی علامت ہے یا نفاق کی نشانی؟

کیا ایسے حکمرانوں کے خلاف سیّدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما، سیّدنا عبد اللہ ابنِ زبیر رضی اللہ عنہما، سیّدنا زید بن علی، سیّدنا محمد ذوالنفس الزکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبد اللہ اور ان اصحاب کی تائید میں امامِ اعظم ابو حنیفہ و امام مالک رحمۃ اللہ علیہم کا اسوہ اپنانے کی ضرورت نہیں؟ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو خلیفہ منصور کے خلاف اس کے فوجی افسر حسن بن قحطبہ کو ابھارا اور ابراہیم بن عبد اللہ (ابن الحسن المثنیٰ بن سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہم) کا مقابلہ کرنے سے باز رکھا اور انہی ابراہیم بن عبد اللہ کی تائید میں رقم بھی بھیجی[4]۔ 'سیّدنا محمد ذوالنفس الزکیہ نے جب منصور کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا'[5] تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اہلِ مدینہ کو ان کی رفاقت و طاعت کا فتویٰ دیا، اگرچہ وہ منصور کی بیعت کر چکے ہوں[6]۔

یہاں سوال اٹھایا جاتا ہے کہ یہ سب تحریکات ناکام ہوئیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم پوری دانش و بینش اور بہترین منصوبہ بندی کے ساتھ جہد و جہاد کے مکلف ہیں، ان کے نتائج کے نہیں۔ بے شک ہم بے نتیجہ جنگوں کا نہ حصہ بنتے ہیں نہ اپنی قوم کو بے نتیجہ جنگوں کا حصہ بنانا چاہتے ہیں، لیکن اگر ایک طرف ایمان کے ساتھ موت ہو اور دوسری طرف 'بورڈ آف پیس' کا حصہ بن کر چار دن مزید جی لینا تو ایمان کے ساتھ مرنا ہی بہتر ہے۔

عزت سے جیے تو جی لیں گے
یا جامِ شہادت پی لیں گے!

بے شک جنگوں سے خون بہتا ہے اور خون بہنا کوئی ممدوح بات نہیں، لیکن اللہ جلَّ جلالہٗ نے فرمایا 'وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ' اور '(کفر و شرک کا) فتنہ قتل سے بڑھ کر ہے'۔ اسلاف کی انہی جنگوں کا ذکر کرتے ہوئے مفکرِ اسلام، مؤرخِ ملت حضرت مولانا سیّد ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

'اگرچہ یہ سب کوششیں ناکام رہیں، لیکن انہوں نے امت میں غلط اقتدار کے خلاف جد و جہد اور اعلانِ حق کی ایک نظیر قائم کر دی، اگرچہ عملاً وہ کامیاب نہیں ہو سکے لیکن ان کی کوششوں کا یہ ذہنی اثر، قربانی، اور جد وجہد کا یہ تسلسل کچھ کم قیمتی نہیں، اسلامی تاریخ کی آبرو انہی جواں مردوں سے قائم ہے، جنہوں نے غلط اقتدار اور مادّی ترغیبات کے سامنے سپر نہیں ڈالی اور صحیح مقصد کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ بہا دیا۔ "مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ"۔'[7]

مسجدِ اقصیٰ زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے، پوری امت پر جہادِ قدس کی نصرت، حمایت اور اس میں حصہ لینا فرضِ عین ہے۔ پس امت پر لازم ہے کہ دامے، درمے، قدمے، سخنے اس جہاد کا حصہ بنے۔ نصرتِ قدس اور آزادیٔ مسجدِ اقصیٰ کے قافلے کا حصہ بنیں۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم پوری قوت و شدت سے اسرائیل اور اس کے پشت پناہ، اسرائیل ہی کے دوسرے نام امریکہ سے ٹکرائیں اور اس ناکام فلسفے کو بھی ترک کر دیں کہ

---

[4] مؤرخین کا خیال ہے کہ امام ابو حنیفہ کے خلاف منصور نے جو سخت کارروائی کی، اس کی وجہ ان کا عہدۂ قضا سے انکار تھا، بلکہ دراصل محمد و ابراہیم کی حمایت تھی جس کا منصور کو علم تھا، اس باب کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو 'امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی' از مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ۔ (بحوالہ تاریخِ دعوت و عزیمت، ج ۱، ص ۷۳)

[5] یہ الفاظ مولانا سیّد ابو الحسن علی ندویؒ کے ہیں۔ (تاریخِ دعوت و عزیمت، ج ۱، ص ۷۳)

[6] تاریخ الکامل، ج ۵، ص ۲۱۴

[7] تاریخِ دعوت و عزیمت، ج ۱، ص ۷۳

فلسطین کی آزادی کی جنگ محض اسرائیل کے خلاف لڑی جائے گی۔ بورڈ آف پیس اسرائیل نے نہیں امریکہ نے تشکیل دیا ہے۔ پس سانپ کا سر اور برائی کا منبع امریکہ ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم محاذوں والوں سے رابطے قائم رکھیں، اپنے آپ کو اہلِ جہاد کے سپرد کریں اور پھر جہاں جہاں، جس جس میدان میں ہماری تشکیل ہو تو پوری تندہی سے اپنا فریضہ ادا کریں، مقصد نصرتِ قدس رکھیں، امریکہ کو نشانہ بنائیں، بے شک امریکہ کے اہداف پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بقولِ شہید سپہ سالارِ اسلام ابو خالد محمد الضیف رحمۃ اللّٰہ علیہ، تاریخ نے اپنے سب سے زیادہ عزت و وقار کے ممتاز ترین اوراق پھیلا رکھے ہیں، کون ہے جو اپنا نام آزادئ قدس کی خاطر ان صفحات میں لکھوائے۔ پس اس جنگ میں جو امریکہ کا حواری بنے اور دعوت و زبانی امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے بات نہ سمجھے تو اس کو بھی اسی انجام سے دوچار کرنا ہم پر لازم ہے جو انجام و حق امریکہ و اسرائیل کا ہے۔

اللهم اهدنا فيمن هديت وعافنا فيمن عافيت وتولنا فيمن توليت وبارك لنا فيما أعطيت وقنا شر ما قضيت إنك تقضي ولا يقضى عليك وإنه لا يذل من واليت ولا يعز من عاديت تباركت ربنا وتعاليت!

اللهم وفقنا لما تحب وترضى وخذ من دمائنا حتى ترضى. اللهم اهدنا لما اختلف فيه من الحق بإذنك. اللهم زدنا ولا تنقصنا وأكرمنا ولا تهنّا وأعطنا ولا تحرمنا وآثرنا ولا تؤثر علينا وارضنا وارض عنا. اللهم إنّا نسئلك الثّبات في الأمر ونسئلك عزيمة الرشد ونسئلك شكر نعمتك وحسن عبادتك. اللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم، آمين يا ربّ العالمين!

◆◆◆◆◆

مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' اہلِ دین و دانش کے نصائح، رائے اور مشورے کا محتاج ہے
اور چاہتا ہے کہ اہلِ دین و دانش کے
قیمتی نصائح، رائے اور مشورے ادارے تک پہنچیں۔

editor@nghmag.com

اللہ سے حُسنِ ظن

شیخ إياد قنيبی

آزمائش وابتلا کو نعمتوں میں کیسے بدلیں؟ آزمائش کی نعمت کا مزہ کیسے حاصل کریں؟ قطع نظر اس سے کہ آپ کو زندگی میں کس کس مشکل کا سامنا ہے، آپ ایک پر سکون زندگی کیسے گزار سکتے ہیں؟ آپ ہر معاملے کا سامنا مثبت اندازِ فکر اور امید و حوصلے سے کیسے کر سکتے ہیں؟ آپ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ وہ گہرا و قریبی تعلق کیسے بنا سکتے ہیں، کہ آپ کو اس کی ذات کے سوا کسی کا خوف اور کسی سے امید نہ رہے؟ آپ ایک ناقابلِ شکست عزم اور ایک ناقابلِ شکست شخصیت کیسے پیدا کر سکتے ہیں؟ آپ اپنے دل کا تزکیہ کیسے کریں، کہ قسمت و تقدیر کو الزام دینا چھوڑ دیں تاکہ اللہ سے ایک سالم و پاکیزہ دل کے ساتھ ملاقات کر سکیں؟ آپ اپنے خالق و مالک، اپنے ربّ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے اپنی محبت کو کیسے خالص و غیر مشروط بنا سکتے ہیں؟ تحریرِ ہٰذا میں آپ کو ان سوالوں کے جواب، اور مزید بہت کچھ ملے گا، ان شاء اللہ!

تعارف

اللہ، تمام حمد و ثنا اسی کے لیے ہے، ہمارا خالق و رازق، وہ ہستی کہ جس سے ہم سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں، جس کی رحمت ہر شئے کا احاطہ کیے ہوئے ہے! اس نے اپنے بندوں کو پیدا کیا تاکہ وہ اس کی عبادت کریں، اس کی اطاعت کریں، اس سے محبت کریں۔ اس نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا، اور اپنی مخلوق پر اپنے انعام و اکرام کے ذریعے خود کو ان کا محبوب بنا لیا، کہ وہی تو 'الودود' ہے (سب سے زیادہ محبت کرنے والا)، تمام تعریفیں اسی کے لائق ہیں۔ اس نے انہیں پیدا کیا اور انہیں اپنی رحمت سے ڈھانپ لیا، کہ وہی 'الرحیم' ہے (نہایت رحم کرنے والا)۔

اس نے انہیں پیدا کیا، اور ان کے گناہوں کے باوجود، ان کے ساتھ نرمی و تحمل کا معاملہ فرمایا، کیونکہ وہ 'اللطیف و الحلیم' ہے (نہایت باریک بین اور نہایت مہربان، نہایت حلم والا)۔ اسے اپنے بندوں کی آواز سننا محبوب ہے، وہ آوازیں جو خوشحالی میں شکر کا اظہار کرتی ہوں، اور ابتلا میں عاجزی کا۔ اگر اس کا کوئی بندہ اپنے مالک سے دور چلا جائے، تو وہ اسے امتحان و ابتلا سے آزماتا ہے، تاکہ اسے واپس اپنی طرف پلٹا لائے اور اپنے بندے کی دعا و فریاد سنے۔ اور اپنے بندوں کو آزمانے میں، اس سے بڑھ کر حکمت والا، اس سے بڑھ کر رحمت والا کوئی نہیں۔

میں زندگی میں مشکل حالات سے گزرا ہوں، لیکن اللہ نے میری رہنمائی فرمائی اور مجھے اپنے ربّ سے، اس کی رحمت سے اور اس کی حکمت سے حسنِ ظن کی توفیق عطا فرمائی۔ نتیجتاً اللہ نے میرے لیے ابتلا کی اذیت کو سکینت و اطمینان میں بدل دیا۔ اور وہ ایسا کیوں نہ کرتا، جب وہ اپنی حدیثِ قدسی میں وعدہ فرماتا ہے کہ

”أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي.“ (صحیح بخاری)

”میں اپنے بندے کے میرے ساتھ گمان کے مطابق ہوتا ہوں۔“

اور یہ حقیقت ہے کہ جب آپ اللہ سے اچھا گمان رکھتے ہیں اور اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں، تو آپ اس کی جانب سے خیر ہی خیر پاتے ہیں۔

اگر آپ کو اس بات پر اعتماد ہے کہ ہر قسم کے حالات و مشکلات کے باوجود، اللہ اس بات پر قادر ہے کہ آپ کے دل کو خوشی، قناعت اور سکینت سے مالا مال کر دے، تو وہ آپ کے لیے ویسا ہی ہو گا جیسا آپ اس کے بارے میں سوچتے ہیں، کیونکہ وہی ہے جو غم و خوشی عطا کرتا ہے۔

وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى (سورۃ النجم: ۴۳)

”اور یہ کہ وہی ہے جو ہنساتا اور رلاتا ہے۔“

جی ہاں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مجھے (آزمائش میں مبتلا کر کے) بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے۔ میں نے ان نعمتوں کو ایک فہرست میں مرتب کیا، جیسے جیسے وہ مجھے یاد آتی گئیں۔ اور میرے لیے یہ تجربہ انتہائی پر لطف تھا، ان نعمتوں کو لکھنا، ان کو از سرِ نو شمار کرنا اور ان پر تدبر کرنا! اور پھر جب اللہ نے مجھے میری آزمائش سے نجات عطا فرمائی، تو میں نے اس کے کئی ایک مزید عظیم انعامات کو اپنا منتظر پایا۔

میرے بھائیو اور بہنو! اپنے رحیم و کریم ربّ کے سامنے اپنے تشکر کا اظہار کرنے کے لیے، میں اس کے بعض انعامات آپ کے ساتھ شریک کرنا چاہتا ہوں، تاکہ ہم اللہ سے حسنِ ظن رکھنے کا فن مل کر سیکھ سکیں، تمام عزت و تعریف جس کی ذات کے لیے ہے۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (سورۃ الضحیٰ: ۱۱)

”اور اپنے رب کی نعمتوں کا بیان کرتے رہنا۔“

اس کتاب میں مذکور تمام باتیں محض ان بعض انعامات کی کچھ تفصیل ہیں، جن کا میں نے اپنی فہرست میں شمار کیا۔ بھائیو اور بہنو! ذرا دیکھیں تو کہ اصحابِ کہف نے کیسے اپنے ربّ سے خوش گمانی کی:

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا (سورۃ الکہف: ۱۶)

”اور جب ہم نے ان مشرکوں سے اور جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کنارہ کر لیا تو اب اس غار میں جا بیٹھو“......

ایک غار، ایک اندھیری، ویران اور دورافتادہ جگہ...... جس تک پہنچنا مشکل اور جس کے باسی یقیناً کیڑے مکوڑے، بچھو اور سانپ تھے...... کسی بھی قسم کے پانی یا سبزے سے محروم...... لیکن اللہ کی طاقت نے اسے کسی اور چیز میں بدل دیا:

......''اب اس غار میں جا بیٹھو تمہارا رب تم پر اپنی رحمت پھیلا دے گا اور تمہارے معاملہ میں تمہارے واسطے آسانی پیدا کر دے گا۔''

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس غار کو اپنی رحمت و طاقت کے سبب، ایک ایسی جگہ میں تبدیل کر دیا جو رحم و کرم، امن و آرام اور صالح صحبت کے لیے محفوظ پناہ گاہ بن گئی۔

بھائیو اور بہنو، میں قسم کھاتا ہوں کہ تمہارا ربّ بہت مہربان ہے۔ تو آیئے اسے جاننے کا سفر شروع کرتے ہیں۔ اس کے اپنے بندوں کے ساتھ تعامل کو دیکھتے ہوئے، تاکہ ہم اس ربّ کی عظمت کو پہچان سکیں جس کی ہم عبادت کرتے ہیں۔ آیئے اپنے ربّ کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ ہم اس سے ہمیشہ بہترین گمان رکھنا سیکھیں، اس امر سے بے نیاز ہو کر کہ اس نے ہمارے لیے کیا مقدّر طے کیا ہے، یا وہ ہمیں کس چیز میں مبتلا کرتا ہے۔

فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا (سورۃ النساء: ۱۹)

''یہ عین ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔''

آیئے کہ ہم اللہ سے دوستی کر سکیں، اس کی صحبت و معیت میں رہنا سیکھیں، اور اس کے امن و تحفظ کے سائے تلے خود کو محفوظ کر سکیں۔ آیئے کہ اپنے دلوں کو زندہ کریں اور اپنی محفلوں کو اس کی یاد و تذکرے سے مزیّن کریں۔ میں اللہ جل جلالہ سے دعا کرتا ہوں جو عرشِ عظیم کا ربّ ہے کہ اس کتاب سے ہمیں فائدہ پہنچائے، اور ہمارے دلوں میں اپنی محبت بڑھا دے۔ بے شک تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں۔

اَن دیکھے مستقبل کے خدشات کو کیسے شکست دیں

تصوّر کیجیے کہ آپ نے کچھ تحائف وصول کیے ہیں، جن کے بارے میں آپ جانتے ہیں کہ وہ انتہائی قیمتی اور دلپذیر ہیں۔ بعض تحائف بے حد خوبصورت اور چمکدار، نگاہ کو بھانے والی پیکنگ میں لپٹے ہوئے ہیں، جبکہ بعض تحائف بدصورت و بدرنگ کاغذ میں لپیٹے گئے ہیں۔ کیا آپ ان تحائف کی پیکنگ کی پروا کریں گے اگر آپ جانتے ہوں کہ کاغذ کے نیچے موجود سب تحائف ہی نہایت قیمتی ہیں؟

اسی طرح اگر آپ یہ جانتے ہوں کہ آپ اپنے مستقبل میں پیش آنے والے ہر معاملے کو اپنے حق میں مفید و نافع بنا سکتے ہیں، تو آپ کو اس چیز سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ مستقبل کے یہ واقعات نعمت کی شکل میں آپ کی زندگی میں داخل ہو رہے ہیں یا آزمائش کی صورت میں، کیونکہ ان شاء اللہ یہ فیصلہ آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے کہ ہر معاملے کا انجام آپ کے لیے نیک ہے یا بد۔

لوگ عموماً مستقبل کی فکر سے لرزاں و ترساں کیوں رہتے ہیں؟ اس لیے کہ مستقبل ان کے لیے انجانا، اَن دیکھا ہے۔ اس اَن دیکھے مستقبل کے خدشات لوگوں کے قلب و ذہن پر ایسا بوجھ بن جاتے ہیں کہ چاہے ان کے پاس کتنی ہی دنیاوی نعمتیں کیوں نہ ہوں، مستقبل کے یہ خدشات ان کے سکون و اطمینان کے لیے سمِ قاتل بن جاتے ہیں۔ ہر وقت یہی اندیشہ لاحق رہتا ہے کہ ان کی نعمتیں چھن جائیں گی اور ان کی صورتحال الٹ جائے گی۔

مالدار فقیر بن سکتا ہے، ایک صحتمند شخص جان لیوا مرض میں مبتلا ہو سکتا ہے، ایک آزاد آدمی قید ہو سکتا ہے، ایک محفوظ شخص اپنی حفاظت کے حوالے سے مستقل اندیشوں میں مبتلا ہو سکتا ہے، ایک اور شخص اپنے قریبی عزیز کھو سکتا ہے، وغیرہ۔

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ آپ خود کو اَن دیکھے مستقبل کے خدشات سے کیسے نجات دلا سکتے ہیں؟

یہ سادہ سا فیصلہ کر لیجیے کہ اللہ عز و جل کی طے کی ہوئی قدر پر آپ ہر حال میں راضی رہیں گے، چاہے وہ کچھ بھی کیوں نہ ہو!!

یہاں یہ بات اہم ہے کہ قناعت کسی واقعے کے بعد حاصل ہوتی ہے، اور یہ اس عمل کے نتیجے میں ملتی ہے جو آپ اس واقعے سے پہلے کر چکے ہوتے ہیں۔

یہ سوال اکثر پوچھا جاتا ہے کہ ''اگر قناعت (یعنی قدر پر راضی و قانع ہو جانا) ایک قلبی عمل ہے جس پر انسان کا کوئی اختیار نہیں، تو یہ ہم سے کیونکر طلب کیا گیا ہے؟''، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ اپنے نفس کی اللہ کی مشیّت پر راضی رہنے اور اس کے احکام کی تعمیل کرنے کی تربیت کر سکتے ہیں، تاکہ جب آپ کو صبر و قناعت کی ضرورت پڑے تو اللہ یہ انعام آپ کو عطا کر دے۔

تو جب بھی اَن دیکھے حالات کی فکر آپ کو ستانے لگے، آپ کو چاہیے کہ اللہ کے ساتھ اپنے تعلق کا اعادہ کریں۔ اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں، اس کی رضا پر راضی ہو جائیں، اس کے سامنے شکر گزاری اختیار کر لیں، صبر کو اپنا لیں اور پختہ یقین رکھیں کہ اللہ آپ کی مدد کرے گا۔ اگر آپ یہ کریں گے تو آپ کے دل سے مستقبل کا خوف ختم ہو جائے گا کیونکہ مستقبل آپ کے لیے اب اَن دیکھا، انجانا نہیں رہا، بلکہ اب وہ شیشے کی طرح شفاف و واضح ہو گیا ہے۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ یہ فیصلہ کر لینے کے سبب آپ اب جانتے ہیں کہ مستقبل میں جو کچھ بھی ہو گا وہ آپ کی بھلائی اور فائدے ہی کے لیے ہو گا۔ کیا رسولِ خدا، علیہ اَلف صلوٰۃ و سلام، نے یہ نہیں فرمایا کہ:

''عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ.'' (صحيح مسلم)

''مومن کا بھی عجب حال ہے کہ اس کے ہر حال میں خیر ہی خیر ہے اور یہ بات کسی کو حاصل نہیں سوائے اس مومن کے کہ اگر اسے کوئی

تکلیف بھی پہنچی تو اسے نے شکر کیا تو اس کے لیے اس میں بھی ثواب ہے اور اگر اسے کوئی نقصان پہنچا اور اس نے صبر کیا تو اس کے لیے اس میں بھی ثواب ہے۔‘‘

پھر یہ فیصلہ کر لینے کے بعد کہ خوشحالی کے دور میں اللہ کا شکر ادا کریں گے اور بدحالی میں صبر کریں گے، یہ مت کہیے کہ ’’میں نہیں جانتا کہ مستقبل میرے لیے اپنے دامن میں خیر سمیٹے ہوئے ہے یا مشکلات و ابتلا‘‘، کیونکہ ہمارے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظِ مبارک کے مطابق، مستقبل اپنے دامن میں مومن کے لیے سوائے خیر کے کچھ نہیں رکھتا۔

اس طرزِ فکر کی خوبصورتی یہ ہے کہ اب آپ فکر و اندیشوں میں ڈوبے، مستقبل کے اَنجانے فیصلوں کے انتظار میں پریشان و لاچار نہیں بیٹھے، کہ کب تقدیر اپنا داؤ کھیلے اور آپ کو کسی جانب پٹخ دے۔ اب آپ کے لیے معاملات کی ظاہری شکل و صورت (یہ کہ ہر معاملہ کس قسم کے کاغذ میں لپٹا ہوا آپ کے پاس آتا ہے) کوئی حیثیت نہیں رکھتی، چاہے وہ مال و دولت ہے یا فقر، صحت یا بیماری، آپ کے پیاروں کی موجودگی یا جدائی، کیونکہ آپ کے پاس وہ نسخۂ کیمیا موجود ہے جو کسی بھی قسم کی صورتحال کو اپنے فائدے کی شکل میں ڈھال سکتا ہے۔ آپ سے صرف اتنا مطلوب ہے کہ یہ فیصلہ کر لیجیے کہ چاہے کیسے ہی حالات کیوں نہ آ جائیں، آپ ہر حال میں اپنے ربّ کے سامنے شکر گزار اور صابر رہیں گے۔

یہ مت کہیے کہ ’’میں نہیں جانتا کہ مستقبل میرے لیے اپنے دامن میں خیر سمیٹے ہوئے ہے یا مشکلات و ابتلا‘‘، کیونکہ ہمارے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظِ مبارک کے مطابق، مستقبل اپنے دامن میں مومن کے لیے سوائے خیر کے کچھ نہیں رکھتا۔

یہ مت کہیے کہ ’’میں نے اگر صبر اختیار کرنے کی کوشش کی تو بھی ممکن ہے کہ اللہ مجھے صبر عطا نہ کرے‘‘۔ اس کے بجائے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے الفاظ یاد کیجیے:

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ (سورۃ التغابن:۱۱)

’’کوئی مصیبت اللہ کے حکم کے بغیر نہیں آتی، اور جو کوئی اللہ پر ایمان لاتا ہے وہ اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔‘‘

اس آیت میں بہت سے اہم مفاہیم پنہاں ہیں۔ جو کوئی بھی اللہ پر پختہ یقین و اعتماد کے ساتھ، اپنے معاملات اس کے سپرد کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے دل کی رہنمائی فرماتے ہیں اور اس کی مدد کرتے ہیں، کیونکہ صبر و قناعت تو ایک ایمان سے بھرپور دل اور اللہ کے سامنے تسلیم ہوئی روح کا ثمرہ ہیں۔

ان خدشات کا علاج رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللَّهُ، وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ...‘‘ (بخاری ومسلم)

’’اور جو شخص صبر کرے گا اللہ تعالیٰ اسے صبر عطا کرے گا اور کسی شخص کو صبر سے بہتر اور کشادہ تر نعمت نہیں ملی۔‘‘

سو قدم اٹھائیے اور یہ فیصلہ کر لیجیے۔ یہ مت کہیں کہ ’’ہو سکتا ہے کہ اللہ کی قدر و مشیّت ہی یہ ہو کہ میں صبر نہ کروں اگرچہ میں صبر کرنے کی مخلصانہ کوشش بھی کر رہا ہوں‘‘، کیونکہ اللہ اس رویّے کا حامل نہیں، بلکہ وہ اس سے کہیں زیادہ مہربان، اپنے بندے سے درگزر کرنے والا ہے۔ اللہ نے وہ طریقے و راستے مقرر کر دیے ہیں کہ جن کو اپنایا جائے تو وہ ان کو اپنانے والے کو صبر، قناعت اور سکینت کی دولت سے نواز تا ہے۔ یہ آپ کے اپنے اعمال ہیں جو آپ کو اللہ کی جانب سے صبر و ہمت عطا کیے جانے کے قابل بناتے ہیں، یہ کوئی ایسی چیز نہیں جو آپ کی استعداد سے باہر ہو۔

ہو سکتا ہے کہ آپ کہیں ’’اگرچہ میں صبر کرنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میری یہ کوشش کامیاب نہیں ہو گی کیونکہ میری آزمائش اتنی بڑی ہے کہ میرا صبر اس کا احاطہ نہیں کر سکتا‘‘۔ آئندہ گفتگو میں ہم اللہ کی ذات و صفات کے تذکرے اور اس کے علم و حکمت کے مختلف پہلوؤں، اس کی اپنے بندے کی مدد کرنے کے مختلف انداز پر غور کرتے ہوئے ہم مل کر ایسے خدشات کا ازالہ کریں گے، ان شاء اللہ۔

ہو سکتا ہے کہ آپ یہ کہیں کہ ’’میں ابھی تو اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے دل میں موجود محبت کے سبب یہ فیصلہ کر سکتا ہوں، لیکن مجھے ڈر ہے کہ اگر میری آزمائش انتہائی سخت ہوئی تو اس سے اللہ کے لیے میری محبت بھی متاثر ہو جائے گی‘‘۔ آئندہ سطور میں ہم مل کر یہ کوشش بھی کریں گے ان شاء اللہ، کہ اللہ کے لیے اپنی محبت کا بیج از سرِ نو دل کی زمین میں بوئیں، اور اسے ایسا راسخ کریں کہ اس کی بنیاد کو دوبارہ کوئی ہلا نہ سکے۔ تاکہ زندگی میں کیسے ہی حالات پیش کیوں نہ آئیں، کیسی ہی آزمائشوں کا سامنا ہو، اللہ کی معیت، اس کے ساتھ اور اس کی مدد کا یقین ہمارے دلوں میں راسخ ہو۔

اس وقت آپ کو صرف اتنا کرنے کی ضرورت ہے کہ اللہ کی حکمت اور اس کی رحمت پر اعتماد کریں، تاکہ آپ قناعت و رضا اختیار کرنے کا فیصلہ کر سکیں۔ اس قناعت و رضا بِالقدرِ اللہ سے ہماری مراد یہ ہے کہ دل اس طرح اللہ کے سامنے تسلیم ہو جائے اور ایسا مکمل اطمینان اللہ کی قدر پر حاصل ہو جائے کہ جس میں کسی قسم کا کوئی کھوٹ نہ ہو۔ جس میں اللہ کی حکمت و مشیّت پر کوئی ہلکا سا اعتراض یا بے اطمینانی کی کیفیت نہ ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ مصائب و مشکلات سے متاثر نہیں ہوں گے یا آپ کو یہ مشکلات محبوب ہو جائیں گی، کہ یہ انسان کی فطرت کے خلاف ہے۔ یہ عین فطرت ہے کہ کسی ابتلا کے وقت، کسی پیارے

کی موت و جدائی کے وقت، انسان کا دل غمزدہ و حزین ہو جاتا ہے، لیکن اللہ کے فیصلے کے خلاف دل میں کوئی غصہ نہیں ہونا چاہیے، اس کی مشیّت پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے، اس قسم کے خیالات کہ ”میں ہی کیوں؟ (اس مشکل میں مبتلا ہوا)“ یا ”میں نے ایسا کیا کیا جس کا صلہ مجھے اس شکل میں ملا؟“ کے بجائے اللہ رب العزت کا شکر بجالانا چاہیے اور صبر کرنا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کو انعام و اکرام سے نوازے اور اطمینان و سکینت کی دولت سے مالامال کر دے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک دعاؤں میں سے ایک یہ دعا تھی:

”اللهم رضني بما قضيت لی“

”اے اللہ مجھے راضی کر دیجیے اس فیصلے پر جو آپ نے میرے لیے فرمایا ہے۔“

رات کو جب آپ سونے کے لیے لیٹتے ہیں، اور اپنا سر اپنے تکیے پر رکھتے ہیں، اور وہ دعا پڑھتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھائی:

”اللهم أسلمت نفسي إليك وفوضت أمري إليك“

”اے اللہ! میں خود کو تیرے حوالے کرتا ہوں، اپنے معاملات تیرے سپرد کرتا ہوں......“

تو یہ الفاظ مکمل یقین اور مکمل تسلیم و رضا کے ساتھ کہیے، تاکہ آپ ان لوگوں میں شامل ہو سکیں جو اللہ کی نگہبان نظروں کے سامنے ہمہ وقت رہتے ہیں۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ۝ (سورۃ الطور: ۴۸)

”اور تم اپنے پروردگار کے حکم پر جمے رہو، کیونکہ تم ہماری نگاہوں میں ہو، اور جب تم اٹھتے ہو اس وقت اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیا کرو۔“

معنی: ڈریں نہیں، اپنے خوف و اندیشے اللہ کے حوالے کر دیجیے، آپ اللہ کی نگہبانی و حفاظت میں ہیں، اس کی رحمت و محبت سے ڈھانپے ہوئے ہیں۔

خلاصۂ کلام: زندگی میں کیسے حالات پیش آتے ہیں، ان سے بے نیاز ہو کر اپنے ربّ سے ہمیشہ راضی رہنے کا فیصلہ کر لیجیے، تاکہ آپ اپنے آپ کو آئندہ پیش آنے والے اَن دیکھے واقعات و حالات کے خوف سے نجات دلا سکیں، بعون اللہ۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

بقیہ: رمضان المبارک کی برکات اور روزے کا مقصد

جب سحری کے وقت حضرت گھر تشریف لے گئے تو گھر کی خواتین نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ حضرت! آج آپ نے کن قاری صاحب کو بھیج دیا تھا؟ انہوں نے تو بس ہماری تراویح خراب کر دی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ خواتین تو رمضان المبارک میں تراویح کی نماز میں سات قرآن پاک سنا کرتی تھیں جبکہ قاری صاحب نے فقط چار پارے سنائے۔ نا صرف سلف صالحین بلکہ مستورات صالحات بھی رمضان المبارک میں یوں مجاہدہ کیا کرتی ہیں، پس یہ کمائی کا مہینہ ہے، اپنے جسم کو تھکانے کا مہینہ ہے۔

مشقت کا مہینہ

میرے دوستو! بقیہ سال تہجد میں جاگنا ہم جیسے کمزور لوگوں کے لیے مشکل ہوتا ہے، چلو رمضان المبارک میں تو سحری کے لیے جاگتے ہی ہیں تو اسی وقت میں چند نفل بھی ادا کر لیا کریں اور دن کے اوقات میں قرآن کی تلاوت کیا کریں۔ ایک ماہ غیبت چھوڑ دیں، لایعنی چھوڑ دیں، دوستوں سے ایک ایک دو دو گھنٹے کی ملاقاتیں چھوڑ دیں، ہم سب سے اجنبی بن کر اللہ کے ہو رہیں اور اس ماہ مبارک میں فقط اپنی ذات کے لیے کمائی کرنے والے بن جائیں۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی بد دعا

حدیث پاک میں آتا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دعا کی اور فرمایا کہ اے اللہ کے نبی! ہلاک ہو جائے وہ شخص جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور اپنی مغفرت نہ کروائی۔ میرے آقا نے اس پر آمین کی مہر لگا دی۔ اول تو ایک مقرب فرشتے کی بد دعا ہی کافی تھی اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمین نے بھی اس پر مہر لگا کر اس تاکید میں اضافہ کر دیا کہ جو آدمی رمضان کا مہینہ پائے اور مغفرت نہ کروائے، اس کے ہلاک ہونے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔

نجات کی صورت

میرے دوستو! جانتے تو ہم سب ہیں کہ ہمارے گناہ زیادہ ہیں اور کوششیں کم، البتہ دامن پھیلانے کی ضرورت ہے کہ ہم رمضان المبارک کو اللہ تعالیٰ کی رحمت مانگتے ہوئے گزاریں۔ کسی دنیا دار کا دروازہ بھی کوئی مسلسل ایک ماہ کھٹکھٹاتا رہے تو وہ بھی آخر دروازہ کھول ہی دیتا ہے، ہم تو اللہ رب العالمین کے در کے فقیر ہیں، اسی کے درِ رحمت پر دستک دیے چلے جائیں، جب ہم پورے خلوص کے ساتھ اپنے گناہوں کی معافی مانگیں گے تو یقیناً اس کی رحمت جوش میں آئے گی اور ہمارے لیے مغفرت کا پیغام لائے گی۔ ہماری نجات کا دارومدار تو محبوب حقیقی کی ایک نگاہ پر موقوف ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں اپنی رحمت سے خصوصی حصہ نصیب فرمادے، (آمین)۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

☆☆☆☆☆

موت وما بعد الموت

المیزان

المیزان یعنی اعمال کے تولے جانے کا مرحلہ الحساب کے بعد آتا ہے۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

”حساب، یعنی اعمال کی جانچ پڑتال کے بعد ان کے وزن کا مرحلہ آتا ہے۔ چونکہ اعمال کے وزن کی بنیاد پر ہی اجر عطا کیا جائے گا لہٰذا اس مرحلے کا حساب کے مرحلے کے بعد ہی ہونا منطقی لحاظ سے درست ہے کیونکہ اعمال کا محاسبہ ان کی مقدار معین کرنے کے لیے ہے اور ان کا وزن ان کی قدر کے لحاظ سے اجر عطا کیے جانے کے لیے ہے۔“

اس کو ایک تمثیل کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ اس طرح ہے گویا انسان مختلف انواع واقسام کے اعمال کی بوری بھر کے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوا۔ اب اللہ رب العزت ان اعمال کے بارے میں انسان سے پرسش فرماتے ہیں، یعنی حساب کتاب فرماتے ہیں، تاکہ اچھے اور برے اعمال چھٹ کر الگ ہو جائیں، کم اجر والے اور زیادہ اجر والے اعمال میں تفریق ہو جائے، قبول اور رد اعمال میں تفریق ہو جائے اور قابلِ اجر اور قابلِ مواخذہ اعمال جدا جدا ہو جائیں۔ یہ ہے حساب کا مرحلہ جس کے ذریعے تمام اعمال کی درجہ بندی کی جائے گی۔ اب اس کے بعد میزان قائم کیا جائے گا جس میں ان چھانٹے گئے اچھے اور برے اعمال کو تولا جائے گا۔ پس اسی وجہ سے میزان کا مرحلہ حساب کے بعد ہے کہ جنس کا وزن اسی وقت کیا جا سکتا ہے جب وہ مخلوط نہ ہو، بلکہ ہر جنس جدا جدا موجود ہو اور پھر ہر جنس کے وزن اور اس کی قدر کے اعتبار سے اس کی جزا و سزا مقرر فرمائی جائے گی۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ﴾ (سورۃ الانبیاء: ۴۷)

”اور ہم قیامت کے دن عدل وانصاف کی میزانیں لا کر رکھ دیں گے، پھر کسی جان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اگر ہو گا کوئی (عمل) رائی کے دانے کے برابر بھی تو اسے ہم لے آئیں گے اور حساب لینے کے لیے ہم کافی ہیں۔“

یہ تو میزان ہو گیا، جس کے ذریعے اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ البتہ علماء کے مابین اس بات پر اختلاف ہے کہ دراصل وزن کس چیز کا کیا جائے گا۔ اس بات پر ہمارا ایمان ہے کہ اعمال مجسم صورت میں اس روز پیش ہوں گے۔ بعض علماء کے نزدیک محض اعمال کا وزن کیا جائے گا اور بعض علماء کے نزدیک اعمال اور عامل، یعنی اس فرد کا بھی وزن کیا جائے گا جس کے وہ اعمال ہوں گے۔ البتہ یہ ایسا چھوٹا اختلاف ہے کہ جس سے کوئی بہت بڑا فرق نہیں پڑتا۔

اللہ رب العزت میزان قائم فرمائیں گے۔ اور اب ہم حدیث سے چار مثالیں ایسی دیکھیں گے جن میں میزان کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱. مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے:

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ شَيْءٍ أَثْقَلُ فِي الْمِيزَانِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ۔ (مسند احمد)

”حضرت ابو درداء سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن میزان عمل میں سب سے افضل اور بھاری چیز اچھے اخلاق ہوں گے۔“

کبھی بھی اخلاق کو ہلکی چیز نہ سمجھیں کہ قیامت کے دن اچھے اخلاق میزان عمل میں سب سے وزنی عمل ہوں گے۔ اچھے اخلاق کیا ہیں؟ سچ، امانت داری، نرمی، دوسروں کے حقوق ادا کرنا، وغیرہ۔

۲. ایک اور مثال بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ (صحیح بخاری)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو کلمے، زبان پر ہلکے، ترازو میں وزنی اور اللہ کو بہت پیارے ہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ۔“

۳. صحیح بخاری کی ایک اور حدیث میں ہے:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ احْتَبَسَ فَرَسًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِيمَانًا بِاللَّهِ وَتَصْدِيقًا بِوَعْدِهِ فَإِنَّ شِبَعَهُ وَرِيَّهُ وَرَوْثَهُ وَبَوْلَهُ فِي مِيزَانِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (صحيح بخاری)

”جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے گھوڑا پالے اور محض اللہ پر ایمان لانے کی وجہ سے اس کے وعدوں کو سچا سمجھے تو بے شک اس کا کھانا، اس کا پینا، اس کی لید اور اس کا پیشاب، غرض اس کی ہر چیز ثواب بن کر قیامت کے دن اس جہاد کرنے والے کے اعمال میں وزن کی جائے گی (اور یہ وزن بڑا بھاری ہو گا)۔“

۴. جامع ترمذی کی ایک حدیث میں ہے:

إِنَّ اللَّهَ سَيُخَلِّصُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي عَلَى رُءُوسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَنْشُرُ عَلَيْهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ سِجِلًّا كُلُّ سِجِلٍّ مِثْلُ مَدِّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَقُولُ أَتُنْكِرُ مِنْ هَذَا شَيْئًا أَظَلَمَكَ كَتَبَتِي الْحَافِظُونَ فَيَقُولُ لَا يَا رَبِّ فَيَقُولُ أَفَلَكَ عُذْرٌ فَيَقُولُ لَا يَا رَبِّ فَيَقُولُ بَلَى إِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً فَإِنَّهُ لَا ظُلْمَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ فَتَخْرُجُ بِطَاقَةٌ فِيهَا أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ فَيَقُولُ احْضُرْ وَزْنَكَ فَيَقُولُ يَا رَبِّ مَا هَذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ هَذِهِ السِّجِلَّاتِ فَقَالَ إِنَّكَ لَا تُظْلَمُ قَالَ فَتُوضَعُ السِّجِلَّاتُ فِي كَفَّةٍ وَالْبِطَاقَةُ فِي كَفَّةٍ فَطَاشَتْ السِّجِلَّاتُ وَثَقُلَتْ الْبِطَاقَةُ فَلَا يَثْقُلُ مَعَ اسْمِ اللَّهِ شَيْءٌ (جامع ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ قیامت کے دن میری امت کے ایک شخص کو چھانٹ کر نکالے گا اور سارے لوگوں کے سامنے لائے گا اور اس کے سامنے (اس کے گناہوں کے) ننانوے دفتر پھیلائے جائیں گے، ہر دفتر حد نگاہ تک ہو گا، پھر اللہ عزوجل پوچھے گا: کیا تو اس میں سے کسی چیز کا انکار کرتا ہے؟ کیا تم پر میرے محافظ کاتبوں نے ظلم کیا ہے؟ وہ کہے گا: نہیں اے میرے رب! پھر اللہ کہے گا: کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے؟ تو وہ کہے گا: نہیں، اے میرے رب! اللہ کہے گا (کوئی بات نہیں) تیری ایک نیکی میرے پاس ہے۔ آج کے دن تجھ پر کوئی ظلم (وزیادتی) نہ ہو گی، پھر ایک پرچہ نکالا جائے گا جس پر أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله ’میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود برحق نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں‘ لکھا ہو گا۔ اللہ فرمائے گا: جاؤ اپنے اعمال کے وزن کے موقع (کانٹے) پر موجود رہو، وہ کہے گا: اے میرے رب! ان دفتروں کے سامنے یہ پرچہ کیا حیثیت رکھتا ہے؟ اللہ فرمائے گا: تمہارے ساتھ زیادتی نہ ہو گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر وہ تمام دفتر (رجسٹر) ایک پلڑے میں رکھ دیے جائیں گے اور وہ پرچہ دوسرے پلڑے میں، پھر وہ سارے دفتر اٹھ جائیں گے، اور پرچہ بھاری ہو گا، اور اللہ کے نام کے مقابلے میں کوئی چیز وزنی ثابت نہیں ہو سکتی۔“

وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد وعلى صحبه وسلم

☆☆☆☆☆

فہم کی ضرورت ہے صرف تعلیم کافی نہیں

”ہر معاملہ میں فہم کی ضرورت ہے محض تعلیم کافی نہیں۔ اگر یہ نہ ہو تو بڑی مشکل کا سامنا ہوتا ہے۔

ایک شخص کا واقعہ ہے کہ میں نے اس سے کہا کہ تجھ میں بے فکری کا مرض زیادہ ہے اس لیے اکثر غلطیاں ہوتی ہیں، اس کی تدبیر یہ ہے کہ جو کام کیا کرو سوچ کر کیا کرو۔

اب سنیے ایک اسٹیشن پر پہنچے بیوی کو اور اسباب کو ریل میں سوار کرا دیا اور بھنے ہوئے چنے ایک پیسے کے خریدنے کا ارادہ کیا، ادھر تو ریل سیٹی دے رہی ہے چلنے کو تیار ہے اور آپ مراقبہ میں ہیں کہ یہ چنے ضرورت میں خرید رہا ہوں یا بلا ضرورت، محض حظ نفس کے لیے۔ ریل چھوٹ گئی اور پھر جو مصیبتیں پیش آئیں ان بزرگ کو بھی اور بیوی کو بھی ان کی داستان طویل ہے۔

مجھ کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا میں نے کہا اس کو بھی تو سوچنا چاہیے تھا کہ کہاں سوچنا چاہیے اور کہاں نہیں اور اگر سوچنا ہی ضرور تھا تو ریل میں بیٹھ کر مراقبہ کر لیا ہوتا۔ اگر یہ معلوم ہوتا کہ ضرورت میں خریدنے ہیں تب تو کھا لیتے اور اگر یہ معلوم ہوتا کہ بلا ضرورت خریدنے ہیں تو بیوی کو یا کسی غریب کو دے دیتے، خود نہ کھاتے۔ تو نفس کا علاج اس صورت میں بھی تو ہو جاتا۔ بد فہمی سے بھی اللہ بچائے۔

جیسے ایک نوکر نے آقا کے سامنے گھوڑے کی لید پیش کر دی تھی، آقا کی کوئی چیز راستہ میں گر گئی تھی نوکر نے نہیں اٹھائی تھی، آقا نے تعلیم کیا تھا کہ جو چیز راستہ میں گرے اٹھا لو اور اس پر یہ عمل ہوا، کیونکہ لید بھی تو راستہ میں گری تھی۔ تعلیم بھی جب ہی کارآمد ہوتی ہے جب خداداد فہم ہو اس وقت تعلیم معین ہو جاتی ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (نور اللہ مرقدہ)

(ملفوظاتِ حکیم الامت، ج ۲)

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سائے میں

معاصرِ جہاد کے لیے سیرتِ رسول ﷺ سے مستفاد فوائد و حِکَم!

شیخ منصور شامی رحمۃ اللہ علیہ / استفادہ: مفتی محمد متین مغل

احکامِ الٰہی کا خیال رکھ، اللہ تیرا خیال رکھے گا

اللہ جل جلالہ نے جس طرح اپنی قدرت سے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے جسد کی حفاظت کی اور اسے کفار کے ہاتھ لگنے سے بچایا، انسان دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ اللہ نے بھڑوں کا جتھہ بھیجا، جس نے ہالہ بنا کر اور ڈنک مار مار کر کفار کو دور رکھا اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے جسم اور کفار کے درمیان آڑ بن گیا، بعد ازاں اللہ نے سیلاب بھیجا، جو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے جسد کو بہا کر کفار کی پہنچ سے دور لے گیا۔

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ کوئی مشرک انہیں نہیں چھوئے گا اور وہ بھی کسی نجس مشرک کو نہیں چھوئیں گے، سو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ بِھڑوں نے مشرکین سے ان کے جسد کی حفاظت کی ہے تو آپ نے کہا: اللہ مومن بندے کی حفاظت کرتا ہے، انہوں نے اپنی زندگی میں نذر مانی تھی کہ نہ ان کو کوئی مشرک چھوئے گا اور نہ وہ کسی مشرک کو چھوئیں گے، سو ان کی وفات کے بعد بھی اللہ نے ان کی حفاظت کی، جیسے وہ اپنی زندگی میں خود کو بچاتے رہے۔[1]

اور جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو وصیت فرمائی:

احفظ اللہ یحفظک، احفظ اللہ تجدہ تجاھک[2]

”تو اللہ [کے احکام] کی حفاظت کر، اللہ تیری حفاظت کرے گا، تو اللہ [کے احکام کی] حفاظت کر، تو اس کو [ہر ضرورت میں] اپنے سامنے پائے گا)۔“

اللہ کی حفاظت کا مطلب ہے اس کے احکام کی حفاظت، اس کی مقرر کردہ حدود کو پامال نہ کرنا، اس کے عائد کردہ حقوق کی ادائیگی، اس کے اوامر کو بجالانا، اس کی منع کردہ چیزوں سے اجتناب۔ جو ان امور کی پاسداری کرے تو اس کا شمار اللہ کی حدود کے ان حفاظت کرنے والوں میں ہو گا جن کی تعریف اللہ نے قرآن کریم میں کی ہے:

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ○ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ○ (سورۃ ق: ۳۲، ۳۳)

”(اور کہا جائے گا کہ) یہ ہے وہ چیز جس کا تم سے یہ وعدہ کیا جاتا تھا کہ وہ ہر اس شخص کے لیے ہے جو اللہ سے خوب لو لگائے ہوئے ہو، (اور) اپنی نگرانی رکھنے والا ہو۔ جو خدائے رحمن سے اسے دیکھے بغیر ڈرتا ہو، اور اللہ کی طرف رجوع ہونے والا دل لے کر آئے۔“

اور (اللہ تیری حفاظت کرے گا) کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اس کے حقوق کی حفاظت کرے گا، کیونکہ عمل کے بدلے کی نوعیت عمل جیسی ہوتی ہے، بندے نے اللہ کی حدود کی حفاظت کی تو اللہ اس کے حقوق کی حفاظت کرے گا، یہ اصول قرآن میں جابجا مذکور ہے۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ (سورۃ البقرۃ: ۴۰)

”اور تم مجھ سے کیا ہوا عہد پورا کرو تاکہ میں بھی تم سے کیا ہوا عہد پورا کروں۔“

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ (سورۃ البقرۃ: ۱۵۲)

”تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد رکھوں گا۔“

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ (سورۃ محمد: ۷)

”اگر تم اللہ [کے دین] کی مدد کرو گے اللہ تمہاری مدد کرے گا۔“

[حفاظت کی اقسام]

اللہ بندے کی دو طرح سے حفاظت کرتا ہے:

اول: اللہ اس کے دنیاوی مصالح کی حفاظت کرتا ہے، اس کے بدن و صحت کی، اس کے اہل و عیال اور مال کی حفاظت کرتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ (سورۃ الرعد: ۱۱)

”ہر شخص کے آگے اور پیچھے وہ نگران (فرشتے) مقرر ہیں جو اللہ کے حکم سے باری باری اس کی حفاظت کرتے ہیں۔“

---

[1] ابن ہشام، ج۲، ص۱۰۹، فتح الباری

[2] صحیح، مسند احمد ۲۵۳۷، ترمذی ۲۵۱۶

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یہ فرشتے اللہ کے حکم سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں، اور جب تقدیر کا فیصلہ آ جائے تو حفاظت چھوڑ دیتے ہیں۔

اور جو اپنی جوانی اور قوت کے عالم میں احکام الٰہی کی پاسداری کرتا ہے، اللہ جل جلالہ اس کے ضعف میں اس کی دست گیری کرتا ہے اور اسے سماعت، بصارت، قوت اور عقل سے نوازے رکھتا ہے۔ ایک عالم کی عمر سو سال سے متجاوز تھی، لیکن جسمانی قوت اور عقل سے بہرہ ور تھے، ایک دن انہوں نے خطرناک چھلانگ لگائی، لوگوں نے ان پر غصہ کیا کہ کچھ اپنے بڑھاپے پر رحم کھائیں، اس پر اس عالم نے کہا: کم عمری میں ہم نے اپنے ان اعضا کو اللہ کی نافرمانی سے بچائے رکھا تو اللہ نے بڑی عمر میں بھی ان کو ہمارے لیے صحیح سالم رکھا ہے۔

اور اللہ انسان کی نیکی کی بنا پر اس کے مرنے کے بعد اس کی اولاد کی بھی حفاظت کرتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشادِ خداوندی ہے:

وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا (سورۃ الکهف: ۸۲)

"اور ان دو [یتیم لڑکوں] کا باپ ایک نیک آدمی تھا۔"

یعنی باپ کی نیکی کی وجہ سے اللہ نے ان دونوں کے خزانے کی حفاظت کی۔ سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے سے کہا: میں تیری خاطر اپنی نماز میں اضافہ کرتا ہوں تاکہ تیری من جانب اللہ حفاظت ہو، پھر آپ نے مذکورہ بالا آیت پڑھی۔

دوم: حفاظت کی دوسری قسم پہلی سے اعلیٰ ہے، یعنی اللہ اپنے بندے کے دین و ایمان کی حفاظت کرتا ہے، گمراہ کن شبہات اور حرام شہوات سے اس کی زندگی میں اسے بچاتا ہے اور موت کے وقت اسے دین پر ثابت قدم رکھ کر ایمان پر اسے موت دیتا ہے۔

سو نبوی دعاؤں میں ایک دعا یہ بھی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو سکھائی:

> اللهم احفظنى بالاسلام قائما واحفظنى بالاسلام قاعدا واحفظنى بالاسلام راقدا ولاتطمع فى عدوا و لا حاسدا۔[3]
>
> "اے اللہ! کھڑے ہونے کی حالت میں میری حفاظت فرما اسلام کے ساتھ، اور بیٹھے ہونے کی حالت میں میری حفاظت فرما اسلام کے ساتھ اور سونے کی حالت میں میری حفاظت فرما اسلام کے ساتھ، اور میرے متعلق کسی دشمن اور حاسد کو طمع کا موقع نہ دے۔"

[اہلِ جہاد اور حفاظتِ الٰہی]

اللہ جل جلالہ کی ان دونوں حفاظتوں کے سب سے زیادہ حق دار اہلِ جہاد ہیں، جنہوں نے اللہ کے دین کی حفاظت کے لیے اپنی جانیں داؤ پر لگا دی ہیں۔ اللہ نے ان کی جس طرح حفاظت فرمائی ہے اس کے واقعات بے شمار ہیں۔ ایک تو خود حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، نیز حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو ان کی شہادت کے بعد فرشتوں نے ڈھانپ لیا اور مشرکین انہیں نہ دیکھ سکے۔[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک گھر کی ایک خاتون مسلمانوں کے ایک دستے کے ساتھ نکلیں، گھر میں پیچھے اس نے بارہ بکریاں اور ایک چرخہ چھوڑا جس سے کپڑا بُنتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب وہ واپس آئی تو ایک بکری اور چرخہ گم تھا، اس خاتون نے دعا کی: اے میرے رب! جو تیرے راستے میں نکلے اس کی حفاظت کی تو نے ضمانت لی ہے، میری ایک بکری اور چرخہ گم ہو گیا ہے، میں اپنی بکری اور چرخے کی دہائی دیتی ہوں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا کہ وہ کیسی شدت اور آہ وزاری کے ساتھ اپنے رب کو دہائیاں دے رہی تھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اسے وہ بکری اور اس جیسی ایک اور مل گئی۔[5]

مجاہدین ہمیشہ اس حفاظتِ الٰہی کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں، جن سے ان کا یقین بڑھتا رہتا ہے۔ کتنے ہی شہداء کا جسم شہادت کے کافی عرصے بعد اس حالت میں ملا کہ بالکل تازہ اور صحیح سالم تھا، بلکہ بعض کے بال بھی بڑھتے ہیں اور جسم سے خون بھی بہتا رہتا ہے، اور جسم سے پھوٹنے والی خوشبو اس سب پر مستزاد۔ سبحان اللہ!

ایک مجاہد ساتھی ٹینک کے اوپر تھے کہ ایک امریکی طیارے نے ان پر میزائل داغا، وہ اتنے شدید زخمی ہو گئے کہ حرکت نہیں کر سکتے تھے۔ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا کہ اس کا دوبارہ تندرست ہونا ناممکن ہے، اس پر اس مجاہد نے کہا کہ شفا اللہ کے اختیار میں ہے، اور واقعتاً وہ ساتھی کچھ ہی عرصے بعد ایسا بھلا چنگا ہو گیا کہ ڈاکٹر حیران رہ گئے۔[6]

سو اللہ کی جانب سے اس خصوصی حفاظت اور اعزاز پر مجاہدین کو خوش ہونا چاہیے، انہیں چاہیے کہ خود کو اللہ کے حوالے کر دیں، وہی ان کی حفاظت کرنے والا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے پاس جب کوئی چیز رکھوائی جاتی ہے تو وہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔[7]

اخلاقی جرات اور قانون کی پاسداری

جب مشرکین نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو پکڑا تو انہیں قید کرنے میں بداخلاقی دکھائی، اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا: یہ عزت دار قوم بھی اپنے قیدی کے ساتھ بدسلوکی کرنے لگی؟ اس

---

[3] حدیث حسن، ابن حبان: ۲۴۳۰

[4] خصائص کبریٰ ج ۱، ص ۳۷۰

[5] مسند احمد، ۱۹۷۴۳

[6] شیخ منصور شامی شہید رحمہ اللہ یہاں شیخ خالد حبیب شہید رحمہ اللہ کا واقعہ بغیر نام لیے سنا رہے ہیں۔ تقبلھما اللہ

[7] صحیح حدیث، عمل اليوم والليله نسائی ۵۱۷، صحیح ابن حبان ۲۳۷۶

پر انہوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا شروع کر دیا اور آپ کو ایک عورت کی نگرانی میں دے دیا۔[8]

کفار حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید کرنا چاہتے تھے، لیکن اس کو انہوں نے مؤخر کیا، تاکہ حرمت والے مہینے گزر جائیں، بعد ازاں انہیں حدودِ حرم سے باہر لے جا کر شہید کیا۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے فوائد میں لکھا ہے: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین حرم اور حرمت والے مہینوں کی تعظیم کیا کرتے تھے۔[9]

قریش بہادری اور سخاوت میں ممتاز تھے، حرم اور حرمت والے مہینوں کی تعظیم کرتے تھے، اگرچہ اپنے کفر میں اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں بہت سخت تھے، مقصد یہ بتانا ہے کہ ان میں بھی کچھ اچھی صفات تھیں، وہ اپنے قوانین کی تعظیم کرتے تھے۔ قارئین کرام قریش کا معاملہ بھی دیکھیں اور آج کے کفر کا طرزِ عمل بھی دیکھیے کہ کیسے قیدیوں اور دیگر انسانوں کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کیا جاتا ہے، اور کیسے یہ کفار خود اپنے ہی بنائے قوانین کو پامال کرتے ہیں۔ یہ معاملہ تو امریکہ، برطانیہ اور یہود وغیرہ کفار اصلی کا ہے۔

[یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود]

اور اگر کفارِ قریش اور نام نہاد مسلمان حکام کا موازنہ کیا جائے تو اصلاً یہ موازنہ بنتا ہی نہیں، کیونکہ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ ان کو نہ کوئی قانون و ضابطہ روکتا ہے اور نہ انسانی حقوق کی پامالی میں انہیں کوئی عار محسوس ہوتی ہے۔ آپ ذرا تصور کریں کہ کوئی شخص اژدھے کے جبڑوں میں دبا ہو اور وہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ دہرائے: کیا معزز لوگ اپنے قیدی کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں؟ تو نتیجے میں اسے سوائے مزید تکلیف اور شکنجے کی تنگی کے اور کیا ہاتھ آئے گا؟ ان طواغیت کے جیل خانوں کے حوالے سے یہ مقولہ لوگوں میں زبان زدِ عام ہے: ان میں داخل ہونے والا گم ہو جاتا ہے اور نکلنے والا از سرِ نو پیدا ہوتا ہے۔

دعا کا ہتھیار

نصرت اور غلبے کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ نے کچھ اسباب مقرر کر رکھے ہیں اور ان میں ایک بڑا سبب جو دشمن کو خوب نقصان پہنچاتا ہے، وہ ”دعا“ ہے۔

جب دل پورے یقین اور حسنِ ظن کے ساتھ اپنے خالق کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو پھر دعا کے یہ تیر دشمن کو ہلاک کر کے رکھ دیتے ہیں، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے، ہر چیز کا اختیار و ملکیت اس کے پاس ہے، جب کوئی مجبور اسے پکارتا ہے تو وہ اس کی پکار کو سنتا ہے اور پریشانی کو دور کرتا ہے۔

[دعا کی اقسام]

رجیع اور بئر معونہ کے واقعات میں تین طرح کی دعائیں ملتی ہیں:

اول: خود اپنے لیے دعا کرنا

جیسے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے اپنی لیے دعا کی: ”اے اللہ! میں آج تیری خاطر تیرے دین کی حفاظت کر رہا ہوں، پس تو میرے گوشت [جسم] کی حفاظت فرما“۔[10]

دوم: دشمن کے خلاف بد دعا

جیسا کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے سولی دیے جاتے وقت مشرکین کے خلاف بد دعا کی: ”اے اللہ! انہیں گن گن کر رکھ، اور انہیں الگ الگ کر کے مار اور ان میں سے کسی کو نہ چھوڑ“۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز میں ایک ماہ عرب کے قبائل: رعل، ذکوان، عصیہ اور بنو لحیان کے خلاف بد دعا کی۔[11]

سوم: مسلمانوں کے حق میں دعا کرنا

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: ”اے اللہ! ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام، عیاش بن ابی ربیعہ اور دیگر کمزور و مظلوم مسلمانوں کو نجات دے۔“[12]

دعا کی یہ آخری دو اقسام جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا (سورۃ آل عمران:۱۶۷)

”آؤ، اللہ کے راستے میں لڑو یا دفاع کرو۔“

اس کی تفسیر میں یہ بات کہی گئی ہے کہ دفاع کرنے سے مراد ہے کہ دعا کے ذریعے دفاع کرو۔[13]

مسلمان دوسرے مسلمانوں کی نصرت اور کفار کی تباہی کے لیے دعا کو بطورِ ہتھیار استعمال کرتے تھے۔

براء بن مالک رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ایک جنگ میں کفار نے مسلمانوں کو بہت تکلیف پہنچائی، مسلمانوں نے ان سے کہا: اے براء! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے بارے میں فرمایا تھا: یہ شخص اگر اللہ پر قسم کھالے تو اللہ اس کی قسم کو پورا کرے گا۔ تو آپ اللہ پر قسم کھائیں، حضرت براء رضی اللہ عنہ نے دعا کی: اے اللہ! میں آپ پر قسم کھاتا ہوں کہ آپ ہمیں ان کفار پر

[8] فتح الباری، ج۷، ص۳۸۵
[9] فتح الباری ج۷، ص۳۸۵
[10] فتح الباری: کتاب المغازی، باب غزوة الرجیع ورعل وذکوان وبئر معونة
[11] صحیح بخاری، حدیث نمبر ۴۰۹۰
[12] صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۶۷۵
[13] المصباح المنیر فی تهذیب تفسیر ابن کثیر: ۲۵۸

غلبہ دیں اور مجھے [شہادت دے کر] اپنے نبی ﷺ کے ساتھ ملا دیں۔ مسلمانوں کو کفار پر فتح ہوئی اور حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔[14]

[عجیب کرامت]

سب سے عجیب واقعہ حضرت ابو معاویہ اسود کا ہے، یہ نابینا تھے، لیکن جب مصحف میں دیکھ کر تلاوت شروع کرتے تو اللہ کے حکم سے انہیں نظر آنے لگتا۔ احمد بن فضیل عکی کہتے ہیں کہ ابو معاویہ اسود ایک غزوہ میں تھے، مسلمانوں نے ایک قلعے کا محاصرہ کیا، وہاں ایک کافر جنگجو تھا، اس کا پھینکا ہوا ہر پتھر و تیر نشانے پر لگتا [جس سے مسلمانوں کو بڑا نقصان ہوا]، لوگوں نے ابو معاویہ سے اس کی شکایت کی، آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (سورۃ الانفال: ۱۷)

”اور جب تم نے ان پر مٹی پھینکی تھی تو تم نے نہیں پھینکی تھی، بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔“

اور کہا کہ مجھے اس کافر سے چھپا کر قریب لے جاؤ، جب ممکنہ قریب ترین جگہ تک انہیں پہنچا دیا اور وہ وہاں کھڑے ہو گئے تو انہوں نے لوگوں سے پوچھا: اللہ کے حکم سے تم اس کے جسم کے کون سے حصے کو نشانہ بنانا چاہتے ہو؟ لوگوں نے کہا: شرمگاہ کو۔ انہوں نے دعا کی: اے میرے رب! ان لوگوں نے مجھ سے جو کہا ہے وہ آپ نے سن لیا ہے تو ایک تیر سے ہی میرا یہ ہدف پورا کر دے۔ پھر تیر چلایا تو وہ کافر ہلاک ہو گیا۔[15]

[کفار کے خلاف بد دعا ضرور کریں]

بہت سے مسلمان اہلِ اسلام کی نصرت اور کفار کی ہلاکت کی دعا میں بھی بخل سے کام لیتے ہیں، حالانکہ جو شخص عذر کی بنا پر جہاد میں نہ نکلے تو گناہ سے بچنے کے لیے اس کے لیے بھی قرآن نے شرط رکھی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ مخلص و خیر خواہ ہو۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (سورۃ التوبہ: ۹۱)

”کمزور لوگوں پر [جہاد میں نہ جانے کا] کوئی گناہ نہیں، نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں ہے، جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے مخلص ہوں۔ نیک لوگوں پر کوئی الزام نہیں اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔“

خیر خواہی میں یہ داخل ہے کہ مسلمانوں کی حفاظت اور فتح اور کفار کی ہلاکت و ہزیمت کی دعا کرے، یہ شرط تو معذور حضرات کے لیے ہے، تو جو معذور بھی نہ ہو اور اس کے باوجود قتال میں حصہ نہ لے تو اس کی بابت کیا خیال ہے؟ [کیا اس کے لیے دعا کی تاکید کہیں زیادہ بڑھ نہیں جاتی؟ یقیناً بڑھ جاتی ہے۔]

مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے کہ وہ اس کی نصرت میں اپنی پوری قوت لگا دے، نہایت افسوس ناک بات ہے کہ وہ دیکھے کہ دوسرے مسلمان پر سختیاں ٹوٹ رہی ہیں، زنجیروں میں جکڑا جا رہا ہے، لیکن وہ کوئی حرکت نہ کرے، آنکھیں موندے سویا پڑا رہے، اسے اتنی بھی توفیق نہ ہو کہ ہاتھ اٹھا کر دعا ہی کر لے۔

[صرف دعا کافی نہیں]

البتہ ایک اہم بات کی طرف توجہ لازم ہے، وہ یہ کہ دعا اگرچہ نصرت کا سبب ہے، لیکن یہ اُن بہت سے اسباب میں سے ایک ہے کہ جن کے اکٹھا ہوئے بغیر نصرت نہیں ملتی، اسباب و نتائج سے متعلق یہ اللہ کی سنت و تقدیر ہے۔

بعض لوگوں سے یہ سنگین غلطی ہوئی کہ انہوں نے یہ سمجھ لیا دعا، ذکر، نماز اور دیگر نیک اعمال نصرت کے حصول کے لیے کافی ہیں، جنگ کی ضرورت نہیں، پھر یہیں تک محدود نہیں رہے، بلکہ اس کو جہاد کی فرضیت کی شرائط میں داخل کر دیا کہ ایمان کے اعلیٰ درجے کے حصول کے بعد اور پوری امت یا اس کی اکثریت کی اصلاح کے بعد ہی جہاد کیا جائے گا۔ سو انہوں نے بھی در حقیقت جہاد کو معطل کر دیا، جس سے سب جگہ فساد اور پھیل گیا [اصلاح کیا خاک ہونی ہے!]۔

یہ رائے دراصل جبریہ کے مذہب کا شاخسانہ ہے اور انہی کی چھوڑی ہوئی میراث ہے، اللہ تعالیٰ نے تو تمام ممکن اسباب کو اپنانے و آزمانے کا حکم دیا ہے، جن میں اہم ترین سبب اِعداد و قتال ہے، یہ نظریہ اس امر خداوندی کی صریح مخالفت ہے۔

جو شخص قتال کے بغیر محض دعا [یا اپنے گھڑے کسی اور طریقے مثلاً: جمہوری سیاست، طلبِ نصرت وغیرہ] کے ذریعے فتح و غلبہ چاہتا ہے اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ کوئی پھل کی تمنا تو کرے، لیکن درخت بونے کی زحمت نہ اٹھائے اور شادی کیے بغیر حصولِ اولاد کی دعائیں کرے [چلے کاٹے، ریاضتیں کرے]۔

یہ سب ایک ہی جیسے ہیں، ان میں کیا فرق ہے؟

جو لڑنے سے گھبرائے، وہ فتح کیا پائے؟
جو بوئے نہ کچھ، فصل کہاں سے لائے؟

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

[14] ابو نعیم، حاکم

[15] السِیَر للذہبی، ج ۹، ص ۷۸

رمضان المبارک کا استقبال...... قرنِ اول میں!

حضرت مولانا سیّد ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

آل انڈیا ریڈیو سے نشر کی گئی ایک عربی تقریر کا ترجمہ، جس میں حضرت مولانا نے اپنی بات رمضان کی زبان سے کہی تھی اور سامعین کو رمضان کا مخاطب بنایا تھا، تا کہ ایک مخصوص تاثر پیدا ہو سکے۔ تقریر کا وہ ابتدائی حصہ، جس میں سامعین کی طرف سے رمضان سے، قرن اول میں اپنے استقبال کا حال بیان کرنے کی فرمائش کی گئی تھی نذرِ قارئین ہے۔ اللہ پاک ہمیں بھی استقبال و اہتمامِ رمضان اہلِ قرنِ اول جیسا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین!

(ادارہ)

میرے دوستو! تمہیں نیا رمضان مبارک! اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر پاک و بابرکت سلام! تمہاری یہ فرمائش گویا میرے دل کی خواہش ہے۔ پتہ نہیں کیوں خود میرا جی کچھ بات کرنے کو چاہ رہا تھا، اور ایک تقاضا تھا جو مجھے بات کرنے پر مجبور کر رہا تھا، اور میں محسوس کرتا ہوں کہ تمہارے تجویز کردہ عنوان سے بہتر اور محبوب عنوانِ گفتگو میرے لیے اور کوئی ہو نہیں سکتا۔

سنہ ہجری کے دوسرے سال میں میرا آنا، پہلے سالوں سے یکسر مختلف تھا۔ پہلے میں سال کے دوسرے مہینوں کی طرح ایک مہینہ تھا، اپنے دوسرے بھائیوں اور رفیقوں سے کسی قسم کا امتیاز مجھے حاصل نہیں تھا، نہ کوئی خاص بات میرے اندر تھی، نہ کسی پیغام کا میں حامل تھا، اور نہ دین کے ارکان سے کوئی رکن مجھ سے متعلق تھا۔ رجب، ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم پر مجھے حسد، استغفر اللہ، رشک ہوتا تھا، کیونکہ یہ أشھر حرم (محترم مہینے) تھے، اور ان میں سے ذی الحجہ پر مجھے ایک اور خاص وجہ سے رشک آتا تھا، وہ یہ کہ وہ حج کا مہینہ تھا۔ مجھے وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ مجھے کبھی اتنا بڑا اعزاز بخشا جائے گا، اور روزے جیسے اہم اور مقدس پیغام کا مجھے حامل بنایا جائے گا۔ لیکن یہ روزہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ بہر حال، اب سنیے!

مسلمانوں نے شعبان سے میرا انتظار کرنا شروع کیا۔ انہوں نے شعبان کا بھی ایک مقدمة الجیش اور میرے مبشر کی طرح استقبال کیا۔ شعبان ہی میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”یَا أَیُّھَا النَّاسُ! قَدْ أَظَلَّکُمْ شَھْرٌ رَمَضَانَ، شَھْرٌ عَظِیمٌ، شَھْرٌ مُبَارَکٌ، شَھْرٌ فِیهِ لَیْلَةٌ خَیْرٌ مِنْ أَلْفِ شَھْرٍ، جَعَلَ اللّٰهُ صِیَامَهُ فَرِیْضَةً، وَقِیَامَ لَیْلِهِ تَطَوُّعًا، مَنْ تَقَرَّبَ فِیْهِ بِخَصْلَةٍ مِنَ الْخَیْرِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَةً فِیْمَا سِوَاهُ، وَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَةً فِیْهِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی سَبْعِیْنَ فَرِیْضَةً فِیْمَا سِوَاهُ، وَھُوَ شَھْرُ الصَّبْرِ، وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ اَلْجَنَّةُ، وَشَھْرُ الْمُوَاسَاةِ، وَشَھْرٌ یُزَادُ فِیْهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ.“ (رواه السیوطی)

”اے لوگو! رمضان کا مہینہ تم پر سایہ فگن ہو رہا ہے، بڑا عظیم الشان و بابرکت مہینہ ہے، اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کے روزے فرض کیے ہیں، اور رات کے قیام (تراویح) کو نفلی عبادت ٹھہرایا ہے۔ جو شخص اس ماہ میں ایک نفلی نیکی کرے گا، اس کا ثواب اور دنوں کے فرض کے برابر ہو گا، اور جو کوئی ایک فرض ادا کرے گا، اس کا ثواب اور دنوں کے ستر فرضوں کے برابر ہو گا۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ غم خواری اور غم گساری کا مہینہ ہے، اس میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔“

تمام لوگ میرا چاند دیکھنے کے لیے بلند ٹیلوں اور مکانوں پر چڑھ گئے۔ غروب آفتاب کے بعد مدینہ میں کوئی شخص ایسا نظر نہ آتا تھا، جو آسمان کی طرف نظر اٹھائے میری جستجو نہ کر رہا ہو۔ ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ سب سے پہلے وہ میری آمد کا مژدہ سنائے۔

پروردگارِ عالم نے ارادہ فرمایا کہ مجھے اب مزید تاخیر نہ ہو، لہٰذا اس کی طرف سے حکمِ طلوع ہوا، اور مدینہ کے اِس کونے سے اُس کونے تک ایک مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ لوگوں کی زبانوں پر ایک نغمۂ مسرت جاری ہوا:

هِلَالَ رُشْدٍ وَخَیْرٍ، اَللّٰھُمَّ أَھِلَّهُ عَلَیْنَا بِالْأَمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ وَالتَّوْفِیْقِ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی!

سامعین کرام! مجھے اس کہنے میں معاف رکھیں کہ ابتدائے اسلام میں لوگوں کو میری آمد سے جو مسرت ہوتی تھی، حالانکہ میں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، صبر و جہاد کا مہینہ تھا، وہ اس مسرت سے بڑھ کر ہوتی تھی جو آج عید کا چاند دیکھ کر ہوتی ہے۔ میں اس کے اسباب نہیں بیان کروں گا، کیونکہ یہ ایک طویل بات ہے، اور ویسے بھی آپ کو کڑوی لگے گی۔

(میری آمد سے) مدینہ کے لوگوں میں ایک نئی زندگی اور ایک نیا نشاطِ عبادت ابھر آیا، یہ لوگ عشاء کے بعد ایک ایک، دو دو اور ٹکڑیاں ٹکڑیاں ہو کر نوافل میں مشغول ہو گئے۔ قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور نمازیں پڑھتے، یہاں تک کہ جب رات آخر ہوئی اور سحر قریب ہوئی، تو رات کی باسی روٹی یا کھجور اور پانی میں سے، جس کو جو میسر آیا، اس نے اس سے سحری کھائی، پھر مساجد کی راہ لی اور نماز فجر ادا کی۔

یہی وہ مقام ہے، جہاں وہ لوگ آج کل کے روزہ داروں سے ممتاز ہو جاتے ہیں۔ آج اگر آپ میں سے کوئی رات کو تھوڑی دیر عبادت کر لیتا ہے اور پھر روزہ کی نیت کر لیتا ہے تو وہ اپنا

حق سمجھتا ہے کہ دن میں جتنا چاہے سوئے، چنانچہ آج شہر میں بہت کم لوگ ایسے روزہ دار ہوں گے جو سوتے یا اونگھتے نظر نہ آتے ہوں، رات کو خواہ کتنا ہی تھوڑا قیام کریں مگر اس کے بدلے دن کا خاصا حصہ ضرور نیند کی نذر کر دیا جاتا ہے۔

اس کے برعکس صحابہ و تابعین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا حال یہ تھا کہ رات کا قیام ان کے دن کے نشاط میں کوئی فرق نہیں ڈالتا تھا۔ وہ رمضان میں عبادت بھی کرتے تھے اور مشقتِ حیات بھی برداشت کرتے تھے اور کبھی تو روزے کی حالت میں بھی جہاد کرتے تھے۔ ان کے زمانے میں رمضان اشیا کی طبائع نہیں بدلتا تھا اور نہ دن کو رات بناتا تھا۔ وہ اُلٹا ان میں قوت اور نشاط بڑھا دیتا تھا اور کوئی ایسی نیکی، جس کو لوگ پہلے سے کرتے تھے، رمضان کی آمد سے منقطع نہیں ہوتی تھی۔ میں آکر اہل مدینہ کے اخلاق میں کوئی فرق نہیں پاتا تھا۔ مثلاً انہوں نے مسلمان ہونے کے بعد سے غیبت، فحش کلامی اور بدگوئی سے زندگی بھر کا روزہ رکھ لیا تھا، تو وہ روزوں میں بھی پاک زبان، پاک نفس اور پاک باطن رہتے تھے۔ ہاں! اگر فرق ہوتا تھا تو یہ ہوتا تھا کہ وہ ان دنوں میں جائز غصے کو بھی ضبط کرتے تھے۔ اگر ان میں سے کسی کو کوئی شخص گالی دیتا یا لڑنے کی باتیں کرتا تو اس کا جواب یہ ہوتا کہ ”میں روزہ دار ہوں“۔

میری آمد پر وہ لوگ نیکی اور غم خواری کے بے حد حریص ہو گئے، یوں سمجھیے کہ ہوا سے مقابلہ کرتے تھے، ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ تھا:

”کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اجود بالخیر من الریح المرسلة.“ (رواہ بخاری)

”جب رمضان آتا تو آنحضرت ﷺ امورِ خیر میں آندھی سے بھی زیادہ تیز رفتار ہو جاتے تھے۔“

وہ روزہ دار کو افطار کرانے، غلاموں کو آزاد کروانے، ستم رسیدوں کی امداد کرنے اور بھوکوں کو کھانا کھلانے میں ایک دوسرے پر سبقت کرتے تھے، چنانچہ اسی وجہ سے فقرا و مساکین میری آمد کے منتظر رہتے تھے۔

لوگوں نے اپنے مشاغل میں روزہ گزارا، لیکن اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں ہوئے، اور نہ بیع و تجارت نے ان کو اللہ تعالیٰ کی یاد اور جماعتوں کی حاضری سے غافل کیا، شام کو گھر لوٹے اور ذکر و تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ مساجد کا حال اس وقت یہ ہو جاتا تھا کہ اگر تم جاؤ تو ذکر کی بھنبھناہٹ کے سوا کوئی آواز نہ سن پاؤ۔

آفتاب غروب ہوا، مؤذن نے اذان دی اور میں نے دیکھا کہ سید الاولین والآخرین ﷺ نے ایک چھوہارے اور کچھ پانی سے افطار فرمایا، پھر اس پر اتنا شکر کہ انواع و اقسام کی افطاریوں پر بھی لوگوں کو یہ مقام شکر نصیب نہیں ہو سکتا۔ سنیے! حضور ﷺ فرما رہے ہیں:

”ذَهَبَ الظَّمَأُ وَ ابتَلَتِ العُرُوقُ وَ ثَبَتِ الاَجرُ اِنْ شَاءَاللّٰهُ.“

”تشنگی دور ہوئی، رگیں تر ہوئیں، اور اللہ نے چاہا تو اجر واجب ہو گیا۔“

آپ ﷺ کے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اسی طرح چند کھجوروں اور پانی کے چند گھونٹوں سے روزہ کھولا، اور اللہ تعالیٰ کی حمد کی، پھر نماز پڑھی، اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمایا، صرف بقدر ضرورت کھا لیا، نہ اس میں اسراف ہوتا تھا اور نہ ناک تک پیٹ بھرتا تھا۔

مہینہ بھر ان کا یہی معمول رہتا تھا، نہ اس میں کوئی فرق آتا تھا اور نہ وہ اس سے اکتاتے اور برداشتہ خاطر ہوتے، بلکہ ہر دن نشاط کی ایک نئی کیفیت پیدا ہوتی، اور عبادت و نیکی کی حرص بڑھتی تھی، گویا روزوں سے ان کی روح کو غذا ملتی تھی، اور مہینے کے آخر میں ان کی قوت اور ان کا نشاط پہلے سے بھی بڑھا ہوا نظر آتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ بھی ایک مسلسل نشاط اور ذوق عمل سے مخمور رہتے تھے۔ یہاں تک کہ جب آخری عشرہ آتا، تو بالکل ہی کمر کس لیتے تھے، رات عبادت میں گزارتے اور اہل خانہ کو بھی جگاتے اور پھر اعتکاف فرما لیتے تھے۔

میں جب اس دورِ سعادت کے روزہ داروں کا بعد کے روزہ داروں سے مقابلہ کرتا ہوں تو صورت و شکل میں تو کوئی فرق نظر نہیں آتا، بلکہ بعض بعد والے زیادہ نفل پڑھتے اور زیادہ وقت تلاوت کرتے نظر آتے ہیں، مگر خشوع و اخلاص اور ایمان و احتساب کی کیفیات میں واضح فرق محسوس کرتا ہوں۔ اگر سابقین کی ایک رکعت کا وزن کیا جائے تو بعد والوں کی بہت سی رکعتوں پر بھاری نکلے گی، کہ وہ اپنے ایمان و احتساب میں بھاری تھے۔

اور دوسرا فرق، جو میں بتلا سکتا ہوں، یہ ہے کہ ان پر روزہ اپنے بہت گہرے اخلاقی اور نفسیاتی اثرات چھوڑ کر جاتا تھا۔ یوں کہیے کہ ان کی طبعیتوں پر روزے کی ایک نہ مٹنے والی چھاپ پڑ جاتی تھی، اور اگلے سال جب میں پھر لوٹ کر آتا، تو ان میں وہی عفت، وہی تقویٰ، وہی صدق و امانت، وہی رقت، وہی کریم النفسی، وہی حرصِ اطاعت، وہی لذاتِ نفس سے نفرت، وہی آخرت کی فکر اور وہی دنیا سے بے رغبتی پاتا۔ الغرض ہر دوسری مرتبہ، وہ مجھے پہلے سے زیادہ پاک باطن و صاف دل ملتے تھے۔

قصہ مختصر! جب میرا وقت ختم ہو گیا اور روانگی کا دن آیا تو انہوں نے مجھے ایک بہت ہی پیارے دوست کی طرح رخصت کیا۔ آنسو کسی طرح تھمتے نہ تھے، اور آہیں قرار پاتی نہ تھیں، لبوں پر یہ دعا تھی کہ خدایا! یہ ملاقات آخری نہ ہو! یہ دن اس کے بعد بھی بار بار آئیں، یہ ہے خیر القرون میں میرے استقبال کی ایک ہلکی سی تصویر!

☆☆☆☆☆

رمضان المبارک کی برکات اور روزے کا مقصد

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی (نوّر اللہ مرقدہٗ)

الحمدللہ وکفی وسلمٌ علی عبادہ الذین اصطفی أما بعد!

فأعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ (سورۃ البقرۃ:۱۸۵)

”رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا“

سبحٰن ربک رب العزۃ عمّا یصفون وسلمٌ علی المرسلین والحمدللہ رب العلمین

کامیاب انسان

اللہ جل شانہ نے انسان کو اس دنیا میں اپنی بندگی کے لیے بھیجا ہے۔ یہ انسان یہاں چند روز کا مہمان ہے، اپنی مہلت اور مدت مکمل ہونے کے بعد اگلے سفر پر روانہ ہو گا۔ خوش نصیب ہے وہ انسان جو یادِ الٰہی میں اپنا وقت گزارے، جو اللہ رب العزت کی رضا جوئی کے لیے ہر لحہ بے قرار رہے، جس کا ہر عمل سنت نبوی ﷺ کے مطابق ہو، جس کا ہر کام شریعت مطہرہ کے مطابق ہو، ایسا انسان دنیا میں بھی کامیاب اور آخرت میں بھی کامیاب، فقد فاز فوزا عظیما، اس پر صادق آتا ہے۔

فضیلت شعبان

شعبان کا مہینہ بڑا بابرکت ہے، اس لیے کہ یہ رمضان کا مقدمہ ہے۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ جیسے سورج طلوع ہونے سے پہلے صبح کی سفیدی نمودار ہونا شروع ہو جاتی ہے اور آہستہ آہستہ بڑھتی رہتی ہے حتی کہ پورا سورج نکلنے سے تھوڑی دیر پہلے ایسی ہوتی ہے جیسے سورج نکل آیا ہو، اسی طرح رمضان المبارک کی برکات پندرہ شعبان کی رات سے شروع ہو جاتی ہیں اور ان میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا ہے حتی کہ رمضان المبارک سے دو چار دن پہلے یہ انوارات ایسے ہی ہوتے ہیں گویا رمضان المبارک ہی کے انوارات ہوں۔ پھر جب رمضان المبارک کی پہلی تاریخ آتی ہے تو انوارات کا یہ سورج اپنے رخِ تاباں کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے اور ایمان والوں کے دلوں کو منور کرتا ہے۔ اسی لیے شعبان میں رسول اللہ ﷺ بہت کثرت کے ساتھ روزے رکھا کرتے تھے۔ یعنی کئی دن تک روزے رکھتے جنہیں فقہائے کرام نے ”صومِ وصال“ کا نام دیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا انتظار رمضان

حدیث مبارک میں آتا ہے کہ حضور ﷺ دعائیں مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ! شعبان میں ہمارے لیے برکت عطا فرما اور ہمیں رمضان تک پہنچا۔ یعنی رمضان تک پہنچنے کے لیے اللہ جل شانہ کے پیارے حبیب دعائیں مانگا کرتے تھے؛ اللہ اکبر!

روزے کا فلسفہ و حکمت

روزے کا مقصد انسان کے اندر تقوی و پرہیز گاری پیدا کرنا ہے۔ حضرت ابی بن کعب ؓ سے کسی صحابی نے دریافت کیا کہ تقوی کیا ہے؟ فرمایا: کبھی خاردار راستے سے گزرے ہو؟ جواب ملا، جی ہاں! کئی مرتبہ، پوچھا، کیسے گزرتے ہو؟ کہا کہ بچ بچا کر، کپڑے سمیٹ کر کہ مبادا دامن کانٹوں میں الجھ نہ جائے، فرمایا: اسی کا نام تقوی ہے۔

روزے کا کمال کب نصیب ہوتا ہے؟

روزے کا کمال تبھی نصیب ہوتا ہے جب انسان پورے کا پورا، سر کے بالوں سے پاؤں کے ناخنوں تک روزہ دار ہو۔ اسی لیے حدیث پاک میں آتا ہے کہ بعض روزہ دار ایسے ہیں کہ جنہیں روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ کیوں؟ کیونکہ روزہ تو رکھا مگر کسی کی غیبت کی، جھوٹ بولا، دھوکہ دیا، کسی کا حق غصب کیا، پس ان گناہوں سے روزے کا ثواب جاتا رہا اور انسان کے ہاتھ فقط بھوک اور پیاس ہی آئی۔

غیبت سے پرہیز

آپ ﷺ کے دور میں دو عورتوں نے روزہ رکھا مگر ان کی حالت اس قدر خراب ہوئی کہ گویا مرنے کے قریب ہو گئیں۔ آپ ﷺ سے عرض کی گئی، فرمایا ان دونوں سے کہو کہ قے کریں، جب قے کی تو اس میں گوشت کے ٹکڑے نکلے۔ معلوم ہوا کہ روزہ رکھ کر غیبت کرتی رہیں اور غیبت تو ایسے ہی ہے جیسے مردہ بھائی کا گوشت کھانا، پس ایسے واقعات کو ظاہر کرنے کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ دیگر مسلمان ان سے عبرت حاصل کریں۔

رمضان المبارک میں معمولاتِ نبوی ﷺ

صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ جب بھی رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو ہم رسول اللہ ﷺ کے اعمال میں تین باتوں کا اضافہ محسوس کرتے:

پہلی بات: آپ ﷺ عبادت میں بہت زیادہ کوشش اور جستجو فرمایا کرتے تھے، حالانکہ آپ کے عام دنوں کی عبادت بھی ایسی تھی کہ ”حتی یتورمت قدماہ“ یعنی آپ ﷺ کے

قدم مبارک متورم ہو جایا کرتے تھے، تاہم رمضان المبارک میں آپ کی یہ عبادت پہلے سے بھی زیادہ ہو جایا کرتی تھی۔

دوسری بات: آپ اللہ رب العزت کے راستے میں خوب خرچ فرماتے تھے۔ اپنے ہاتھوں کو بہت کھول دیتے تھے۔ یعنی بہت کھلے دل کے ساتھ صدقہ وخیرات فرمایا کرتے تھے۔

تیسری بات: آپ ﷺ مناجات میں بہت ہی زیادہ گریہ وزاری فرمایا کرتے تھے۔

یعنی ان تین باتوں میں رمضان المبارک کے اندر تبدیلی معلوم ہوا کرتی تھی:

۱. عبادت کے اندر جستجو زیادہ کرنا
۲. اللہ رب العزت کے راستے میں زیادہ خرچ کرنا
۳. دعاؤں کے اندر گریہ وزاری زیادہ کرنا۔

ہم رمضان المبارک میں ان اعمال کا خصوصی اہتمام کریں، عبادت کے ذریعے اپنے جسم کو تھکائیں۔ ہمارے جسم دنیا کے کام کاج کے لیے روز تھکتے ہیں، زندگی میں کوئی ایسا وقت بھی آئے کہ یہ اللہ کی عبادت کے لیے تھک جایا کریں۔ کوئی وقت ایسا آئے کہ ہماری آنکھیں نیند کو ترس جائیں اور ہم اپنے آپ کو سمجھائیں کہ اگر تم اللہ کی رضا کے لیے جاگو گے تو قیامت کے دن اللہ رب العزت کا دیدار نصیب ہو گا۔ یہ آنکھیں آج جاگیں تو کل قبر کے اندر میٹھی نیند سوئیں گی۔

موت کے بعد ہے بیدار دلوں کو آرام
نیند بھر کر وہی سویا جو کہ جاگا ہو گا

تو یہ جاگنے کا مہینہ آرہا ہے۔ ہم اپنے آرام میں کمی پیدا کر لیں۔ یوں سمجھیں کہ یہ مشقت اٹھانے کا مہینہ ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا بیان

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ جو ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے سرخیل امام ہیں وہ اپنے مکتوبات میں رمضان المبارک کی بڑی فضیلت بیان فرماتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک کے مہینے میں اتنی برکات کا نزول ہوتا ہے کہ بقیہ پورے سال کی برکتوں کو رمضان المبارک کی برکتوں کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو قطرے کو سمندر کے ساتھ ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اسی لیے اللہ جل شانہ نے اپنا قرآن اسی مہینے میں نازل فرمایا بلکہ جتنی بھی آسمانی کتابیں نازل ہوئیں سب کی سب رمضان المبارک میں نازل کی گئیں۔ اس مہینے کو اللہ کے کلام سے بہت زیادہ مناسبت ہے لہٰذا اس مہینے میں قرآن پاک کی تلاوت خوب کرنی چاہیے۔

نیکیوں کا سیزن

دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ تجارت کرتے ہیں ان کے کاروباری سیزن آیا کرتے ہیں۔ جس شخص کا سیزن آجائے وہ اپنی محنت بہت زیادہ کر دیتا ہے، اپنی دیگر مصروفیات ترک کر دیتا ہے، دوسروں سے معذرت کر لیتا ہے کہ میرا سیزن ہے اس لیے میں زیادہ وقت فارغ نہیں کر سکتا۔ بلکہ وہ انسان اپنے کھانے پینے کی پروا نہیں کرتا، رات کو سونے تک کی اسے فکر نہیں ہوتی۔ اس کو ہر وقت یہ غم ہوتا ہے کہ میں کس طرح اس سیزن میں کمالوں، سیزن سے جتنا نفع اٹھا سکتا ہوں میں اٹھالوں۔ وہ سوچتا ہے کہ یہ تھوڑے دن کی مشقت ہے، اس کے بعد پھر آرام کر لیں گے۔

اسی طرح رمضان المبارک نیکیاں کمانے کا سیزن ہے۔ جو لوگ اپنے گناہ معاف کروانا چاہتے ہیں، اللہ رب العزت کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہیں، اللہ جل شانہ کی معیت کے حصول کے لیے بے قرار رہنے والے ہیں، ان کے لیے یہ مہینہ ایک سیزن کی مانند ہے۔ انہیں چاہیے کہ جب وہ روزہ رکھیں تو ان کا روزہ محض کھانے پینے سے رکنے تک محدود نہ ہو بلکہ روزہ دار کی آنکھیں بھی روزہ دار ہوں، زبان بھی روزہ دار ہو، کان بھی روزہ دار ہوں، شرم گاہ بھی روزہ دار ہو، دل و دماغ بھی روزہ دار ہوں۔ جب اس طرح ہم سر تا پا روزہ دار بن جائیں گے تو افطار کے وقت جب دامن پھیلائیں گے، تب اللہ رب العزت ہماری دعائیں قبول فرمائیں گے۔

جنت کی آرائش

رمضان المبارک کا مہینہ عجیب برکات کے نزول کا مہینہ ہے۔ یوں لگتا ہے کہ برکات کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ رمضان المبارک کے آنے سے پہلے جنت کو خوشبوؤں کی دھونی دی جاتی ہے، اسے ایمان والوں کے لیے سجایا جاتا ہے اور پہلی رمضان کو اللہ رب العزت جنت کے دروازے کھول دیتے ہیں، فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ آج کے دن جنت کے دروازے ایمان والوں کے لیے کھول دیے جائیں۔ گویا ایمان والوں کے لیے جنت اس طرح سجائی جاتی ہے جیسے دلہا کی خاطر دلہن سجاتے ہیں۔

اجر و ثواب میں اضافہ

رمضان المبارک میں روزہ دار کی عبادت کے اجر کو بڑھا دیا جاتا ہے۔ اگر نفل کام کرے گا تو فرض کے برابر اجر دیا جائے گا اور اگر ایک فرض پورا کرے گا تو ستر فرضوں کے برابر اس کو اجر عطا کیا جائے گا۔

تین عشروں کی فضیلت

یہ برکات کا مہینہ ہے۔ اللہ جل شانہ کی رحمت و مغفرت کا مہینہ ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا اولها رحمة، اس کے پہلے دس دن رحمت ہیں، اوسطها مغفرة، درمیان کے دس دن مغفرت کے ہیں، و أخرها عتق من النار، اور آخر کے دس دن آگ سے آزادی کے ہیں۔

اللہ کی رحمت بہانے ڈھونڈتی ہے

مدینہ طیبہ کے قریب ایک قبیلہ بنی کلب نامی رہتا تھا جو بھیڑ بکریاں پالنے میں بڑا مشہور تھا۔ اس قبیلے کے ایک ایک گھر میں کئی کئی سو بھیڑ بکریاں ہوتی تھیں۔ حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس قبیلے کا نام لے کر کہا کہ رمضان المبارک کی ایک رات میں اللہ جل شانہ اس قبیلے کی بھیڑوں اور بکریوں کے بالوں کی تعداد کے برابر جہنمیوں کو جہنم سے بری فرمادیتے ہیں، اللہ اکبر! یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہ کی رحمت اپنے بندوں کے گناہوں کو بخشنے کے لیے اس وقت بہانے ڈھونڈ رہی ہوتی ہے۔

رحمت حق بہا نہ می جوید

رحمت حق بہانہ می جوید

''بہا'' فارسی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ''قیمت'' ہے، پنجابی میں ہم اسے ''بھا'' کہہ دیتے ہیں اور اردو میں ''بھاؤ'' کہتے ہیں کہ فلاں چیز کا بھاؤ کیا ہے۔ فارسی میں یہ لفظ ''بہا'' ہے، بیش بہا، یعنی بیش قیمت۔ فرمایا:

''رحمت حق 'بہا' نہ می جوید، یعنی اللہ کی رحمت قیمت نہیں مانگتی،
رحمت حق بہانہ می جوید، بلکہ رحمت حق تو بہانہ مانگتی ہے۔''

عبادت میں رکاوٹ

خالق ارض وسماء رمضان المبارک کے مہینے میں اپنے بندوں کے لیے مغفرتوں کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ بڑے بڑے شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے، پھر بھی اگر انسان عبادت نہ کرے تو رکاوٹ کون سی چیز بنی؟ انسان کا اپنا نفس، اپنے نفس کو سمجھائیں کہ بہت عرصہ غفلت میں گزار بیٹھے اب اس مہینے کچھ کمائی کرلو۔

جنت کی سیل(Sale)

بازاروں میں مختلف چیزوں پر سیل لگانے کا رواج عام ہے اور عام دستور یہ ہے کہ بیش قیمت اشیاء بھی سیل میں کم قیمت میں مل جاتی ہیں۔ قرآن وحدیث کا مطالعہ کیا جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہ رمضان المبارک میں جنت کی سیل لگا دیتے ہیں؛ فرماتے ہیں ﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ﴾، اللہ تعالیٰ تمہیں سلامتی کے گھر کی طرف بلاتے ہیں، پس ہم کیوں نہ اس سیل سے فائدہ اٹھائیں؟ اللھم انا نسئلک الجنۃ ونعوذبک من النار۔

سنہری موقع

رمضان المبارک ایمان والوں کے لیے بہار کا مہینہ ہوتا ہے۔ جس طرح بہار کے موسم میں ہر طرف خوشبو ہوا کرتی ہے، درخت ہرے بھرے ہوتے ہیں، پھول کھلے ہوتے ہیں، فضا مہک رہی ہوتی ہے، ہر طرف خوشبوئیں اور سبزہ ہوتا ہے کہ بہار ہے ہی اسی کا نام۔ اسی طرح رمضان المبارک اللہ جل شانہ کی رحمت کا مہینہ ہے۔ اس کی صبح میں رحمت، اس کی شام میں رحمت، اس کے تہجد کے اوقات میں رحمت، جو انسان اپنے گناہ بخشوانا چاہے اور اللہ رب العزت کو راضی کرنا چاہے اس کے لیے یہ سنہری موقع ہے۔

سلف صالحین کے واقعات

سلف صالحین اس مہینے کی برکات سے کیسے فیض یاب ہوتے تھے، اس کی چند مثالیں عرض کی جاتی ہیں تاکہ ہمیں بھی اندازہ ہو جائے کہ ہمارے اسلاف یہ مہینہ کیسے گزارتے تھے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کا معمول

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ آپ رمضان المبارک میں تریسٹھ (۶۳) مرتبہ قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ ایک قرآن پاک دن میں پڑھتے اور ایک رات میں اور تین قرآن پاک تراویح میں سنا کرتے تھے۔ اللہ اکبر!

حضرت رائے پوریؒ کا معمول

حضرت رائے پوریؒ کے معمولات میں لکھا ہے کہ جب ۲۹ شعبان کا چاند ہوتا تھا تو اپنے مریدین ومتوسلین کو جمع فرمالیتے اور سب کو مل لیتے اور فرماتے کہ بھئی! اگر زندگی رہی تو اب رمضان المبارک کے بعد ملاقات ہوگی اور اپنے ایک خادم کو بلاتے اور اسے ایک بوری دیتے اور فرماتے کہ رمضان المبارک میں جتنے خطوط آئیں وہ سب اس بوری میں ڈال دینا۔ زندگی رہی تو رمضان المبارک کے بعد ان کو کھول کر پڑھیں گے۔ رمضان المبارک میں ڈاک نہیں دیکھا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ یہ مہینہ بس میں نے اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے۔ اگر زندگی رہی تو اس کے بعد پھر دوستوں سے ملاقات ہوگی۔ آپ کے یہاں پورا رمضان المبارک اعتکاف کی حالت میں گزارنے کا معمول تھا۔ ۲۹ شعبان کے دن جو شخص آپ کی مسجد میں بستر لے جاتا اس کو مسجد میں بستر لگانے کی جگہ نہیں ملا کرتی تھی۔ دور دراز سے لوگ رمضان المبارک کا مہینہ وہاں گزارنے کے لیے آیا کرتے تھے اور پورا رمضان المبارک عبادت اور یاد الٰہی میں گزار دیا کرتے تھے۔

حضرت مولانا محمد زکریاؒ کا معمول

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا اپنے بارے میں فرماتے تھے:

> ''میں اکابرین ہی کے نقش قدم پر رمضان المبارک یکسوئی کے ساتھ عبادت میں گزارا کرتا تھا۔ میرا معمول تھا کہ میں سارا دن قرآن پاک کی تلاوت میں لگا رہتا۔ کچھ وقت نوافل وغیرہ میں گزرتا۔ میرا ایک دوست جو کسی دوسرے محلے میں رہتا تھا، وہ رمضان المبارک میں ملنے آیا۔ اسے میرے معمولات کا اندازہ نہیں تھا، اس نے سلام کیا اور میں سلام کا جواب دے کر اپنے کمرے میں آکر تلاوت کرنے لگا۔ وہ بھی

میرے پیچھے کمرے میں آ گیا۔ وہ انتظار میں بیٹھا رہا اور میں تلاوت کرتا رہا حتی کہ عصر کا وقت ہو گیا۔ عصر کی اذان ہوئی تو میں نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔ ہم دونوں نے نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر میں پھر اپنی جگہ آ کر بیٹھ گیا اور تلاوت شروع کر دی۔ وہ پھر کمرے میں آیا اور دیکھا کہ میں پھر تلاوت کر رہا ہوں تو تھوڑی دیر انتظار کے بعد کہنے لگا کہ بھئی رمضان المبارک تو ہمارے پاس بھی آوے مگر یوں بخار کی طرح نہیں آوے۔"

اللہ اکبر!

حضرت شیخ الہندؒ کا معمول

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کی نماز تراویح اس وقت ختم ہوتی تھی جب سحری کا وقت ہو جاتا، چنانچہ تراویح ختم کرتے ہی سحری کھاتے اور ساتھ ہی فجر کی نماز کے لیے تیار ہو جاتے تھے، ساری رات عبادت میں گزار دیتے۔ ایک مرتبہ کئی دن مسلسل مجاہدے میں گزر گئے تو گھر کی مستورات نے محسوس کیا کہ حضرت کی طبیعت میں نقاہت اور کمزوری ہے، ایسا نہ ہو کہ طبیعت زیادہ خراب ہو جائے، تو انہوں نے منت سماجت کی کہ حضرت! آپ درمیان میں ایک رات وقفہ کر لیں، طبیعت کو کچھ آرام مل جائے گا، پھر دس پندرہ دن آسانی رہے گی۔ لیکن حضرت فرمانے لگے کہ معلوم نہیں کہ آئندہ رمضان کون دیکھے گا اور کون نہیں۔ گھر کی مستورات نے کسی بچے کے ذریعے قاری صاحب کو پیغام بھجوایا کہ آپ کسی رات بہانہ کر دیں کہ میں تھکا ہوا ہوں، آرام کرنے کو جی چاہتا ہے۔ (حضرت کی یہ عادت شریفہ تھی کہ دوسروں کے عذر بڑی جلدی قبول کر لیا کرتے تھے۔) قاری صاحب نے ہامی بھر لی۔ جب تراویح پڑھانے آئے تو کہنے لگے کہ حضرت! آج میری طبیعت بہت تھکی ہوئی ہے، اس لیے آج میں زیادہ تلاوت نہیں کر سکوں گا۔ حضرت نے فرمایا، ہاں بہت اچھا! آپ بالکل تھوڑی سی تلاوت کریں۔ قاری صاحب نے ایک دو پارے سنا کر اپنی تراویح مکمل کر دی تو حضرت نے فرمایا کہ قاری صاحب! آپ تھکے ہوئے ہیں، اب گھر نہ جائیے بلکہ یہیں میرے بستر پر سو جائیں۔ قاری صاحب کو مجبوراً تعمیل کرنا پڑی۔ حضرت کے بستر پر لیٹ گئے تو حضرت نے آرام کی تاکید کر کے بتی بجھا دی اور کواڑ بند کر دیے۔ قاری صاحب فرماتے ہیں کہ جب کچھ دیر بعد میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ کوئی شخص میرے پاؤں دبا رہا ہے۔ میں حیران ہو کر اٹھ بیٹھا اور یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ میرے پیر و مرشد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اندھیرے میں بیٹھے میرے پاؤں دبا رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ حضرت! یہ آپ نے کیا کیا؟ فرمانے لگے کہ آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ میں تھکا ہوا ہوں، تو میں نے سوچا کہ چلو میں آپ کے پاؤں دبا دیتا ہوں تاکہ آپ کو کچھ آرام مل جائے۔ قاری صاحب یہ سن کر کہنے لگے کہ حضرت! اگر آپ نے رات جاگ کر ہی گزارنی ہے تو چلیں میں قرآن سناتا ہوں اور آپ سنیں، یوں رات بسر ہو جائے گی۔ چنانچہ قاری صاحب پھر مصلے پر آ گئے اور انہوں نے قرآن پڑھنا اور حضرت نے سننا شروع کر دیا۔ اللہ اکبر!

اللہ کو راضی کرنے کا طریقہ

سلف صالحین اللہ جل شانہ کو راضی کرنے کے لیے یوں عبادت کیا کرتے تھے گویا کوئی کسی روٹھے ہوئے کو مناتا ہے۔ سبحان اللہ! روٹھے ہوئے رب کو مناتے تھے۔ اگر کوئی غلام بھاگ جائے اور پھر پکڑا جائے تو وہ اپنے مالک کے سامنے جب پیش ہوتا ہے تو کیا کرتا ہے؟ وہ اپنے مالک کے سامنے ہاتھ جوڑ دیتا ہے، اس کے پاؤں پکڑ لیتا ہے اور کہتا ہے کہ اے میرے مالک! آپ درگزر کر دیں، آئندہ میں احتیاط کروں گا۔

میرے دوستو! رمضان المبارک میں ہم اللہ رب العزت کے سامنے اسی طرح اپنے ہاتھ جوڑ دیں، سربسجود ہو جائیں اور عرض کریں کہ اے اللہ! ہم نادم ہیں، شرمندہ ہیں، جو کوتاہیاں اب تک کر بیٹھے ہیں ان کو تو معاف کر دے، آئندہ زندگی ہم تقویٰ اور پرہیز گاری کے ساتھ گزارنے کی کوشش کریں گے۔

آرام و سکون

اہل دل حضرات اس مہینے میں آرام کو خیر باد کہہ دیا کرتے تھے۔ ہم بھی رمضان المبارک میں آرام کو خیر باد کہہ دیں۔ ہم سوچیں کہ سال کے گیارہ مہینے اگر ہم اپنی مرضی سے سوتے جاگتے ہیں تو ایک مہینہ ایسا بھی ہو جس میں ہم بہت کم سوئیں۔ اچھی بات ہے کہ اگر آنکھیں نیند کو ترستی رہیں، اچھی بات ہے کہ جسم کو تھکایا جائے تاکہ کل قیامت کو کم از کم اللہ تعالیٰ کے حضور یہ عرض کر سکیں کہ یا اللہ! زندگی کا ایک ماہ تو ایسا گزارا تھا کہ کثرت عبادت سے آنکھیں نیند کو اور جسم آرام کو ترستا تھا۔

ہماری تن آسانی

ہمارے لیے ایک قرآن پاک تراویح میں سننا مشکل ہوتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جی فلاں مسجد میں تراویح پڑھیں گے کہ وہاں محض تیس منٹ میں تراویح مکمل ہو جاتی ہے، فلاں جگہ پچیس منٹ میں ہو جاتی ہے۔ تو یہ ہماری تن آسانی کا حال ہے کہ مسجد بھی ہم وہ تلاش کرتے ہیں کہ جہاں سے جلد سے جلد فارغ ہو سکیں۔

مستورات کا قرآن سے لگاؤ

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مستورات بھی تراویح میں قرآن پاک سنا کرتی تھیں۔ آپ کے صاحب زادے قرآن پاک سناتے تھے اور پردے کے پیچھے گھر کی مستورات اور بعض دوسری عورتیں جماعت میں شریک ہو جایا کرتی تھیں۔ ایک دن حضرت صاحب زادے بیمار ہو گئے تو حضرت نے کسی اور قاری صاحب کو بھیج دیا جنہوں نے تراویح میں چار پارے پڑھے۔ (بقیہ صفحہ نمبر ۱۴ پر)

غنیمتِ رمضان اور حالِ بزرگان

مولانا ابنِ عمر عمرانی گجراتی

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات میں انسان کو اشرف و اکرم بنایا، اس کی فطرت میں نیکی اور بدی، بھلائی اور برائی، تابعداری و سرکشی اور خوبی و خامی دونوں ہی قسم کی صلاحیتیں اور استعداد یکساں طور پر رکھ دی ہے۔ اسی کا ثمرہ اور نتیجہ ہے کہ کسی بھی انسان سے اچھائی اور برائی دونوں ہی وجود میں آسکتی ہیں۔ ایک انسان سے حسنات بھی ممکن ہیں اور سیئات بھی، اس کے باوجود کوئی سیئات و معصیات سے مجتنب ہو کر اپنی زندگی اور اس کے قیمتی لمحات کو حسنات و طاعات سے مزین اور آراستہ کرلے تو یہ اس کے کامیاب اور خالق و مخلوق کے نزدیک اشرف و اکرم ہونے کی سب سے بڑی نشانی ہے اور یہی تقویٰ و پرہیز گاری ہے جو روزہ کا مقصدِ اصلی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ○ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ (سورۃ البقرۃ: ۱۸۳، ۱۸۴)

”اے ایمان والو! فرض کیا گیا تم پر روزہ، جیسے فرض کیا گیا تھا تم سے اگلوں پر، تاکہ تم پرہیز گار ہو جاؤ۔ چند روز ہیں گنتی کے۔“

تقویٰ کا معنی ہے نفس کو برائیوں سے روکنا اور اس کا سب سے بڑا ذریعہ روزہ ہے، جیسا کہ ایک صحابیؓ نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا:

”اے اللہ کے رسول! مجھے کسی ایسے عمل کا حکم دیجیے جس سے حق تعالیٰ مجھے نفع دے۔“

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عليك بالصوم، فإنهٗ لامثل لهٗ[1]

”روزہ رکھا کرو، اس کے مثل کوئی عمل نہیں۔“

اب رمضان المبارک کی آمد آمد ہے، گویا یہ مہینہ نیکیوں اور طاعات کے لیے موسمِ بہار کی طرح ہے، اسی لیے رمضان المبارک سال بھر کے اسلامی مہینوں میں سب سے زیادہ عظمتوں، فضیلتوں اور برکتوں والا مہینہ ہے۔ اس ماہ میں اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو اپنی رضا، محبت و عطا، اپنی ضمانت و اُلفت اور اپنے انوارات سے نوازتے ہیں۔ اس مہینہ میں ہر نیک عمل کا اجر و ثواب کئی گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔ اس ماہ میں جب ایمان اور احتساب کی شرط کے ساتھ روزہ رکھا جاتا ہے تو اس کی برکت سے پچھلی زندگی کے تمام صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور جب رات کو قیام (تراویح) اسی شرط کے ساتھ کیا جاتا ہے تو اس سے بھی گزشتہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس ماہ میں ایک نیکی فرض کے برابر اور فرض ستر فرائض کے برابر ہو جاتا ہے، اس ماہ کی ایک رات جسے شبِ قدر کہا جاتا ہے وہ ہزار مہینوں سے افضل قرار دی گئی ہے۔

رمضان کا روزہ فرض اور تراویح کو نفل (سنت مؤکدہ) بنایا ہے۔ یہ صبر کا مہینہ ہے، اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ ہمدردی اور خیر خواہی کا مہینہ ہے، اس میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے، اس میں روزہ افطار کرنے والے کی مغفرت، گناہوں کی بخشش اور جہنم سے آزادی کے پروانے کے علاوہ روزہ دار کے برابر ثواب دیا جاتا ہے، چاہے وہ افطار ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی سے ہی کیوں نہ کرائے۔ ہاں! اگر روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھلایا یا پلایا تو اللہ تعالیٰ اسے حوضِ کوثر سے ایسا پانی پلائیں گے جس کے بعد وہ جنت میں داخل ہونے تک پیاسا نہ ہو گا۔ اس ماہ کا پہلا عشرہ رحمت، دوسرا مغفرت اور تیسرا جہنم سے آزادی کا ہے۔ جس نے اس ماہ میں اپنے ماتحتوں کے کام میں تخفیف کی تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کی مغفرت اور اسے جہنم سے آزادی کا پروانہ دیں گے۔ پورا سال جنت کو رمضان المبارک کے لیے آراستہ کیا جاتا ہے۔ عام قانون یہ ہے کہ ایک نیکی کا ثواب دس سے لے کر سات سو تک دیا جاتا ہے، مگر روزہ اس قانون سے مستثنیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”روزہ صرف میرے لیے ہے اور اس کا اجر میں خود دوں گا“۔ روزہ دار کو دو خوشیاں ملتی ہیں۔ ایک افطار کے وقت کہ اس کا روزہ مکمل ہوا اور دعا قبول ہوئی، اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے روزہ افطار کیا اور دوسری خوشی جب اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہو گی۔ روزہ دار کے منہ کی بو (جو معدہ کے خالی ہونے کی وجہ سے آتی ہے) اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے زیادہ خوشبودار ہے۔ روزہ اور قرآن کریم دونوں بندے کی شفاعت کریں گے اور بندے کے حق میں دونوں کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

اب چند وہ باتیں عرض کی جاتی ہیں، جن کا حضور اکرم ﷺ خود بھی اہتمام کیا کرتے تھے اور اُمت کو بھی اس کی تعلیم اور تلقین فرماتے تھے:

۱. حضور اکرم ﷺ شعبان کی تاریخوں کی جس قدر نگہداشت فرماتے تھے اتنا دوسرے مہینوں کی نہیں فرماتے تھے۔
۲. حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: رمضان کی خاطر شعبان کے چاند کا اہتمام کیا کرو۔
۳. آپ ﷺ نے سحری کھانے کا حکم فرمایا کہ: ”سحری کھایا کرو، کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے۔“ اور فرمایا: ”ہمارے اور اہلِ کتاب کے روزے کے درمیان سحری کھانے کا فرق ہے۔“ یعنی اہلِ کتاب کو سو جانے کے بعد کھانا پینا ممنوع تھا اور ہمیں صبح صادق کے طلوع ہونے سے پہلے تک اس کی اجازت ہے۔

---

[1] سنن نسائی، ج:۱، ص:۱۴۰

۴. آپ ﷺ نے فرمایا:"لوگ ہمیشہ خیر پر رہیں گے جب تک کہ (غروب آفتاب کے بعد) افطار میں جلدی کرتے رہیں گے۔"

افطار کی دعا:

ذَہَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللّٰہُ۔

"پیاس جاتی رہی، آنتیں تر ہو گئیں اور اجر ان شاء اللہ ثابت ہو گیا۔"

اسی طرح:

اَللّٰہُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ أَفْطَرْتُ۔

"اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق سے افطار کیا۔"

۵. رمضان میں ذکر کرنے والا بخشا جاتا ہے اور اس ماہ میں مانگنے والا بے مراد نہیں رہتا۔

۶. روزہ دار کی روزانہ ایک دعا قبول ہوتی ہے۔

۷. رمضان میں روزانہ بہت سے لوگ دوزخ سے آزاد کیے جاتے ہیں۔

۸. حضور اکرم ﷺ رمضان کے اخیر عشرہ میں خود بھی شب بیدار رہتے اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی بیدار رکھتے۔

۹. حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: شبِ قدر کو رمضان کے اخیر عشرہ میں تلاش کرو۔

۱۰. جب لیلۃ القدر آتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کی معیت میں نازل ہوتے ہیں اور ہر بندہ جو کھڑا یا بیٹھا اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا ہو (اس میں تلاوت، تسبیح و تہلیل اور نوافل سب شامل ہیں، الغرض کسی طریقے سے ذکر و عبادت میں مشغول ہو) اس کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں۔

۱۱. لیلۃ القدر کی دعا:

اَللّٰہُمَّ إِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ۔

"اے اللہ! آپ بہت معاف کرنے والے ہیں، معافی کو پسند فرماتے ہیں، پس مجھے بھی معاف فرما دیجیے۔"

۱۲. اگر کسی نے بغیر عذر اور بیماری کے رمضان کا ایک روزہ چھوڑ دیا، خواہ وہ ساری زندگی روزہ رکھتا رہے، وہ اس کی تلافی نہیں کر سکتا۔

۱۳. رمضان میں چار کام کثرت سے کیے جائیں: دو کام جن سے اللہ راضی ہوتے ہیں:

أ. "لا إله إلا الله" کی کثرت،

ب. استغفار زیادہ سے زیادہ پڑھا جائے۔

اور دو کام جو ہر انسان کی ضرورت ہیں:

أ. اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کیا جائے،

ب. جہنم سے پناہ مانگی جائے۔

۱۴. تراویح کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"جس نے ایمان کے جذبے سے اور ثواب کی نیت سے رمضان کا روزہ رکھا، اس کے پہلے گناہ بخش دیئے جائیں گے، اور جس نے رمضان (کی راتوں) میں قیام کیا، ایمان کے جذبے اور ثواب کی نیت سے اس کے پہلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔"

۱۵. اعتکاف کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"جس نے رمضان میں (آخری) دس دن کا اعتکاف کیا، اس کو دو حج اور دو عمرے کا ثواب ہو گا۔"

دوسری حدیث میں ہے:

"جس نے اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کی خاطر ایک دن کا بھی اعتکاف کیا، اللہ تعالیٰ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایسی تین خندقیں بنا دیں گے کہ ہر خندق کا فاصلہ مشرق و مغرب سے زیادہ ہو گا۔"

۱۶. رمضان میں قرآن کریم کا دور اور جود و سخاوت کی جائے، اس لیے کہ آپ ﷺ جود و سخا میں تمام انسانوں سے بڑھ کر تھے اور رمضان میں آپ کی سخاوت بہت بڑھ جاتی تھی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام رمضان کی ہر رات میں آکر آپ ﷺ سے قرآن کریم کا دور کیا کرتے تھے۔

۱۷. روزے کی حالت میں بے ہودہ باتوں مثلاً غیبت، بہتان، گالی گلوچ، لعن طعن، غلط بیانی غرض تمام گناہوں سے پرہیز کیا جائے، ورنہ سوائے بھوکا پیاسا رہنے کے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ اگر کوئی دوسرا آکر ناشائستہ بات کرے تو یہ کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں، کیونکہ روزہ ڈھال ہے، جب تک کوئی اس کو پھاڑے نہیں اور یہ ڈھال جھوٹ اور غیبت سے پھٹ جاتی ہے۔

یہ مہینہ گویا ایمان اور اعمال کو ریچارج کرنے کے لیے آتا ہے۔ رمضان عربی کا لفظ ہے، جس کا اُردو میں معنی ہی شدتِ حرارت کے ہیں، یعنی اس ماہ میں اللہ رب العزت روزہ کی برکت اور اپنی رحمتِ خاصہ کے ذریعہ اہلِ ایمان کے گناہوں کو جلا دیتے اور ان کی بخشش فرما دیتے ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

إذا دخل رمضان فُتحت أبواب السماء، وفي رواية: "فُتحت أبواب الجنة" وغُلقت أبواب جهنم ، وسُلسلت الشياطين، وفي رواية "فُتحت أبواب الرحمة۔[۲]

"جب رمضان آتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، اور ایک روایت میں ہے کہ جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین جکڑ دیے جاتے ہیں، اور ایک روایت میں بجائے ابوابِ جنت کے ابوابِ رحمت کھول دیے جانے کا ذکر ہے۔"

[۲] متفق علیہ، بحوالہ مشکوٰۃ، کتاب الصوم، ص: ۱۷۳

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

”یہ حدیث ظاہری معنوں پر بھی محمول ہو سکتی ہے، لہٰذا جنت کے دروازوں کا کھلنا، دوزخ کے دروازوں کا بند ہونا اور شیطانوں کا قید ہونا اس مہینے کی آمد کی اطلاع اور اس کی عظمت اور حرمت و فضیلت کی وجہ سے ہے، شیاطین کا بند ہونا اس لیے ہو سکتا ہے کہ وہ اہلِ ایمان کو وسوسوں میں مبتلا کر کے ایمانی و روحانی اعتبار سے ایذا نہ پہنچا سکیں، جیسا کہ دستورِ زمانہ بھی ہے کہ جب کوئی اہم موقع ہوتا ہے تو خصوصی انتظامات کیے جاتے ہیں، تمام شر پسندوں کو قید کر دیا جاتا ہے، تاکہ وہ اس موقع پر کوئی رخنہ و فتنہ پیدا نہ کریں، اور حکومت اپنے حفاظتی دستوں کو ہر طرف پھیلا دیتی ہے۔ یہی حال رمضان المبارک میں بھی ہوتا ہے کہ شیطانوں کو قید کر دیا جاتا ہے۔ اور اس سے مجازی معنی بھی مراد لیے جاسکتے ہیں، کیوں کہ شیاطین کا اُکسانا اس ماہ میں کم ہو جاتا ہے، اس لیے گویا وہ قید ہو جاتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جنت کے دروازے کھولنے سے مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر طاعات اور عبادات کے دروازے اس ماہ میں کھول دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جو عبادتیں کسی اور مہینے میں عام طور پر واقع نہیں ہو سکتیں، وہ عموماً رمضان میں بآسانی ادا ہو جاتی ہیں، یعنی روزے رکھنا، قیام کرنا، وغیرہ۔“[3]

الغرض رمضان المبارک کی بڑی فضیلت ہے، اسی وجہ سے کہا گیا کہ اگر لوگوں کو رمضان المبارک کی ساری فضیلتوں اور برکتوں کا پتہ چل جائے تو وہ تمنائیں کریں کہ کاش! سارا سال رمضان ہو جائے۔

رمضان المبارک کی بے شمار خصوصیتیں ہیں، جن میں چند ایک یہ ہیں:

۱۔ سال بھر کے مہینوں میں رمضان المبارک ایک ایسا مہینہ ہے جس کا ذکر صراحت کے ساتھ قرآن کریم میں آتا ہے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ (سورۃ البقرۃ: ۱۸۵)

”رمضان وہ (مبارک) مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، جو لوگوں کے لیے راہنمائی، ہدایت اور حق و باطل میں تمیز کرنے کا ذریعہ ہے، پس جو کوئی یہ (مبارک) مہینہ پائے اُسے چاہیے کہ وہ اس کے روزے رکھے۔“

۲۔ اسی ماہ کو شبِ قدر میں لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر مکمل قرآن کریم کا نزول ہوا، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ○ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ○ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ○ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ○ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ○ (سورۃ القدر)

”بیشک ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ شب قدر کیا چیز ہے؟ شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے۔ اس میں فرشتے اور روح اپنے پروردگار کی اجازت سے ہر کام کے لیے اترتے ہیں۔ وہ رات سراپا سلامتی ہے فجر کے طلوع ہونے تک۔“

گویا رمضان اور قرآن کریم دونوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے کہ قرآن رمضان میں آیا تو رمضان کا تذکرہ قرآن کریم میں آیا، اس لیے بعض علماء فرماتے ہیں کہ رمضان اور قرآن کا جسم اور روح کا سا تعلق ہے۔ رمضان جسم ہے تو قرآن کریم روح ہے۔

ماہِ صیام تیرا کیوں نہ ہو احترام
کہ نازل ہوا تجھ میں اللہ کا کلام

اس لیے ہمارے اکابر نے رمضان میں روزہ اور تراویح کے بعد قرآن کریم کی تلاوت کو سب سے بہتر عبادت قرار دیا۔ نمونے کے طور پر یہاں چند سلف و اکابر کے احوال اور اس ماہ میں ان کا تعلق مع قرآن ملاحظہ ہو۔

سید الاولیاء امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ماہ رمضان میں حال

تین چیزوں کا اہتمام حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ماہ مبارک میں نسبتاً بڑھ جاتا تھا:

۱۔ راتوں کی عبادات کا معاملہ

یوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات اور تعلق مع اللہ میں پہلے ہی وہ کیفیت رہتی تھی جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ کہہ کر بیان کیا کہ ”كل أمره كان عجيبا“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا معاملہ تعجب خیز ہی تھا[4] لیکن یہ عجیب حال مزید عجیب ہو جاتا جب یہ مبارک زمانہ پیش آتا، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ تَغَيَّرَ لَونُهُ وَكَثُرَتْ صَلَاتُهُ وَابْتَهَلَ فِي الدُّعَاءِ وَأَشْفَقَ مِنْه

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت یہ تھی کہ جب رمضان داخل ہوتا تو آپ کا رنگ بدل جاتا، نمازوں میں اضافہ ہو جاتا، دعاؤں میں خوب الحاح و زاری کرتے، خوف و خشیت کا غلبہ ہوتا۔“[5]

[3] نووی شرح مسلم، از برکاتِ رمضان، ص: ۴۴
[4] رواہ ابن حبان فی صحیحہ
[5] بیہقی شعب الایمان، رقم: ۳۶۲۵، إسنادہ مقبول

پھر ایک جگہ اس طرح سے منقول ہے:

كانَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ إذا دخلَ رمضانُ شدَّ مئزرَهُ فلم يأوِ إلى فراشِهِ حتّى ينسلخَ رمضانُ.

”جب ماہ رمضان آتا تو رسول اللہ ﷺ اپنا تہبند کس لیتے (عبادات میں غایت درجے اہتمام اور بیوی سے کنارہ ہو جاتے) چنانچہ رمضان ختم ہونے تک اپنے بستر پر تشریف نہ لاتے۔“[6]

۲. قرآن کریم کی تلاوت اور اس کا سننا سنانا بڑھ جاتا

رمضان کے بابرکت مہینے کو قرآن پاک سے بڑی مناسبت ہے، قرآن پاک کی تصریح کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنے اس پاکیزہ کلام کو لوح محفوظ سے سب آخری آسمان پر اتارنے کے لیے اسی مبارک مہینے اور اس کی بابرکت رات شب قدر کا انتخاب فرمایا۔ احادیث سے بھی قرآن اور روزے میں خاص تعلق کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ وارد ہے:

اَلصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَقُوْلُ الصِّيَامُ: أَيْ رَبِّ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهْوَةَ فَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ، وَيَقُولُ الْقُرْآنُ:مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ، فَشَفِّعْنِيْ فِيهِ، قَالَ: فَيَشْفَعَانِ۔[7]

”روزہ اور قرآن دونوں قیامت کے دن بندے کی سفارش کریں گے، روزہ کہے گا، اے رب میں نے اس بندے کو کھانے اور خواہشات سے روکا ہے، لہٰذا تو اس کے بارے میں میری سفارش قبول فرما، اور قرآن کہے گا میں نے اس بندے کو رات میں سونے سے روکا ہے (یعنی راتوں کو جاگ کر تراویح اور نفلوں میں قرآن پڑھتا تھا) لہٰذا اس کے بارے میں میری سفارش کو قبول فرما۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تو یہ دونوں ہی سفارش کریں گے۔“

قرآن کریم کی تلاوت رسول اللہ ﷺ کا دائمی معمول تھا، رمضان میں آپ کا یہ معمول مزید بڑھ جاتا تھا، پھر رمضان المبارک میں حضرت جبرئیل خاص طور سے رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے تھے اور رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ مل کر قرآن سنتے اور سناتے تھے چنانچہ حدیث پاک میں وارد ہے:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قال: كَانَ جِبْرِيْلُ يَلْقَاهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ[8]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ”رمضان میں ہر رات جبریل امین آپ ﷺ سے ملتے تھے، اور رسول اللہ ﷺ ان کو قرآن مجید سناتے تھے۔“

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ رمضان میں نہ صرف تلاوت کرتے تھے، بلکہ حضرت جبریل علیہ السلام کو قرآن سناتے بھی تھے، لہٰذا رمضان میں حفاظ کرام قرآن کے پاک سننے اور سنانے کا جو اہتمام کرتے ہیں وہ دوہرے اجر کے مستحق ہوتے ہیں، ایک اجر قرآن سننے اور سنانے کا اور دوسرا رسول اللہ ﷺ کی سنت مبارکہ کو زندہ کرنے کا، لہٰذا اس کا زیادہ سے زیادہ اہتمام ہونا چاہیے۔

۳. صدقات و خیرات اور نفع رسانی کی کثرت

رمضان مبارک میں نیکیوں کا اجر بڑھ جاتا ہے، لہٰذا ذکر و تلاوت دعا و تسبیح اور نماز کی کثرت و اہتمام کے ساتھ اپنی بساط بھر زیادہ سے زیادہ صدقہ و خیرات کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے مختلف احادیث میں اس کی ترغیب دی ہے، روزہ داروں کو روزہ افطار کرانے پر بڑے اجر و ثواب کے وعدے کیے گئے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے یہاں یوں ہی سخاوت داد و دہش اور لوگوں کی حاجت روائی کا اہتمام کچھ کم نہ تھا مگر رمضان میں آپ کی طبیعت پر کچھ عجیب کیف و نشاط کا عالم طاری رہتا، چنانچہ جہاں آپ کے اور اعمال میں اضافہ ہوتا، وہیں آپ کی جود و سخا اور لوگوں کو دینی و دنیاوی فائدہ پہنچانے کا جذبہ بھی بہت بڑھ جاتا تھا جس سے ہر کوئی فیض یاب ہوتا۔ ذیل کی حدیث میں مذکور الفاظ پڑھیے اور رسول اللہ ﷺ کی جود و سخا اور جذبہ نفع رسانی کا کچھ اندازہ لگائیے:

قَالَ ابن عباس: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ حِيْنَ يَلْقَاهُ جِبْرِيْلُ عَلَيهِ السَّلَامُ أَجْوَدَ بِالْخَيرِ مِن الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ[9]

”حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: جب جبریل رسول اللہ ﷺ سے ملتے تھے تو آپ ﷺ کی اس کریمانہ نفع رسانی اور خیر کی بخشش میں اللہ کی بھیجی ہوئی ہواؤں سے بھی زیادہ تیزی آجاتی اور زور پیدا ہوتا۔“

جس طرح بارش سے پہلے آنے والے ٹھنڈی ہواؤں کے مست جھونکے ہر کسی کے بدن کو چھوتے اور اس کے دل کے خوش کر دیتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی جود و سخا کے بابرکت جھونکے اس سے کہیں زیادہ لوگوں کو فیضیاب کرتے اور ان کے لیے باعث فرحت و شادمانی بنتے ہیں۔ لہٰذا امت کے افراد کو اپنی اپنی بساط کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کرنی چاہیے، اور صدقہ و خیرات اور خیر کی تعلیم کے ذریعے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

لیکن یہ ساری عبادات و طاعات نے آپ ﷺ اور ان کے اصحاب کو جہاد سے غافل نہ رکھا، حضور نبی اکرم ﷺ کی عبادات اور آپ کا سلوک طریقت خشک اور راہبانہ گوشہ نشینی سے جدا تھا، دلیل کے طور پر غزوہ بدر، غزوہ احد (غزوہ تو شوال میں ہوا لیکن تیاریاں رمضان میں ہو رہی تھی) اسی طرح غزوہ خندق کی بھی طرف نگاہ ڈالیں تو اس کا بھی معاملہ

[6] أخرجه ابن خزيمة،٢٢١٦،والبيهقي في شعب الإيمان،٣٣٥٢،فيه عمرو بن عمرو راو ضعيف،قال ابن العدي لا بأس به

[7] مسند احمد ۶۶۲۶،الطبرانی ۱۴۶۷۲

[8] سنن النسائی، رقم:۲۰۹۴

[9] سنن النسائی، رقم:۲۰۹۴

رمضان سے شروع ہوا نیز فتح مکہ اور پھر سفر تبوک کا ایک حصہ بھی رمضان میں واقع ہوا یہ سب معاملے اس بات پر شاہد ہیں کہ آنحضرت ﷺ امت کے غم اور اسلام کے سیاسی و اجتماعی امور سے بے پرواہ نہیں تھے، دشمنانِ اسلام ان کی عبادات کو دیکھ کر مطمئن نہیں ہو سکتے تھے کہ ان کی عبادات، ان کے روزے اور اعتکاف وغیرہ انہیں اٹھ کھڑے ہونے سے مانع ہوں گے اور دشمن اس کا فائدہ اٹھا سکے گا۔

مزید بعد میں بھی اہم غزوات اور اسلام کی اہم فتوحات ماہ رمضان میں ہوئیں، مثلاً جنگ قادسیہ، فتح اندلس، معرکہ حطین، فتح قسطنطنیہ، معرکہ عین جالوت وغیرہا، ان سب سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سلف صالحین نے ماہ رمضان کو صرف ماہ عبادات سے نہیں جانا تھا بلکہ جہاد یا اعدادِ جہاد کا مہینہ جانا تھا اور ان مقدس مشغلوں سے اس مہینے کو مزین کیا تھا۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا رمضان

اوپر نبی کریم ﷺ کے احوال رمضان کا مختصر خلاصہ پیش کیا گیا، قریب یہی انداز حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا تھا ماہ رمضان میں کہ وہ اپنے نبی و محبوب ﷺ کے بالکل پر تو جیسے تھے ان کی اتباع کے حریص تھے، چنانچہ مذکورہ بالا تین کاموں (عبادات قیام، تلاوت، سخاوت) کا ان حضرات کے یہاں بھی رمضان میں غیر رمضان کے مقابلے معمول و اہتمام بڑھ جاتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہؓ اور آپ کے ساتھی جب روزہ رکھتے تو مسجد میں بیٹھتے۔ یعنی زیادہ تر اوقات مسجد میں عبادت کی مصروفیت سے وابستہ ہوتے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پورا قرآن ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک ختم کرتے تھے، اور رمضان میں ہر تین دن میں ایک ختم کرتے، اور دن میں بہت ہی کم قرآن ختم کرنے پر مدد لیتے تھے۔[10]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ معمول تھا کہ وہ رمضان میں دن کے شروع حصے میں قرآن کی تلاوت کیا کرتی تھیں، جب سورج طلوع ہو تا تو سو جاتیں۔[11]

حسن بصریؒ کہتے ہیں:

> ”لوگ عمر بن خطابؓ اور عثمان بن عفانؓ کے زمانے میں رمضان میں عشاء کی نماز رات کے ابتدائی ایک چوتھائی حصے میں پڑھتے، دوسرے ایک تہائی میں قیام کرتے، پھر ایک چوتھائی میں سوتے، اور اس کے بعد پھر نماز پڑھتے۔“[12]

عبد الرحمٰن بن عراک بن مالک اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

> ”میں نے رمضان میں لوگوں کو پایا کہ وہ طویل قیام کی وجہ سے اپنے لیے رسیاں باندھتے تھے، تاکہ اس سے سہارا لیں۔“[13]

بیہقی وغیرہ نے سائب بن یزید سے روایت کیا ہے:

> ”عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں صحابہ رمضان کے مہینے میں بیس رکعت نماز پڑھتے تھے، اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں طویل قیام کی وجہ سے اپنے عصا پر ٹیک لگاتے تھے۔“[14]

ان متعدد آثار سے پتہ چلتا ہے کہ حضرات صحابہ رمضان میں تقریباً پوری رات عبادت میں صرف کرتے تھے، تراویح کے بعد نوافل میں مشغول ہو جاتے تھے، اپنے قیام میں طویل تلاوت کیا کرتے تھے۔ رات کا اکثر حصہ تلاوتِ قرآن، نماز، اور ذکر و اذکار و استغفار میں گزارتے تھے۔

اور سخاوت کا معاملہ بھی عروج پر ہوتا جیسا کہ عرض کیا گیا۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ کبھی آپ کے شاگرد سحری کھایا کرتے تھے۔[15]

ابو جمرہ نصر بن عمران ضبعی سے روایت ہے:

> ”ہم رمضان میں ابن عباسؓ کے ساتھ افطار کیا کرتے تھے اور کھانا بھی کھاتے تھے۔“[16]

تابعین و دیگر اسلاف امت کا حال

معلّٰی بن فضل سلف صالحین کے حوالے سے رمضان کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ سلف چھ مہینے تک اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کیا کرتے تھے کہ وہ رمضان کا مہینہ پالیں، اور اگلے چھ ماہ وہ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمالے۔[17]

چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب ماہ رمضان آتا تو درس حدیث اور دیگر مشاغل دینیہ ترک کر دیتے اور قرآن کریم کی تلاوت میں ہمہ تن گوش ہو جاتے، امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا حال یہ تھا کہ جب رمضان المبارک آتا تو وہ دوسری تمام نفلی عبادات کو موقوف کر دیتے اور پوری توجہ قرآنِ مجید کی تلاوت کی طرف مبذول کر دیتے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ، جو صحیح بخاری کے مؤلف ہیں، ان کا معمول یہ تھا کہ رمضان میں دن کے وقت روزانہ ایک ختم قرآن کرتے، اور تراویح کے بعد ہر تین راتوں میں ایک ختم مکمل کرتے تھے۔

---

[10] مختصر قیام اللیل، والسنن الکبری للبیہقی ۲/۳۹۶، المعجم الکبیر: ۸۷۰۶، ص۹/۱۴۲، حلیۃ الاولیاء: ۷/۱۶۶

[11] لطائف المعارف، ص۱۷۱

[12] مختصر قیام اللیل للمروزی، ص۹۷

[13] مصنف ابن ابی شیبۃ: ۷۷۶۰، ص۵/۲۲۲

[14] السنن الکبری للبیہقی، ۲/۴۹۶، مختصر قیام اللیل، ۹۶

[15] مصنف ابن ابی شیبۃ: ۹۰۲۴

[16] مصنف ابن ابی شیبۃ

[17] لطائف المعارف، ۱/۱۴۸

حضرت سعید بن جبیر ؒ ہر دو راتوں میں ایک مرتبہ قرآن ختم کر لیا کرتے تھے۔ زبید یامی ؒ کا طریقہ یہ تھا کہ رمضان آتے ہی مصحف منگواتے اور اپنے شاگردوں کو جمع کر کے قرآن کی مجلس قائم کر دیتے۔

ولید بن عبد الملک ہر تین دن میں ایک ختم کیا کرتے تھے، اور ایک رمضان میں انہوں نے سترہ مرتبہ قرآن ختم کیا۔

ابو عوانہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رمضان میں قتادہ ؒ کو قرآن کا درس دیتے ہوئے دیکھا۔ قتادہ ؒ عام دنوں میں ہر سات راتوں میں ایک ختم کیا کرتے تھے، لیکن جب رمضان آتا تو ہر تین دن میں ایک ختم کرتے، اور جب آخری عشرہ شروع ہو جاتا تو ہر رات ایک ختم مکمل کر لیتے۔

ربیع بن سلیمان، جو امام شافعی ؒ کے شاگرد تھے، بیان کرتے ہیں کہ امام شافعی رمضان المبارک میں ساٹھ ختم قرآن کیا کرتے تھے، یعنی ہر رات دو مرتبہ قرآن ختم کرتے، اور رمضان کے علاوہ ہر مہینے میں تیس ختم فرمایا کرتے تھے۔

ذرا سوچیے! اے اللہ کے بندو! ہمارا حال ان بزرگوں کے مقابلے میں کیا ہے؟

وکیع بن الجراح ؒ رمضان میں رات کو ایک ختم اور اس کا ایک تہائی حصہ مزید پڑھتے، چاشت کی بارہ رکعت نماز ادا کرتے اور ظہر سے عصر تک نوافل میں مشغول رہتے۔

قاسم بن علی اپنے والد ابنِ عساکر، مصنفِ تاریخ دمشق، کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ باجماعت نماز اور تلاوتِ قرآن کے نہایت پابند تھے۔ ہر ہفتے ایک ختم قرآن کرتے، اور رمضان میں روزانہ ایک ختم مکمل کرتے، اور جامع دمشق کے مشرقی مینارے میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے، اسلاف کے یہ معمولات علامہ ابن رجب حنبلی نے اپنی کتاب لطائف المعارف میں جمع کیے ہیں، آگے ابن رجب حنبلی ؒ ان حضرات کے معمولات بیان کرنے کے بعد ایک اہم نکتہ واضح کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کو تین دن سے کم میں ختم کرنے سے متعلق جو ممانعت آئی ہے، اس کا تعلق اس بات سے ہے کہ آدمی ہمیشہ اسی طریقے کو اختیار کر لے، کیونکہ اس طرح پڑھنے والا قرآن میں تدبر و فہم سے محروم رہ سکتا ہے۔ لیکن فضیلت والے اوقات، جیسے رمضان المبارک خصوصاً وہ راتیں جن میں لیلۃ القدر کی تلاش کی جاتی ہے، یا فضیلت والے مقامات جیسے مکہ مکرمہ جہاں باہر سے آنے والا حاضر ہو، وہاں زیادہ سے زیادہ تلاوت کرنا مستحب ہے تاکہ زمان و مکان کی برکت سے بھرپور فائدہ اٹھایا جا سکے۔ یہی مسلک امام احمد، امام اسحاق اور دیگر ائمہ کا ہے، اور سلف صالحین کا عمل بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔

یہ واقعات ہمیں اس بات پر توجہ دلاتے ہیں کہ رمضان صرف روزہ رکھنے کا نام نہیں بلکہ قرآن سے تعلق کو نئی زندگی دینے کا مہینہ ہے، اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں بندہ اپنی توجہ منتشر چیزوں سے ہٹا کر کلام الٰہی کے ساتھ خاص نسبت قائم کر سکتا ہے۔

رہا ان حضراتِ سلف کا حال رمضان میں خرچ کرنے، سخاوت اور فیاضی کا، تو اس کے بارے میں جتنا کہا جائے کم ہے۔ وہ اس معاملے میں ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کی سنت کی پیروی کرتے تھے، جن کی سخاوت رمضان میں اپنے عروج پر ہوتی تھی۔

چنانچہ لطائف میں امام ابنِ رجب ؒ نقل کرتے ہیں کہ امام شافعی ؒ فرمایا کرتے تھے: میں پسند کرتا ہوں کہ آدمی رمضان کے مہینے میں اپنی سخاوت اور فیاضی میں اضافہ کرے، اس لیے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی اقتدا ہے، اور اس لیے بھی کہ اس مہینے میں لوگوں کو اپنی ضروریات کے لیے زیادہ مدد کی حاجت ہوتی ہے، کیونکہ بہت سے لوگ روزے اور نماز میں مشغول ہو جانے کی وجہ سے اپنی کمائی کے کاموں میں پوری طرح وقت نہیں دے پاتے۔

یونس بن یزید بیان کرتے ہیں کہ امام ابنِ شہاب زہری ؒ جب رمضان کا مہینہ آتا تو فرمایا کرتے تھے یہ مہینہ تو بس قرآن کی تلاوت اور لوگوں کو کھانا کھلانے کا وقت ہے۔

گویا ان کی نظر میں رمضان کا خلاصہ ہی یہ دو کام تھے: کلام الٰہی سے تعلق اور بندگانِ خدا کی خدمت۔

حماد بن ابی سلیمان ؒ کا حال یہ تھا کہ وہ پورے رمضان میں پانچ سو افراد کو روزانہ افطار کرواتے تھے۔ یعنی پورے مہینے ان کے افطار کی ذمہ داری خود اٹھاتے۔ اور بات یہیں تک محدود نہ تھی، بلکہ عید کے بعد ان پانچ سو افراد میں سے ہر ایک کو سو درہم بھی عطا کرتے، تاکہ ان کی ضروریات پوری ہو سکیں اور خوشی کے دنوں میں انہیں کسی تنگی کا سامنا نہ ہو۔

اکابر دیوبند کا رمضان

سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ؒ خاص کر رمضان المبارک کی راتوں میں شب بیداری کا اہتمام فرماتے تھے، مغرب کے بعد دو حافظ اوابین میں سناتے، عشاء کے بعد تراویح میں نصف شب تک تین حافظ سناتے، اس کے بعد نوافل تہجد میں دو حافظ قرآن پاک سناتے تھے، اسی طرح پوری رات گزر جاتی تھی۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتوی ؒ نے رمضان المبارک سفر حجاز کے دوران روزانہ ایک ایک پارہ یاد کر کے حفظ قرآن مکمل فرمایا تھا، پھر بکثرت قرآن پاک کا ورد رکھتے تھے اور تراویح میں بڑی مقدار میں قرآن پاک پڑھا کرتے تھے،

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ کا رمضان المبارک میں مجاہدہ اس قدر بڑھ جاتا تھا کہ دیکھنے والوں کو رحم آ جاتا۔ ۷۰ سال کی عمر میں بھی عبادت کا یہ عالم تھا کہ دن بھر کے روزہ کے بعد اوابین کی بیس رکعتوں میں کم از کم دو پارے تلاوت فرماتے، تراویح بھی نہایت اہتمام اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا فرماتے، بچے ہوئے وقت میں زبانی تلاوت جاری رہتی، تہجد میں بھی دو ڈھائی گھنٹے صرف ہوتے، نماز فجر کے بعد اشراق تک

وظائف و درود میں مشغول رہتے، دن کے اکثر اوقات بھی تلاوت و اذکار اور مراقبہ میں گزرتے، اس میں بھی یومیہ کم از کم ۱۵ پارے قرآن کریم پڑھنے کا معمول تھا،

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے رمضان سے متعلق سفر نامہ "اسیر مالٹا" میں لکھا ہے:

"چونکہ رمضان کا مہینہ طائف میں نہایت بدامنی کی حالت میں واقع ہوا تھا۔ اس لیے نہ تو دن میں حسب خواہش لوگوں کو خوراک کا انتظام کرنا ممکن ہوتا تھا نہ مساجد میں تراویح وغیرہ کا انتظام حسب ضرورت ہو رہا تھا۔ مسجد ابن عباس وہاں کی بڑی مسجد ہے اس میں بھی تراویح الم ترکیف سے ہوتی تھی۔ اور اس میں بھی بہت کم آدمی آتے تھے باقی لوگ محلہ کی مسجدوں اور اپنے مکانوں میں پڑھتے تھے کیونکہ گولیاں ہر وقت اوپر سے گزرتی رہتی تھیں۔ مولانا نے بھی اولاً مسجد ابن عباس رضی اللہ عنہما میں حسب عادت سابقہ تراویح پڑھنی شروع کی۔ مگر چونکہ راستہ وہاں کا ایسا تھا جہاں پر گولیاں برابر آتی رہتی تھیں۔ اس لئے اس مسجد میں جاتے وقت خطرہ ضرور رہتا تھا اور پھر ایک شب میں یہ واقعہ پیش آیا کہ نماز مغرب پڑھ کر ابھی فارغ ہوئے ہی تھے، ابھی تک نفل وغیرہ پڑھ ہی رہے تھے، اندھیرا ہو چکا تھا کہ بدوؤں نے ہجوم کیا مسجد ابن عباس کی چھت اور میناروں پر بھی ایک بڑا دستہ ترکی فوجیوں کا تھا اور مسجد کے دروازے پر بھی مورچہ تھا غرض کہ طرفین میں خوب تیز گولیوں اور گولوں کی بارش دیر تک ہوتی رہی خود مسجد میں بھی برابر گولیاں برستی رہیں۔ جو لوگ مسجد میں باقی تھے وہ ایک کونے میں جدھر گولیوں کے آنے کا گمان نہ تھا بیٹھ گئے۔ اس روز تراویح بھی نہیں ہوئی فقط چند آدمیوں نے بوقت نماز عشاء فرض عشاء ایک طرف پڑھ کر جب کچھ سکون ہوا چلے گئے، اس کے بعد احباب نے اصرار کیا کہ آپ مسجد ابن عباس میں نماز کے لیے نہ جایا کریں، دروازہ مکان کے قریب جو مسجد ہے اس میں ہمیشہ نماز باجماعت پڑھا کریں۔ چنانچہ تمام رمضان اوقات خمسہ کی نماز وہاں پڑھتے تھے۔ اس سال تراویح فقط الم ترکیف سے پڑھی گئی اس کے بعد مولانا رحمۃ اللہ علیہ نوافل میں سحر کے وقت تک مسجد میں مشغول رہتے تھے۔ مولوی عزیر گل صاحب اور کاتب الحروف (حضرت شیخ الاسلام) اسی مسجد میں علیحدہ علیحدہ نفلوں وغیرہ میں وقت گزارتے۔ چونکہ گرمیوں کی رات تھی جلد تر سحور کا وقت ہو جاتا تھا۔ پھر آکر کچھ سحری پکاتے جو اکثر میٹھے چاول ہوتے تھے۔ مگر چونکہ شکر وہاں ملتی نہ تھی اس لیے شہد کو بجائے شکر چاول اور چائے میں استعمال کرتے تھے۔ اور اکثر تو نمکین چاول بغیر گوشت پکایا جاتا تھا۔ اس وقت طائف میں چاول وغیرہ بھی دستیاب ہونا مشکل ہوتا تھا۔ ایک آنہ والی روٹی آٹھ آنے کو بمشکل ملتی تھی۔ مگر دہلی کے تاجروں میں سے حاجی ہارون مرحوم نے تھوڑے چاول مولانا مرحوم کے لیے ہدیہ بلا طلب بھیج دیے تھے جو کہ عمدہ قسم کے تھے انہوں نے بہت کام دیا۔ اس مدت میں جو کہ تقریباً دو ماہ تھی ہم نے دس بارہ اشرفی طائف میں بوجہ سخت گرانی کھاڈالیں۔"

حضرت مولانا الحاج سید اصغر حسین میاں صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سوانح شیخ الہند میں تحریر فرماتے ہیں رمضان المبارک میں مولانا کی خاص حالت ہوتی تھی اور دن رات عبادت خداوندی کے سوا کوئی کام ہی نہ ہوتا۔ دن کو لیٹتے اور آرام فرماتے لیکن رات کا اکثر حصہ بلکہ تمام رات قرآن مجید سننے میں گزار دیتے (حضرت شیخ الہند قدس سرہ خود حافظ نہیں تھے)۔ کئی کئی حافظوں کو سنانے پر مقرر رکھتے۔ اگر وہ باہر کے رہنے والے خادم و شاگرد ہوتے تو ان کے قیام و طعام کا اہتمام فرماتے اور تمام مصارف برداشت فرماتے۔ کبھی مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دار العلوم سے اصرار کر کے کئی کئی قرآن مجید سنتے۔ کبھی اپنے بے تکلف پیر بھائی حافظ انوار الحق مرحوم سے کبھی اپنے چھوٹے بھائی مولوی محمد محسن صاحب کو مقرر فرماتے۔ اور کبھی اپنے عزیز بھانجے مولوی محمد حنیف صاحب کو اور اخیر زمانہ میں اکثر مولوی حافظ کفایت اللہ صاحب اس خدمت سے سرفراز ہوتے تھے۔ تراویح سے فارغ ہو کر بہت دیر تک حاضرین کو مضامین علمیہ اور حکایات اکابر سے محظوظ فرماتے اور پھر اگر موقع ملتا تو چند منٹ کے لئے لیٹ جاتے۔ اس کے بعد نوافل شروع ہوتے، ایک حافظ دو چار پارے سنا کر فارغ ہو کر آرام کرتا مگر حضرت اسی طرح مستعد رہتے، اور دوسرا حافظ شروع کر دیتا۔ اسی طرح متعدد حفاظ باری باری کئی کئی پارے سناتے۔ قاری بدلتے رہتے تھے مگر مولانا کبھی دو تین بجے تک اور کبھی بالکل سحر کے وقت تک اسی طرح کھڑے سنتے رہتے۔ بعض رمضان میں فرائض مسجد میں پڑھ کر مکان میں باجماعت خدام و حاضرین تراویح پڑھتے اور اسی طرح چار چار اور چھ چھ بلکہ کبھی دس دس پارے تراویح میں پڑھے جاتے۔ تراویح ختم ہو جاتی تو کوئی حافظ نوافل میں شروع کر دیتا تمام رات یہی لطف رہتا تھا۔ اور اس قدر طویل قیام کے بعد جب پاؤں ورم کر جاتے تو خدام و خلصین کو رنج ہوتا اور حضرت دل میں خوش ہوتے کہ حتی تورمت قدماہ میں سید الاولین والآخرین ﷺ کا اتباع نصیب ہوا۔

حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ رمضان المبارک شروع ہوتے ہی اپنی تمام مصروفیات (مجالس و مکاتیب وغیرہ) ختم کر کے پورے طور پر خلوت نشیں ہو کر مصروف عبادت و ریاضت ہو جاتے، رات دن کے ۲۴ گھنٹے میں صرف ایک گھنٹہ آرام فرماتے، تلاوت قرآن کریم سے نہایت شغف تھا، آپ حافظ قرآن بھی تھے، اس لئے شب کا قریب قریب سارا وقت تلاوت میں صرف ہوتا، جب خود تراویح میں قرآن کریم سناتے تو دو ڈھائی بجے فراغت ہوتی اور اخیر عمر جب خود سنانا موقوف ہو گیا تو تراویح میں پورے مہینہ میں تین چار ختم سن لیا کرتے تھے، عصر و مغرب کے درمیان کا وقت عام دربار اور سب کی ملاقات کے لیے مخصوص ہوتا، اس کے علاوہ بغیر کسی خاص ضرورت کے آپ کسی سے نہ

ملتے، اور حجرہ شریف کا دروازہ بند فرما کر خلوت کے مزے لوٹتے اور اپنے مولائے کریم سے راز و نیاز میں مشغول رہتے، اس لئے عشاق و زائرین نماز میں آتے جاتے آپ کی زیارت پر اکتفا کر کے طبعی سکون حاصل کرتے تھے، ماہ رمضان میں تو اس قدر مجاہدہ بڑھ جاتا تھا کہ دیکھنے والوں کو ترس آتا تھا، افطار و سحر دونوں کا کھانا بمشکل دو پیالی چائے اور آدھی یا ایک چپاتی ہوتا تھا۔

محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری ﷫ باوجود کثیر علمی مصروفیات اور تصنیفی مشغولیات کے رمضان المبارک کا نہایت اہتمام فرماتے، جب تک طاقت رہی کبھی تراویح میں قرآن پاک سنانا نہیں چھوڑا، عموماً تراویح میں قرآن پاک سوا پارہ پڑھنے کا معمول رہا، جو انتہائی ترتیل کے ساتھ پڑھا جاتا، رات میں تہجد کی نوافل میں انہماک بھی رہتی، دن کے اوقات اکثر تلاوت اور علمی انہماک میں گزارتے تھے اور جوں جوں عمر بڑھتی گئی اس اہتمام میں اضافہ ہوتا گیا۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ﷫ رمضان المبارک میں کیا لطف حاصل کیا کرتے تھے، رمضان میں اکثر خود قرآن شریف سناتے اور بلا مانع کبھی قرآن سنانا نہیں چھوڑتے، نصف قرآن تک سوا پارہ، پھر ایک پارہ روزانہ پڑھتے، ستائیسویں شب کو اکثر ختم کرتے، یادداشت اتنی اچھی کہ کہیں تشابہ نہیں لگتا، قرآن شریف سے طبعاً حضرت والا کو ایسی مناسبت تھی کہ گویا از اول تا آخر نظر کے سامنے ہے، کوئی آیت پوچھی جائے کہ کہاں آئی ہے تو بغیر کسی دیر جواب حاضر ہوتا، آپ کی تراویح کی جماعت اس قدر مجمع ہوتا کہ کوئی مغرب کے پھرتی سے کھانا کھا کر پہونچ گیا تو جگہ ملی ورنہ محروم ہوتا، اعتکاف میں بھی تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رہتا، آپ کی مشہور کتاب ''قصد السبیل'' اعتکاف ہی میں صرف آٹھ دن میں لکھی گئی، اکثر تہجد کی نماز میں ایک پارہ روزانہ پڑھنے کا معمول رہا، بعض دفعہ اس سے بھی زیادہ۔[18]

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی ﷫ کے یہاں رمضان المبارک کا مہینہ باغ و بہار کا زمانہ ہوتا تھا، آپ اپنے تمام دینی و سیاسی اسفار موقوف فرما کر ایک جگہ پورے ماہ قیام فرماتے اور تشنگان معرفت کو اپنے فیوض عالیہ سے پوری طرح سے مستفیض ہونے کا موقع فراہم کرتے تھے، ملک کی تقسیم سے قبل تک سلہٹ (بنگلہ دیش) میں قیام رمضان کا معمول رہا اور تقسیم کے بعد ناقدہ اور بانسکنڈی (آسام) میں قیام فرماتے رہے، دن میں زیادہ تر وقت تلاوت، اصلاح اور ارشاد میں گزارتے، عصر کے بعد قرآن کریم کا دور فرماتے، اس کے بعد افطار تک استغراق کی حالت میں رہتے، مغرب کے بعد ۲ رکعت نفل نہایت طویل ادا فرماتے، تراویح کی امامت عموماً خود ہی نہایت اطمینان کے ساتھ فرماتے اور ہر تراویح میں کافی دیر توقف فرما کر ذکر و اذکار میں مشغول رہتے، تراویح کے بعد مختصر واعظ ہوتا جس میں بہت بڑا مجمع شریک ہوتا، آپ کے یہاں تہجد کی باجماعت ادائیگی کا معمول تھا، ایک قرآن پاک آپ خود پڑھتے، دوسرا مولانا جلیل صاحب مرحوم پڑھا کرتے تھے، ہر سورۃ کے شروع میں جہراً بسم اللہ پڑھنے کا بھی معمول تھا۔ اخیر عمر تک آپ کے مجاہدات میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ٹانڈہ کے قیام کے زمانہ میں گرمی سخت تھی، پھر ضعف اور مرض کی وجہ سے خشکی کی بنا پر آپ کے لئے پڑھنا دشوار ہوتا تھا، لیکن اس حال میں بھی آپ نے پورا کلام پاک اسی شان کے ساتھ سنایا جو آپ کا امتیاز تھا۔ رمضان میں متوسلین کے جھرمٹ میں رہنے کے باوجود آپ کا انقطاع عن الخلق قابل رشک تھا اور وہ اور وہ کیفیت رہتی تھی جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا، آخری رمضان میں آپ بانسکنڈی (آسام) میں گزارا، یہاں تراویح میں آپ کے منجھلے صاحب زادے حضرت مولانا سید ارشد مدنی مدظلہ العالی (صدر جمعیۃ العلماء ہند) نے پہلی مرتبہ قرآن پاک سنانے کی سعادت حاصل کی۔

محدث کبیر حضرت علامہ مولانا محمد یوسف بنوری ﷫ خود فرماتے ہیں کہ ایک قاری صاحب جو میرے دوست تھے، میری ملاقات کے لیے تشریف لائے، رمضان شریف کے آخری ایام تھے، وہ بڑا نفیس قرآن پڑھتے تھے، میں نے کہا بجائے وقت گزارنے کے چلو نفل پڑھتے ہیں، چنانچہ ان قاری صاحب نے نفل کی نیت باندھ لی اور میں نے اقتدا کی، بس تو پھر کیا پوچھنا وہ تو پڑھتے چلے گئے اور میں لطف اٹھاتا چلا گیا، وہ ایکسپریس گاڑی کی تر سورتوں کے اسٹیشن طے کرتے چلے گئے اور سحری سے پہلے پورے قرآن کریم دو رکعتوں میں ختم کر ڈالا۔[19]

خادم القرآن حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندوی ﷫ کو بھی تلاوت قرآن سے بے حد شغف تھا، اسفار میں مسلسل تلاوت جاری رہتی اور دسیوں پارے تلاوت فرما لیتے، رمضان المبارک کے مہینے میں یہ اہتمام مزید بڑھ جاتا، آپ کے بعض سوانح نگاروں نے واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک اہل بدعت کے علاقہ میں تراویح سنانے تشریف لے گئے، تو ایک ہی رات تراویح میں ۲۱ پاروں کی تلاوت فرمادی۔[20]

یہ سلف صالحین اور اکابر امت کے کچھ نمونے تھے جو سکھا گئے کہ مبارک لمحات کی قدر کیسے کی جاتی ہے، جو بتلا گئے کہ مواقع خیر کو غنیمت کیسے جانا سکتا ہے جو دکھا گئے اگر واقعی کسی کو قدردانی کا جذبہ ہو تو مشکلات، پریشانیاں، رکاوٹیں سب ایک طرف رہ جاتی ہیں اور مراد پانے کا سچا حوصلہ مراد تک پہنچا کر رہتا ہے، غرض یہ کہ دل کی چاہت اور حقیقی ذوق انسان مشکلات بلکہ قریب ناممکنات تک کو پانے والا بنا دیتا ہے۔

الفت میں برابر ہے وفا ہو کہ جفا ہو
ہر چیز میں لذت ہے اگر دل میں مزہ ہو

اللہ تعالیٰ ماہ مبارک کو اپنی رضا کے مطابق کماحقہ زیادہ زیادہ سے وصول کرنے کی توفیق عطا کرے۔

---

[18] معمولات اشرفی

[19] بینات، بنوری نمبر ۲۰۷، مضمون قاری رفیق صاحب

[20] تذکرہ الصدیق ۱/۴۱۷

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ

جماعت قاعدۃ الجہاد—قیادتِ عامہ

تمام تعریفیں اس جلیل القدر اللہ تعالیٰ کے لیے، جس نے محکم کتاب میں ارشاد فرمایا:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ۝ (سورۃ الحج: ۴۰)

”اور اگر اللہ لوگوں کے ایک گروہ (کے شر) کو دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہتا تو خانقاہیں اور کلیسا اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے، سب مسمار کر دی جاتیں۔ اور اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کریں گے۔ بلاشبہ اللہ بڑی قوت والا، بڑے اقتدار والا ہے۔“

اور درود و سلام ہو اللہ کے رسول پر، آپ کی پاکیزہ آل پر، آپ کے نیک صحابہ پر، اور ان سب پر جو قیامت کے دن تک آپ کی سنت کی پیروی اور آپ کے راستے میں جدوجہد کرتے رہے۔ امابعد!

یہ ہے وہ صہیونی صلیبی معاصر جنگی مہم، جس کی قیادت اس دور کا فرعون، امریکہ کر رہا ہے۔ یہ جنگی مہم ایک بار پھر اپنے صلیبی منصوبے کی تکمیل کے لیے صف آرا ہو چکی ہے، جس کی بنیاد اس نے موجودہ صدی کے آغاز میں رکھی تھی اور جس کا اس نے کھلے الفاظ میں اعلان بھی کیا تھا۔ اسی منصوبے کو ناکام بنانے کے لیے گیارہ ستمبر کو مبارک جہادی حملے کیے گئے، تاکہ اس صہیونی صلیبی منصوبے کو اس کے مقاصد تک پہنچنے سے روکا جا سکے۔ جن میں اہلِ اسلام کا محاصرہ، مسلم ممالک پر قبضہ، ان کی دولت و وسائل کی لوٹ مار، ان کی تقسیم، امتِ مسلمہ کے معاشروں کو پارہ پارہ کرنا، اور پورے خطے میں تباہی و بربادی پھیلانا شامل تھا۔

ان صلیبی افواج کے بارے میں شرعی مؤقف بالکل واضح ہے جو پورے خطے پر قبضے کی نیت سے جمع ہوئی ہیں، نہ کہ کسی ایک حکومت سے جنگ کے لیے۔ ان کے خلاف جہاد اور قتال فرض ہے، اور انہیں نشانہ بنانا واجب ہے اس سے پہلے کہ ان کے قدم سرزمینِ اسلام پر پڑیں۔ ہمارے بہترین اخلاق والے اور مسکرانے والے مگر جنگ میں سخت رسول ﷺ، تبوک کے دن ان صلیبیوں کے آباء و اجداد کی طرف اس لیے نکلے کہ ان کی افواج کو مسلمانوں کی سرزمین تک پہنچنے سے پہلے ہی روک دیا جائے، تاکہ دین، عزت اور حرمتوں کی حفاظت ہو۔

آج جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں، وہ صلیبی یلغار کی واپسی کے آثار ہیں، جیسا کہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ ”وإنهم لأسرع الناس كرةً بعد فرةٍ“ یعنی وہ بار بار پلٹ کر حملہ آور ہوتے ہیں۔ آج صلیب ایک بار پھر فرار کے بعد لوٹ آئی ہے، نئے نعروں کے ساتھ امت سے جنگ کرنے کے لیے، اس کے بعد کہ گزشتہ دو دہائیوں میں وہ ”دہشت گردی کے خلاف جنگ“ کے نعرے کو خوب استعمال کر چکی ہے۔ کل افغانستان تھا، آج غزہ ہے، اور کل پھر افغانستان، ترکی، پاکستان، مصر، جزیرۂ عرب اور دیگر مسلم ممالک ہوں گے، جیسا کہ مجرم یہودی نیتن یاہو نے خود کہا۔

ہم صہیونی صلیبیوں کا کوئی راز فاش نہیں کر رہے، بلکہ یہ تو ان کی تاریخ، ان کا موجودہ عمل، اور ان کی اپنی زبانوں کے اعترافات ہیں۔

پس اے اہلِ اسلام!

اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ڐ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۝ (سورۃ الاعراف: ۱۲۸)

”اللہ سے مدد مانگو اور صبر سے کام لو۔ یقین رکھو کہ زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔ اور آخری انجام پرہیزگاروں ہی کے حق میں ہوتا ہے۔“

اے ہماری امتِ عزیز! یہ بات ٹرمپ نے بھی پوری بے باکی اور صراحت سے کہی، جو اس صلیبی مہم کا علم بردار اور قائد ہے، کہ وہ دوبارہ بگرام اڈے پر قبضہ کرے گا۔ مگر اسے کیا خبر کہ بگرام، امارتِ اسلامیہ اور اس کے حریت پسند ابطال تک اس کی رسائی ناممکن ہے۔ اس ظالم نے سوچا، اندازے لگائے، دھمکیاں دیں، پھر منہ موڑ کر تکبر کیا، اور آخرکار ان صلیبی لشکروں کو عالمِ اسلام کی طرف روانہ کر دیا تاکہ اسے گھیرے میں لے اور اس سے جنگ کرے۔

اگرچہ امریکہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ خطے کی اقوام و افراد کی مدد کے لیے آیا ہے، جیسے کل وہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر آیا تھا، مگر حقیقت جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ صلیب کی نظریں خراسان کی سرزمین پر جمی ہوئی ہیں، تاکہ امارتِ اسلامیہ کے زیرِ سایہ ابھرتے ہوئے اسلامی نظام کو کچلا جا سکے۔ اس حقیقت میں شک صرف جاہل یا ہٹ دھرم ہی کر سکتا ہے۔

یہ واقعات جو آج عالمِ اسلام میں رونما ہو رہے ہیں، ہم سب سے تعلق رکھتے ہیں، بلکہ اس خطے کے ہر مسلمان سے۔ ایسے میں کسی غیرت مند، مظلوم اور باوقار مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ خاموش تماشائی بنا رہے۔ ہم سب اور ہمارا وطن، زمین اور وسائل نشانے پر ہیں۔ وینزویلا میں جو کچھ ہوا، وہ کوئی پرانا واقعہ نہیں۔ فیصلہ سازوں میں موجود اہلِ خرد پر لازم ہے کہ وہ ملک و ملت کے دفاع میں حکمت اور دانائی سے کام لیں۔

آج صہیونی صلیبی اتحاد تکبر اور غرور کی انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ خطے کے تمام حکمران یہودی صہیونیت کے غلام بن جائیں۔ مگر یہ بات جان لیں کہ ظالم حکمران بھی اسی انجام سے دوچار ہوں گے جس سے ان سے پہلے دوسرے ہوئے۔ اگر ان میں عقل کی رمق باقی ہوتی تو وہ اہلِ اسلام اور اس کے نوجوانوں کو دین و ملت کے دفاع کا موقع دیتے، اور صہیونی صلیبیوں کو ہر جگہ نشانے پر رکھتے۔

ہم پوری امتِ مسلمہ کو بالعموم اور نوجوانانِ اسلام کو بالخصوص اللہ کے راستے میں جہاد و قتال کے لیے پکارتے ہیں، اور اس بات پر ابھارتے ہیں کہ ان صلیبی افواج اور ان کے مفادات کو ہر جگہ نشانہ بنایا جائے، اس سے پہلے کہ پچھتاوے اور ندامت کا وقت آ جائے۔ اگر آج یہ صہیونی صلیبی مہم طیارہ بردار جہازوں کے ساتھ آئی ہے، تو اہلِ ایمان اس جہاز کو غرق کر سکتے ہیں، کہ شہسوارانِ اسلام نے اس سے پہلے بھی ایمان و حکمت کی سرزمین یمن میں کول نامی بحری بیڑے کو تباہ کیا تھا، اور اس میں موجود امریکی بحری افواج کو قتل کیا تھا، اس کے علاوہ خطے میں موجود مسلمان و عرب ممالک میں ان کے طیارہ بردار جہازوں کے علاوہ ایسے اڈے بھی ہیں جو سمندر میں نہیں بلکہ خشکی پر ہیں۔

ہم یہ بات اللہ، امت اور تاریخ کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ گزشتہ دہائیوں میں مجاہدینِ امت نے، اللہ کے فضل سے، ایک مضبوط ڈھال کا کردار ادا کیا، جس کے پیچھے سب نے پناہ لی، یہاں تک کہ مشرق کے بڑے بڑے ممالک نے اس سے فائدہ اٹھایا تاکہ واحد سپر پاور کے ساتھ مقابلہ کر سکیں۔

مگر افسوس کہ اہلِ اسلام اس تاریخی کردار کی قدر نہ کر سکے، یہاں تک کہ آج حالات اس نہج پر پہنچ گئے کہ پرامن جماعتوں کو دہشت گرد قرار دیا گیا، اسلامی نسبت رکھنے والی حکومتوں کو گرا دیا گیا، امتِ مسلمہ کی دولت لوٹی گئی، اس کے عقائد اور فطرت سے کھیلا گیا، اور گمراہ نظریات پھیلائے گئے، حتیٰ کہ ایک نیا شیطانی دین گھڑ لیا گیا جسے "دینِ ابراہیم" کا نام دیا گیا۔

لیکن:

وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۖ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ○ (سورۃ الانفال: ۳۰)

"وہ اپنے منصوبے بنا رہے تھے اور اللہ اپنا منصوبہ بنا رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر منصوبہ بنانے والا ہے۔"

پس اے اہلِ اسلام! اللہ کی یقینی نصرت پر بھروسہ رکھو، اور دشمنوں کے خلاف اللہ کی طرف سے آنے والی تدبیر پر خوش ہو جاؤ۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان کی چالوں کو انہی کی ہلاکت کا سبب بنائے، اور گردشِ زمانہ کو انہی کے خلاف کر دے۔

آمین والحمد للہ رب العالمین

شعبان ۱۴۴۷ھ بمطابق جنوری ۲۰۲۶ء

☆☆☆☆☆

"غزہ میں یہودیوں نے مسلمانوں پر جو مظالم پہلے ڈھائے اور جو اب بھی جاری ہیں، اس کا بدلہ اور انتقام لینا مشرق سے مغرب تک پوری دنیا کے مجاہدین اپنے ذمے قرض سمجھتے ہیں۔ وہ ہرگز آرام سے نہیں بیٹھیں گے جب تک کہ وہ اس کو پورا کا پورا ادا نہ کر دیں۔ وہ ہر اس شخص سے قصاص لیں گے جو خود ان بھیانک جرائم میں شریک رہا یا ان میں معاونت کی۔ اور حقیقت تو وہ ہے جو نظر آئے، نہ کہ وہ جو (سچ کو توڑ مروڑ کر) بتائی جائے۔ تو (اے یہودیو اُس وقت کا) انتظار کرو، ہم بھی منتظر ہیں!"

شیخ ابو یحییٰ اللیبی رحمہ اللہ

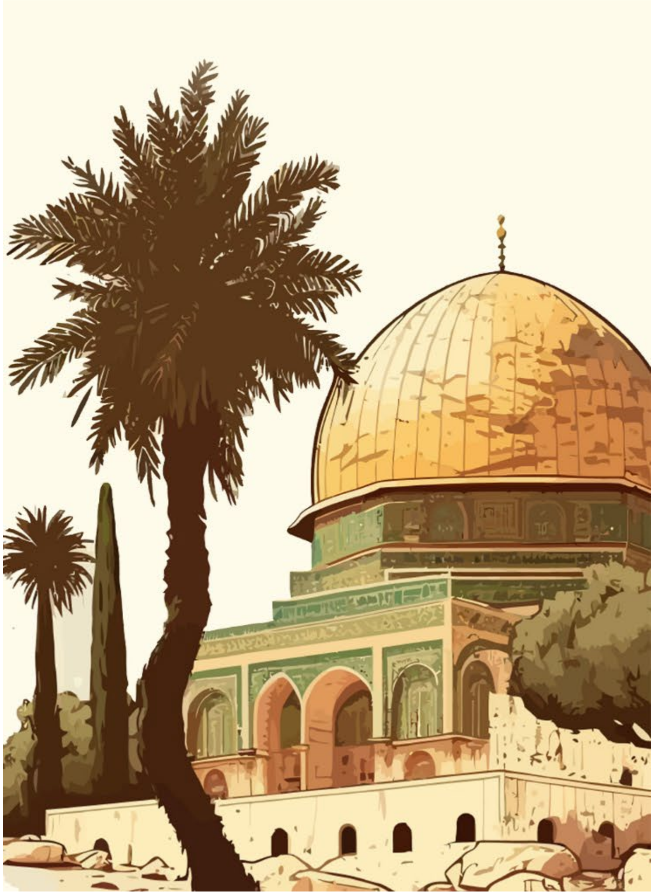

شریعت اسلامیہ کی روشنی میں

جنگی اسٹریٹیجی کے ۳۳ رہنما اصول

فضیلۃ الشیخ سیف العدل

بسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

دشمن کے خلاف اعلانِ جہاد

۲. کھلے افق کی اسٹریٹیجی

بے نتیجہ کاموں کو دہرانا دستیاب صلاحیتوں کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ موجودہ لمحے کو آپ کیسے استعمال میں لاتے ہیں، دشمنوں کے لیے یہ جاننا مشکل ہو کہ آپ کیا کرنے والے ہیں۔ ناقابلِ تبدیل دفاعی لکیریں یا کھلے قلعے تعمیر کیے بغیر اپنی عقل کے خلاف گوریلا جنگ چھیڑ دیں، ہر چیز کو گیس، اور مائع کی طرح متحرک حالت میں رکھیں، ایسا نہ ہو کہ جو چیز ایک دفعہ ہمارے لیے کارگر ثابت ہوئی ہو وہ ایسا خول بن جائے جو ہمیں دشمن کے ہاں ہونے والی تبدیلی اور ترقی کو دیکھنے سے مانع ہو۔

دنیا بدل گئی ہے اور علوم و فنون میں ترقی ہوئی ہے، جو ماضی میں کارگر تھا آج وہی رکاوٹ بن گیا ہے۔ اصولِ جنگ ایک علم ہے، جس سے استفادہ کرنا اور اسے بڑھانا ایک فن، مہارت، جدت اور تخلیقی صلاحیت ہے۔ سابقہ جنگ کی فتوحات کے سائے میں قید نہ ہو جائیں، کیونکہ آپ کے دشمن بھی جانتے ہیں کہ آپ کو کیسے برتری حاصل ہوئی تھی۔ کسی بھی تنازع میں ایسے نہ اتریں جیسے کہ وہ آخری اور فیصلہ کن جنگ ہو، ہمیشہ یہ بات ذہن میں رکھیں کہ ایک اور جنگ آئندہ آنے والی ہے، اس لیے اپنی صلاحیتوں اور وسائل کو ختم نہ کر ڈالیں۔ حکمت اور بردباری سے متصف رہیں، اپنے تجربات کو مت دہرائیں اور جان رکھیں کہ آج لڑائی (قتال) کا آخری دن نہیں ہے بلکہ ایسے مزید دن بھی آئیں گے۔

ایک ایسا جرنیل جو ترقی کے قابل نہیں، اپنے تخیلات میں فقیر اور اپنی جوانی کا اسیر ہے، وہ اپنی فوجی تاریخ اور روایات کو یاد رکھتا ہے اور ان سے آزاد ہونے سے قاصر ہے۔ اس لیے وہ اپنے سابقہ تجربات ہی کو دہراتا رہتا ہے اور وقت کو اپنے پیشہ ور ساتھیوں کے ساتھ ایسی بحث میں گزار دیتا ہے جس سے وہ تب ہی ہوش میں آتے ہیں جب دشمن ان کے ہیڈ کوارٹر میں پہنچ چکا ہوتا ہے۔ جب آپ کو کسی ایسے نوجوان جرنیل کا سامنا کرنا پڑے جو ٹیکنالوجی، تکنیک (Tactics) اور جنگی تدابیر کی ترقی کے دوش پر سوار ہو اور ایسے کھلے افق کی طرف دیکھ رہا ہو جس کی طرف بڑھتی ہوئی نگاہ کو روکنے کے لیے کوئی آڑ نہ ہو، تو آپ کو فوری خطرہ لاحق ہے۔ اگر آپ اس کی نظر کی وسعت اور افق کی گہرائی کو نہ بھانپ سکے تو یہ کوتاہی ایک ایسے تاریخی المیے کی صورت میں سامنے آئے گی جسے آپ پہلے بھی بھگت چکے ہوں گے، کیونکہ یہاں سے عسکری تاریخ کا ایک نیا باب رقم ہونے چلا ہے۔

جنگِ یرموک میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے میدان جنگ میں اپنے لشکر کی تشکیلِ نو کی اور پہلی مرتبہ، دشمن کی صف بندی سے ملتی جلتی صف بندی کی، لیکن انہوں نے اپنے سادہ انتظام اور ہلکے اسلحے کو برقرار رکھا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی اسٹریٹیجی دفاع پر کھڑی کی تاکہ رومیوں کی طاقت رِس رِس کر ختم ہو جائے۔

معرکۂ یرموک میں بہت سی ٹیکٹیکل تدبیریں اختیار کی گئیں تھیں، مثلاً سامنے سے حملہ (Frontal Attack)، صفوں کو چیرنا (Penetration)، جوابی حملہ (Counter Attack)، جانبی حملہ (Side Attack)، میمنہ و میسرہ (لشکر کے دائیں اور بائیں بازو) کی چال (Wings' Maneuver)، عقب سے حملہ (Attack from Rear)، دشمن کے بھاگنے کا راستہ چھوڑنا (Opening Loopholes)، جو کہ کمانڈر کی ذہانت پر دلالت کرتا ہے، تاکہ دشمن کے گھڑ سوار بھاگ نکلیں، زمینی جغرافیے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور محاصرہ سخت کر کے گھیراؤ کرنا (Encirclement)، راستوں کو بند کرنا (Closing Loopholes)، اور 'وادی الرقاد' کے سندان (Anvil) پر مسلمانوں کے ہتھوڑوں کے وار کے نیچے دشمن کی فوج کو تباہ کرنا، جہاں ان کی لاشیں گرتی رہیں۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اسٹریٹجک ذہن رکھنے والے سپاہی تھے۔ نابغہ، ذہین ترین اور محبوب کمانڈر تھے جو اپنی اسٹریٹیجی، تکنیک (Tactics) اور جنگی تدابیر کو دہرایا نہیں کرتے تھے۔ اپنی سبک رفتاری اور سادہ (ہلکی) انتظامیہ میں ممتاز تھے اور ہر معرکے میں میدانِ جنگ کی ضروریات، اپنی صلاحیتوں اور وسائل کے مطابق تعامل کیا کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ یہ کہنے میں حق بجانب تھے کہ:

عقمت النساء أن يلدن مثل خالد

''عورتیں خالد جیسا مرد پیدا کرنے سے بانجھ ہو گئیں۔''

جائزہ اجلاس کی افادیت:

قائدین کی تربیت ایسے نگرانوں کے ماتحت ہونی چاہیے جو ان کی کارکردگی کو جانچتے رہیں۔ اسی طرح انہیں خود احتسابی، واقعات کی پیش رفت کے بارے میں رپورٹ لکھنے اور انجام شدہ کام کا عملی طور پر جائزہ لینے کی عادت ڈالنی چاہیے، چاہے عملاً وہ اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ہوں یا ناکام۔ اور اس تمام عمل کا قدم بقدم جامع جائزہ لینے کے لیے اجلاس (میٹنگ) ناگزیر ہے جسے نگرانوں کے مجموعے کی نظر اور رائے کے ساتھ ملا کر دیکھنا ہو گا، یعنی وہ کیا اصول تھے کہ جن کی بنیاد پر منصوبہ بندی کی گئی اور کن اصولوں کے اضافے یا کمی سے بہتر نتائج حاصل کیے جا سکتے تھے؟ جنگی اصول، فتح کے حصول میں قیادت کی ذمہ داری کو آسان بنانے کے لیے وضع کیے جاتے ہیں، بشرطیکہ وہ لڑی جانے والی جنگ کے

زمانے سے مطابقت رکھیں۔ اگر اصول زمانے کے موافق نہ ہوں تو ہم مناسب اقدام نہ اٹھا پائیں گے اور ممکن ہے کہ اس وجہ سے جنگ کی لاگت میں بھی اضافہ ہو جائے اور ہو سکتا ہے کہ ہماری کسی لاپرواہی کے سبب نقصان بھی اٹھانا پڑے۔ لہٰذا، ہمیں ہر تجربے کے بعد اپنے کام کا جائزہ لینے کے لیے بیٹھنا چاہیے تاکہ ہم آئندہ کے لیے لائحہ عمل طے کر سکیں۔

عام طور پر فتح کا تجربہ ہمیں زیادہ نہیں سکھاتا، کیونکہ کامیابی کا جوش و خروش نا صرف ہمارے اپنے غیر جانب دار تنقیدی جائزے کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے بلکہ اس سے بھی بدتر بات یہ ہے کہ وہ ہماری غلطیوں پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس لیے چاہے فتح حاصل ہو یا معاملہ اس کے برعکس ہو، ہمارے لیے پوری سچائی پر مبنی جائزہ اجلاس ناگزیر ہے۔

ناکام تجربات انسان کو صحیح راستے کی طرف پلٹ آنے کے موقع فراہم کرتے ہیں بشرطیکہ تنقیدی عمل کو بخوبی سرانجام دیا گیا ہو۔ لیکن اگر آگے بڑھتے ہوئے راہِ فرار اختیار کی جائے یا شکست کی ذمہ داری دوسروں پر یا وسائل پر ڈالی جائے، تو ایسی قیادت کولہو کے بیل کی مانند ہے جو بند دائرے میں چکر لگاتا رہتا ہے۔

تجربات، جنگی اصولوں اور اپنی عسکری تاریخ سے ہی چمٹے رہنا انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کو ختم کر ڈالتا ہے اور بدقسمتی سے ہم اسی کا شکار ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سب کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے، کیونکہ یہ علم ہی مستقبل کی بنیاد ہے۔ لیکن اس علم اور اپنی آخری لڑی جانے والی جنگ کے تجربے سے ہی چمٹے رہنا خطرناک ہے کیونکہ یہ باتیں ہمارے ذہنوں میں پیوست ہو جاتی ہیں اور ہمیں اپنے اندر قید کر لیتی ہیں، پھر انہیں ترک کرنا مشکل ہو جاتا ہے، بالخصوص اگر انہی کے ذریعے فتح حاصل ہوئی ہو۔ اس صورت میں ہم استعمال شدہ اسٹریٹیجی اور حکمت عملیوں کو دہرانے کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ ہمیں فتح کے نتائج کے بارے میں ہوشیار رہنا چاہیے کیونکہ فتح، ہمیں خود سے مطمئن کر دیتی ہے اور ہمیں پہل کرنے کی روح سے محروم کر دیتی ہے، نیز ہم پھر اپنے آپ کی ہی تقلید کرتے رہتے ہیں جبکہ شکست، اس کے بالکل برعکس اثرات ڈالتی ہے۔ دراصل ہمیں شکست کے اثرات سے بھی آگے سوچنے کی ضرورت ہے اور شکست کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ہچکچاہٹ اور کم ہمتی سے بھی ہمیں خود کو نکالنا ہو گا۔ (اگر ہم زیادہ جانتے ہوتے، اگر ہم نے زیادہ سوچا ہوتا، اگر ہم نے ایسا کیا ہوتا)۔ ہمیں پچھتاوے اور اپنے آپ کو شکست کی سزا دینے کے جذبات سے بھی چھٹکارا حاصل کرنا ہو گا۔

ہمیں چاہیے کہ ہم واقعے کا اچھی طرح تنقیدی جائزہ لیں اور یہ سمجھ لیں کہ فتح حاصل کرنے کے لیے ہمارے پاس علم و معلومات کی کمی نہیں تھی بلکہ فن، ذاتی مہارت اور اندھی تقلید کی زنجیروں سے خود کو آزاد نہ کرواسکنا ہمارے راستے کی رکاوٹ بنا۔ اندھی تقلید کی زنجیروں سے ایسی جرات کے ساتھ آزاد ہونا چاہیے جس میں عجلت بازی اور بے احتیاطی پر مبنی دلیری نہ ہو بلکہ جگہ اور وقت کے ساتھ ہم آہنگی ہو۔ زیادہ واضح الفاظ میں، ایک کامیاب جرنیل وہ ہے جو اپنے علم سے فائدہ اٹھاتا ہے لیکن جگہ اور وقت کے تقاضوں کے مطابق اسے لچک دار طریقے سے لاگو کرتا ہے۔

گوریلا جنگ میں کوئی معرکہ آخری نہیں ہوتا جس سے جنگ ختم ہو جائے، اس لیے زمینی قبضے پر اصرار اور مسلسل جنگ کے ذریعے خود کو تھکا دینا ایک عسکری گناہ ہے۔ ہم اس زمین سے چمٹ جاتے ہیں، جسے دشمن ہماری مسلسل اور معیاری کارروائیوں کے نتیجے میں چھوڑ دیتا ہے، لیکن دشمن چاہے کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو، اس کے ساتھ کھلی جنگ چھیڑنے کا خطرہ مول لینا درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ غیر متوقع واقعات ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں اور طاقت کا پلڑا کسی وقت بھی پلٹ سکتا ہے، جس سے ایک تباہ کن لمحے میں سابقہ کامیابیوں پر پانی پھر جاتا ہے۔ سوچیے کہ اگر دشمن مضبوط اور متحد ہو اور تنازع اپنے عروج پر ہو تو اس وقت کیا حال ہو گا؟

اپریل ۱۹۸۶ء میں، افغان مجاہدین اور سوویت یونین کی بری، فضائی اور کمانڈو افواج کے درمیان خوست میں ''جاور [(پشتو میں زاوَر (ځاور)]'' کا معرکہ برپا ہوا۔ اس سے پچھلے سال یعنی ۱۹۸۵ء میں، کابل حکومت کے ایک جرنیل اور افغان مجاہدین کے ایک عظیم قائد کے درمیان ایک نفسیاتی جنگ کے بعد، عسکری جنگ ہوئی تھی۔ اُس وقت جنرل ''شاہنواز تنئی'' نے اعلان کیا تھا کہ وہ ''جاور'' جا کر چائے پیے گا، اس پر مولوی جلال الدین حقانی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ کمیونسٹ دو جگہوں میں داخل نہیں ہو سکیں گے ایک ''جاور'' اور دوسری ''جنت''۔ جنرل شاہنواز تنئی، ۱۹۸۵ء میں ''جاور'' پہنچنے میں ناکام رہا اور شدید زخمی ہوا لیکن بچ نکلا۔

اس طرح ''جاور'' کا معرکہ ایک علامت بن گیا۔ ایک سال بعد اپریل ۱۹۸۶ء میں وہاں بے رحم اور خون ریز جنگ شروع ہوئی۔ انجنیئر مصطفیٰ حامد نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے[1]:

> ''سرخ فوج، افغانستان میں جہاں چاہتی پہنچ سکتی تھی۔ اس نے معرکۂ جاور میں اور پھر زدران قبائل کے علاقے سے گزرتے ہوئے، خوست تک کا راستہ کھولنے کی جنگ میں بھی یہی ثابت کرنا چاہا تھا اور اس معاملے میں امریکہ نے بھی پاکستان کے ذریعے روسیوں کی مدد کی تھی تاکہ وہ اپنے فوجی وقار کو بچا سکیں، جس پر وہ جان سے زیادہ حریص تھے۔ ایسی صورت حال میں دانش مندی یہ نہیں ہے کہ آپ زمین کے آخری انچ کے دفاع کا یا خون کے آخری قطرے تک لڑنے کا نعرہ بلند کریں، بلکہ ایسا نعرہ اختیار کرنا چاہیے جو دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان

[1] کتاب "معارك البوابة الصخرية" (پتھریلے دروازے کے معرکے) از انجنیئر مصطفیٰ حامد، یکے از سلسلہ "ثرثرة فوق سقف العالم" (دنیا کی چھت پر گپ شپ)۔

پہنچانے پر منتج ہو، تاکہ دشمن کی فتح ایک جھوٹی اور ظاہری فتح بن جائے۔"

مجاہدین کے لیے، ہولناک نتائج کے باوجود، ان کارروائیوں نے مفید اور مثبت اثرات پیدا کیے، جن میں سوویت افواج کو یہ باور کرانا بھی شامل تھا کہ مجاہدین انہیں بھاری نقصان پہنچائے بغیر پسپا نہیں ہوں گے، اسی لیے انہوں نے ایسی کارروائیاں دوبارہ نہیں کیں۔ ان مفید اثرات میں یہ بھی تھا کہ مجاہدین کو ایک جگہ ٹھہر کر دفاع کرنے کے بجائے، چلتے پھرتے کمین (گھات) لگانے کی اہمیت کا ادراک ہو گیا۔ جس کی افادیت ایک سال بعد "جاجی" [پشتو میں زازی (ځاځي)] میں کمانڈوز کی کمین میں ثابت ہو گئی۔

دشمن کی صلاحیتیں اور طاقت، مجاہدین کی کارکردگی کو بڑھاتی ہیں اور ان کے ردِ عمل کو بہتر بناتی ہیں۔ مجاہدین کا سوویت یونین کے ساتھ تنازع، انہیں قبائلی جنگ کے ماحول سے نکال کر گوریلا جنگ کے ماحول میں لے گیا۔ جبکہ امریکیوں کے ساتھ امارتِ اسلامیہ کے مجاہدین کے تنازع نے ان کی عملی کارکردگی کو بڑھایا اور انہیں امتیاتی (خفیہ یا انٹیلی جنس) جنگ کی طرف لے گیا۔ اس آزاد، روشن اور بیدار ذہن کے ذریعے، جسے مغربی انحطاط نے آلودہ نہیں کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے افغان بندوں کو توفیق دی، جس سے وہ نصف صدی سے بھی کم عرصے میں تاریخ کی دو طاقتور ترین طاقتوں کو شکست دینے میں کامیاب ہوئے۔

زندگی کی طرح جنگ میں بھی یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے جذبات قابو میں رکھیں اور انہیں یہ اجازت نہ دیں کہ وہ ہمیں اپنی طرف کھینچ کر پھسلا دیں۔ حکمت اور بردباری ہمارے ذہنوں کو اشتعال انگیزی اور نفسیاتی جنگ کا سامنا کرنے، نیز رونما ہونے والی تبدیلیوں کے ساتھ چلنے اور تنازع کے دوران غیر متوقع حالات کے مطابق خود کو ڈھالنے کے قابل بھی بناتی ہیں۔ درج ذیل اقتباسات میں بعض ایسے افکار ہیں جو ہمیں حالات کے مطابق خود کو ڈھالنے میں مدد دیں گے اور عسکری مہارت سے لیس کریں گے:

- اپنی جبلت کو آزاد کرنے اور متغیرات کے ساتھ مثبت تعامل کے قابل بننے کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنے تمام عسکری علوم و فنون پر نظر ثانی کریں اور انہیں زمانے اور ٹیکنالوجی کے مطابق ترقی دیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ اور نظریات کے مطالعے سے بصیرت کا افق وسیع ہو جاتا ہے لیکن جمود اور سخت رویے سے ہوشیار رہیں۔ خبردار رہیں کہ کہیں آپ وہیں نہ رک جائیں اور آپ کی عقل اس سے آگے بڑھنے سے عاجز ہو جائے۔ تقلید ایک معتبر مذہب ہے لیکن یہ مجتہدین اور تاریخ کی گہرائیوں میں غوطہ زن اصحاب رائے کے لیے نہیں ہے۔
- تعلیم ذہنوں میں ایسے نظریات متعارف کراتی ہے جن کو بدلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جنگ کے دوران وہ شخص تکلیف سے دوچار ہوتا ہے جو جنگ کے بدلتے ہوئے احوال کو بھانپ نہیں سکتا اور اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ ماضی سے کوئی راستہ تلاش کرے، جب وہ ایک بالکل مختلف ماحول میں کامیاب ہوا تھا، چاہے یہ معاملہ جنگ کی نوعیت کا ہو یا ٹیکنالوجی کا یا تکنیک (Tactics) اور جنگی تدبیروں کا۔ آپ کی موجودہ صورت حال مختلف ہے اور اس چیز کی متقاضی ہے کہ آپ اپنی عقل کو آزاد کریں تاکہ وہ کوئی نئی سوچ اور تدبیر سامنے لا سکے اور کوئی ایسا حل نکال سکے جو حال کے تجربے کے موافق ہو۔ اس سے آپ میں تخلیقی صلاحیت کی روح نشو و نما پاتی ہے اور آپ کی عقل ماضی کے تجربوں اور چالوں کی حد سے آگے نکل کر ترقی کرتی ہے۔
- ویت نام کی جنگ میں شمالی ویت نام کے جنرل 'گیاپ' (Võ Nguyên Giáp) کا ایک عام اصول تھا کہ ہر کامیاب حملے کے بعد وہ اپنے آپ کو باور کراتا تھا کہ درحقیقت وہ ناکام ہوا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی کامیابیاں اسے کبھی توڑ نہ سکیں اور اس نے کبھی بھی اگلے معرکے میں سابقہ اسٹریٹجی نہیں دہرائی، بلکہ ہر صورت حال کے بارے میں الگ سے سوچتا تھا۔
- اپنے ذہن کو ہمیشہ حاضر اور موجودہ صورت حال سے جوڑے رکھیں۔ ایسے معرکوں میں اپنا وقت ضائع مت کریں جو آپ جیت نہیں پائیں گے یا جو آپ کو تھکا کر ختم کر دیں گے بلکہ جن کے ذریعے آپ ممکنہ طور پر اپنے دشمن کا ہی پلڑا بھاری کر ڈالیں۔ اتنے دور جائیں جہاں دشمن آپ سے توقع نہیں رکھتا، اس کے لیے وہ میدان چھوڑ دیں جسے اس نے تیار کیا ہے اور اس پر اس جگہ سے حملہ کریں جو آپ نے اس کے لیے تیار کر رکھی ہے۔ اگر آپ نے اپنے ذہن کو دشمن کی چالوں سے نبرد آزما ہونے میں محصور کر دیا اور جذباتی پکار کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور اپنے بعض اتحادیوں کی بات مان لی، تو اس طرح آپ اپنے مخالفین کے ہاتھوں میں ایک آلہ بن گئے، جسے جہاں وہ چاہیں گے کام میں لائیں گے! تو یہ کہاں کی عقل مندی ہے؟
- سینئر قائدین اور جرنیلوں کے ساتھ بات چیت اور مشاورت کی پوری کوشش کریں اور ساتھ ساتھ نوجوانوں کے ساتھ مشورے اور مکالمے کو بھی یقینی بنائیں۔ ان کے سامنے صورت حال ویسی ہی پیش کریں جیسے کہ وہ ہے۔ انہیں وہ تجویز نہ کریں جو آپ کرنا چاہتے ہیں بلکہ انہیں آزاد چھوڑ دیں تاکہ وہ معلومات اور جنگ کے نقشے کے ساتھ خود تعامل کریں۔ ان کی بات چیت غور سے سنیں اور ان کی باتوں کی مناسب تعریف کریں، پھر ان کی باتوں پر غور و فکر بھی کریں۔ اس طرح آپ بزرگوں کی حکمت اور جوانوں کی ہمت کے درمیان اپنی نئی اسٹریٹجی پائیں گے۔ اس کی مثال ایسے بوڑھے جسم کی سی ہو گی جس میں ایک جوان روح آباد ہو جائے، اس طرح آپ ہمیشہ تجدد کرتے رہیں گے۔
- جب مسلمانوں نے مشرق و مغرب کی طرف پیش قدمی کی، اسی طرح جب سکندرِ اعظم نے اور منگولوں نے حملے کیے اور نپولین بھی انہی کے نقش قدم پر چلا، تو قدیم سلطنتیں ان کے سامنے ٹھہر نہ سکیں۔ ان کی جوان روح نے ان کو ہر نئی چیز کی طرف کھینچا تاکہ وہ اس کے ذریعے ہر پرانی چیز کو گرا دیں۔ البتہ مسلمانوں کو اس میں دوسروں سے ممتاز کیا گیا کیونکہ وہ آسمانی تہذیب کی لہر کے ذریعے آگے بڑھ رہے تھے جس کا مقابلہ یا انکار ممکن نہ تھا۔

- جنگی نقطۂ نظر سے عبقری، ذہین اور نابغہ لوگ وہ ہوتے ہیں جو ایسی طاقت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو زیادہ نرم اور زیادہ لچک دار ہو تاکہ جنگ میں داؤ پیچ اور چال میں انہیں زیادہ قدرت اور وسیع میدان حاصل ہو سکے۔ اس میں ترقی کی آخری حد گوریلا جنگ کی شکل میں ابھرتی ہے جہاں انتشار اور ناگہانی صورتِ حال بھی ایک اسٹریٹجی بن جاتی ہے۔ وہ اپنے دشمن سے ایک یا دو قدم آگے ہوتے ہیں، ایک تکنیک (Tactic) اور جنگی تدبیر کو دہراتے نہیں ہیں اور نئے درپیش حالات کے ساتھ نبرد آزما ہوتے ہیں۔
- دو مرتبہ سوچیے! پہلی مرتبہ: اپنے سیکھے گئے علم، جنگی اصول کے مفہوم، سینئر قائدین اور عظیم جرنیلوں کی باتوں کو سوچیے اور دشمن آپ کے اقدامات کے بارے میں کیا توقع رکھتا ہے، یہ سب سوچیے۔ پھر دوسری مرتبہ: ٹھوکروں سے بچتے ہوئے اور لاپرواہی کیے بغیر، روایات سے باغی ذہن کے ساتھ بالکل مختلف انداز سے سوچیے۔ اس زاویے سے سوچیے جس کی دشمن کم سے کم توقع رکھتا ہے۔ پھر اپنی دفاعی اسٹریٹجی کو، جس میں ساتھ ساتھ حملہ آور کارروائیاں بھی شامل ہوں، پہلی سوچ کے مطابق تشکیل دیجیے۔ جبکہ اپنی اقدامی اسٹریٹجی کو جو کہ متحرک دفاع پر مبنی ہو، جس سے دشمن کے لیے آپ کو ڈھونڈنا مشکل ہو جاتا ہے، دوسری سوچ کے مطابق تشکیل دیجیے۔
- زندگی، حرکت کا نام ہے اور اس روح کی کوئی زندگی نہیں جو فوجی روایات کی قید میں ہو، اور نہ ہی ایسا ذہن زندہ ہوتا ہے جس پر فوجی اصولوں نے قدغن لگا رکھی ہو۔ عظیم قائد وہ ہوتے ہیں جو فوجی اصولوں کا علم حاصل کرتے ہیں اور پھر اپنی فراست اور ذہانت کے مطابق ان اصولوں کی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے سامنے افق ہمیشہ کھلا رہے گا اور یہی وہ لوگ ہیں جو ایسے جنگی اصولوں کی بنیاد رکھتے ہیں جو کسی افق میں محدود نہیں رہتے۔
- دشمن غیر متوقع طور پر اچانک آپ کو حیرت زدہ نہ کر دے۔ جغرافیے کا مطالعہ کریں، دشمن کا جائزہ لیں، اپنے آپ کو جانیں، اپنی صلاحیتوں کو پرکھیں، تاریخی تجربات کو سمیٹ لیں، انہیں دھیرے دھیرے سمجھیں اور ہضم ہونے کے لیے وقت دیں۔ تبدیلی و تغیر کے معاصر ماہرین سے مشورہ کریں۔ آنے والی جنگ کا فلسفہ وضع کریں، جاسوسی اور ترصد (ریکی / reconnaissance) کے عناصر کو کام میں لائیں، میدانِ جنگ کو متعین کریں، قدرتی عوامل کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کریں، خود کو ہتھیاروں سے لیس کریں، دشمن کے ارادوں کا جائزہ لیں اور اسے مناسب گلی میں بند کر دیں۔

۳. استحکام، اِستِواء اور توازن کی اسٹریٹجی (Equilibrium and Balance Strategy)

جب معرکہ گرم ہو جاتا ہے اور تناؤ میں اضافہ ہوتا ہے تو کچھ قائدین واقعات کے ہجوم میں اپنا توازن کھو بیٹھتے ہیں۔ غیر متوقع ناکامیاں، ہمراہیوں کی ہچکچاہٹ، اتحادیوں کے شکوک و شبہات اور تنقیدیں، ذرائع ابلاغ اور میڈیا کے حملے، افواہیں پھیلانے والوں اور حوصلہ شکنی کرنے والوں کے ڈنک، صفوں کا متزلزل ہونا، سپاہیوں کے شکوک، صحیح سمت کا فقدان، جذباتی ردِ عمل کی طرف مائل ہو جانا (خوف، بدحواسی یا مایوسی وغیرہ کی وجہ سے)۔ اس لمحے کا مقابلہ کریں اور اسے گزر جانے دیں اور اس پر فتح حاصل کریں۔ جذبات کے بوجھ کے خلاف مزاحمت کریں اور دوسروں کو بھی حواس باختہ نہ ہونے دیں۔ اپنے ذہنی استحکام و اِستِواء اور نفسیاتی توازن کو برقرار رکھیں تاکہ آپ مشکل حالات کی لہروں میں بہہ نہ جائیں، کیونکہ مخالف لہروں کی شدت کے باوجود، شان و شوکت کی کشتی آگے بڑھتی رہتی ہے۔

> ”والله لأقاتلن من فرق بين الصلاة والزكاة ... والله لو منعوني عقال بعير كانوا يؤدونه إلى رسول الله لقاتلتهم عليه“... ”قد انقطع الوحي وتم الدين .. أينقص وأنا حي؟“... ”والله لأقاتلنهم ما استمسك السيف في يدي .. ولو لم يبق في القرى غيري.“
>
> ”اللہ کی قسم! میں ہر اس شخص سے قتال کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرے گا۔ خدا کی قسم! اگر انہوں نے زکوٰۃ میں اونٹ کی رسی بھی دینے سے انکار کیا جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیتے تھے تو میں اس پر بھی ان سے قتال کروں گا“...... ”وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے اور دین مکمل ہو چکا ہے...... کیا دین میں کمی آئے اور میں زندہ رہوں؟“...... ”واللہ! میں ان سے قتال کروں گا جب تک میرے ہاتھ میں تلوار پکڑنے کی طاقت ہے، چاہے شہروں اور بستیوں میں میرے سوا کوئی باقی نہ رہے۔“

یہ وہ لازوال الفاظ ہیں جنہیں کہتے وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نہ تو ہچکچائے اور نہ ہی ہکلائے، اور نہ ہی آپ رضی اللہ عنہ اپنے فیصلے میں کسی شک یا ایک لمحے کے تردد کا شکار ہوئے۔ یہ آپ رضی اللہ عنہ کی خصوصیت تھی کہ جب آپ کے سامنے حق واضح ہو جاتا تو آپ کا ناقابل واپسی، ناقابل سمجھوتہ، اور ناقابل رعایت موقف، اللہ کی طرف سے آپ کے لیے ایک الہام ہوتا تھا اور آپ کے بعد آنے والوں کے لیے بھی مشعلِ راہ بن گیا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ کے بعد اس دین کی سلامتی اور پاکیزہ، نفیس، پختہ اور مستحکم حالت میں اسلام کی بقا کا سب سے بڑا سہرا آپ رضی اللہ عنہ ہی کے سر جاتا ہے۔ سب نے تسلیم کیا ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، سرکش فتنۂ ارتداد اور اسلام کے بندھن کو ایک ایک کر کے توڑنے کی کوشش کے مقابل چٹان بن کر کھڑے رہے، جو آپ رضی اللہ عنہ کے دور میں انبیاء و رُسل علیہم السلام کے موقف کی یاد دلاتا ہے اور یہ نبوت کی خلافت اور جانشینی تھی جس کا حق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بطریقِ احسن ادا کیا۔ بلاشبہ اسی کے باعث آپ مسلمانوں کی تحسین اور دعاؤں کے مستحق ٹھہرے جب تک کہ اللہ کی زمین اور اس پر رہنے والے لوگ باقی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝ (سورۃ ابراہیم: ۲۷)

”جو لوگ ایمان لائے ہیں، اللہ ان کو اس مضبوط بات پر دنیا کی زندگی میں جماؤ عطا کرتا ہے اور آخرت میں بھی، اور ظالم لوگوں کو اللہ بھٹکا دیتا ہے، اور اللہ (اپنی حکمت کے مطابق) جو چاہتا ہے کرتا ہے۔“

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝ (سورۃ الانفال: ۱۱)

”یاد کرو! جب تم پر سے گھبراہٹ دور کرنے کے لیے وہ اپنے حکم سے تم پر غنودگی طاری کر رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ اس کے ذریعے تمہیں پاک کرے، تم سے شیطان کی گندگی دور کرے تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھائے اور اس کے ذریعے (تمہارے) قدم اچھی طرح جمادے۔“

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ (سورۃ محمد: ۷)

”اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا، اور تمہارے قدم جما دے گا۔“

بہت سے قائدین اور لیڈر، خطرے کے سامنے گھبرا جاتے ہیں اور ہچکچاہٹ کا شکار ہو جاتے ہیں، خصوصاً جب ان کے ساتھ دوستوں اور شراکت داروں کی منت سماجت کی ہوائیں چلنے لگیں (کہ وہ اپنے موقف سے تنازل اختیار کریں)، لیکن پہاڑ ہواؤں سے نہیں لرزتے اور بعض لوگوں کا ایمان بھی پہاڑوں کی طرح مضبوط ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد، بعض قبائل نے دین سے ارتداد اختیار کر لیا اور کچھ قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، اس موقع پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کے خلاف جہاد کے بارے میں مشورہ طلب فرمایا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لشکر کو روانگی سے روک لیجیے تاکہ یہ مدینہ منورہ کے لیے سلامتی اور حفاظت کا سبب بنے اور عرب قبائل کے ساتھ نرم رویہ اختیار کیجیے، جب تک کہ یہ مسئلہ حل نہ ہو جائے، کیونکہ یہ معاملہ ہر لحاظ سے انتہائی خطرناک اور تباہ کن ہے۔ اگر عربوں کا کوئی گروہ مرتد ہو جائے تو ہم کہیں گے: ”آپ کے ساتھ جو لوگ ثابت قدم ہیں، انہیں ساتھ لے کر مرتدین سے لڑیں“، حالانکہ عرب سب کے سب ارتداد پر متفق ہو چکے ہیں، وہ یا تو مرتد ہیں یا زکوٰۃ روکنے والے، یا پھر کھڑے دیکھ رہے ہیں کہ آپ اور آپ کے دشمن کیا کرتے ہیں اور انہوں نے کچھ آدمی آگے بھیجے ہیں اور کچھ کو پیچھے رکھا ہے۔ جبکہ بعض نے مشورہ دیا: ”عرب اپنے اموال پر بخل کرنے لگ گئے ہیں اور عربوں کو اپنے سے دور کر کے آپ کو کچھ فائدہ نہیں ہو گا، لہٰذا بہتر ہے کہ اس سال آپ لوگوں سے زکوٰۃ نہ لیجیے۔“

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی اُن امور میں تمہیں مشورہ کرنے کی تاکید کی جاتی تھی جن کے بارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی واضح حکم نہ دیا گیا ہوتا اور نہ ہی قرآنِ مجید میں اُن کے متعلق کوئی حکم ملتا اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو کبھی بھی گمراہی پر متفق نہیں کرے گا۔ پس میں تمہیں مشورہ دوں گا، حالانکہ میں خود بھی تم میں سے ہی ایک آدمی ہوں، تم میرے مشورے پر بھی غور کرو اور اپنے مشورے پر بھی، اس طرح ہم سب صحیح ترین بات پر متفق ہو جائیں گے، کیونکہ اس صورت میں اللہ ہمیں کامیابی عطا فرمائے گا۔ رہی میری رائے تو میں یقین رکھتا ہوں کہ ہمیں اپنے دشمنوں کو نصیحت کرنی چاہیے، پھر جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کرے۔ اور یہ درست نہیں کہ اسلام لانے کے لیے ہم انہیں رشوت دیتے پھریں، اور یہ کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے اسی طرح جہاد کرنا چاہیے جس طرح آپؐ ان سے جہاد کیا کرتے تھے۔ اللہ کی قسم! اگر انہوں نے رسی بھی دینے سے انکار کیا تو میں اس پر بھی ان سے جنگ کروں گا یہاں تک کہ اسے صاحبِ نصاب سے لے کر اس کے حق دار تک پہنچا دوں۔ پس تم مشورہ کرو، اللہ تمہاری رہنمائی فرمائے، یہی میری رائے ہے۔“

جب انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے سنی تو کہا: آپ کی رائے ہم سب کی رائے سے بہتر ہے اور ہم آپ ہی کی رائے پر عمل کریں گے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا اور مرتدین سے قتال کے لیے ذاتی طور پر قیادت کرنے کا فیصلہ کیا۔

أيا مهرًا يجيد العدو لم يشمت به الكلل
وزورق عـزة رغم اشتداد الموج ينتقل
وسيفًا مثل ضوء البرق يسطع حين ينتضل
وإعصارًا إذا ما هب ريع الحادث الجلل[2]

اے وہ تیز رفتار سوار جو دشمن کو جالیتا ہے، جس پر کبھی کمزوری غالب نہیں آتی
اور وہ عزت کی کشتی جو موجوں کی سختی کے باوجود رواں رہتی ہے
اور وہ تلوار جو بجلی کی روشنی کی مانند چمکتی ہے جب نیام سے نکلتی ہے
اور وہ بگولا جو جب اٹھتا ہے تو عظیم حادثے کی شدت کو ساتھ لے آتا ہے

[2] ڈاکٹر یوسف ابو ہلالہ کے قصیدہ ”الفارس المصلوب“ سے لیا گیا جو انہوں نے شیخ عبد اللہ عزام کے لیے لکھا تھا اور جسے شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ اکثر اوقات دورانِ سفر پڑھا کرتے تھے۔

قیادت کی صفات:

قیادت کی صفات کے باب میں، ہمیں قرآنِ مجید کی، درج ذیل پانچ آیات پر خاص توجہ دینی چاہیے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ○(سورۃ البقرۃ:۲۴۷)

”اور ان کے نبی نے ان سے کہا کہ: اللہ نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔ کہنے لگے: بھلا اس کو ہم پر بادشاہت کرنے کا حق کہاں سے آ گیا؟ ہم اس کے مقابلے میں بادشاہت کے زیادہ مستحق ہیں، اور اس کو تو مالی وسعت بھی حاصل نہیں۔ نبی نے کہا: اللہ نے ان کو تم پر فضیلت دے کر چنا ہے اور انہیں علم اور جسم میں (تم سے) زیادہ وسعت عطا کی ہے، اور اللہ اپنا ملک جس کو چاہتا ہے دیتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت اور بڑا علم رکھنے والا ہے۔“

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ○(سورۃ آل عمران:۱۵۹)

”ان واقعات کے بعد اللہ کی رحمت ہی تھی جس کی بنا پر (اے پیغمبر) تم نے ان لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کیا۔ اگر تم سخت مزاج اور سخت دل والے ہوتے تو یہ تمہارے آس پاس سے ہٹ کر تتر بتر ہو جاتے۔ لہٰذا ان کو معاف کر دو، ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو، اور ان سے (اہم) معاملات میں مشورہ لیتے رہو۔ پھر جب تم رائے پختہ کر کے کسی بات کا عزم کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ اللہ یقیناً توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ○(سورۃ التوبۃ:۱۲۸)

”(لوگو) تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تمہی میں سے ہے، جس کو تمہاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے، جسے تمہاری بھلائی کی دھن لگی ہوئی ہے، جو مومنوں کے لیے انتہائی شفیق، نہایت مہربان ہے۔“

قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ○(سورۃ یوسف:۵۵)

”یوسف نے کہا کہ: آپ مجھے ملک کے خزانوں (کے انتظام) پر مقرر کر دیجیے۔ یقین رکھیے کہ مجھے حفاظت کرنا خوب آتا ہے (اور) میں (اس کام کا) پورا علم رکھتا ہوں۔“

قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ ۖ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ ○(سورۃ القصص:۲۶)

”ان دونوں عورتوں میں سے ایک نے کہا: ابا جان! آپ ان کو اجرت پر کوئی کام دے دیجیے۔ آپ کسی سے اجرت پر کام لیں تو اس کے لیے بہترین شخص وہ ہے جو طاقت ور بھی ہو، امانت دار بھی۔“

اللہ تعالیٰ نے حضرت طالوت علیہ السلام کو حکمران منتخب فرمایا کیونکہ ان میں قائدانہ صفات موجود تھیں، مثلاً جنگی امور میں وسیع تجربہ، حکمرانی کا فن اور سیاست، اور اس کے ساتھ ساتھ جسمانی قوت وغیرہ۔ مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خیر و خوبی بیان کی کہ وہ طاقت ور اور امانت دار ہیں، اور حضرت یوسف علیہ السلام نے خود کو اس لیے پیش کیا کہ وہ ایک بہترین حفاظت کرنے والے اور خوب علم رکھنے والے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف فرمائی کہ آپ سراپا شفقت و رحمت ہیں اور آپ کو حکم دیا کہ آپ درگزر فرمائیں، صحابہ کرامؓ کے لیے استغفار کریں اور ان سے مشورہ کرتے رہا کریں اور جب (کسی کام کا) عزمِ مصمم کر لیں تو اللہ پر توکل کریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدینؓ اور ان کے کمانڈروں میں جو اوصاف جمع ہوئے وہ کس قدر حسین تھے: علم و فہم، حلم و احتیاط، دیانت داری اور دنیا سے بے رغبتی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ایمان و صدق، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صلاحیت و ذہانت، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا حلم اور دیانت داری، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سخاوت و حیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت و عفت، سبحان اللہ۔ اور وہ قائد جس کے ہم منتظر ہیں، جو امت کو متحد کرنے اور اسے مغرب کی غلامی سے نجات دلانے، اسے ایک کلمے پر اکٹھا کرنے اور اس کی سیاست کو بخوبی سرانجام دینے کے لیے کام کرے گا، وہ لوگوں کے مال پر قبضہ کرنے اور ان کا خون بہانے سے باز رہے گا، اس طرح وہ حق کی مدد کرنے والا اور مخلوق پر رحم کرنے والا ہو گا۔

جنگ کے لیے موزوں شخصیت:

جنگ کے لیے صرف وہی شخص موزوں ہے جو محتاط، بردبار اور ثابت قدم ہو، کیونکہ اس کے لیے نفسیاتی، ذہنی، علمی اور عملی صفات درکار ہوتی ہیں: مثلاً حلم و رواداری، تحمل، شجاعت، قوتِ عزم، دور اندیشی و احتیاط، صبر اور عاجزی وغیرہ۔ یہ نفسیاتی خصلتیں کئی چیزوں پر دلالت کرتی ہیں، اوّل: ایک پُرسکون نفس جو جذبات کو قابو میں رکھتا ہے (مثلاً خوف، الجھن، گھبراہٹ، نفرت، غصہ، غم اور حزن وغیرہ)، دوم: شدید ترین دباؤ میں سکون و طمانیت برقرار رکھنا، ٹھنڈے اعصاب اور تیز عقل کا ہونا، سوم: اپنے سپاہیوں کو

متاثر کرنے، انہیں خدا سے جوڑنے، ان کے حوصلے بلند رکھنے اور انہیں جنگ کے لیے ضروری اعتماد دینے کی صلاحیت کا حامل ہونا۔

جہاں تک ذہانت، دقیق مشاہدے، تفصیلات پر توجہ، پوری تصویر کو دیکھ کر فیصلے کرنا اور وسیع پیمانے پر معلومات کا تعلق ہے، تو ان چیزوں سے دو کاموں میں مدد ملتی ہے، اوّل: سیکھنا اور مہارت حاصل کرنا، یعنی ہر قسم کے مشترکہ ہتھیاروں کا سیکھنا اور ان کے ٹیکٹیکل استعمال میں مہارت حاصل کرنا اور دوم: عسکری تربیت، باریک بینی سے جنگ کی تیاری اور مکمل پیش بندی۔

باقی رہی حکمت؛ تو عملی تجربے کے بغیر کوئی حکمت حاصل نہیں ہوتی، کیونکہ یہی چیز قائد کو اپنی عسکری مجلس مشاورت اور مشیروں کے انتخاب اور ہر جنگ کی نوعیت کے مطابق اپنے مقامی کمانڈروں کے انتخاب پر خاص توجہ دینے پر آمادہ کرتی ہے، اسی طرح وہ زمین، آب و ہوا، موسم اور اصولوں کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرتا ہے، اور اسے جنگ میں کسی بھی طرح کے خلا کو پُر کرنے کے لچک دار ہونے کی صلاحیت فراہم کرتا ہے کیونکہ ان سب کا پہلے ہی حساب لگایا جا چکا ہوتا ہے، لہٰذا ان سے نمٹا جا سکتا ہے۔ پُر سکون، متوازن، موقع کے عین مطابق اور حکمت سے بھرا رویّہ، دوسروں کو بھی متاثر کرتا ہے۔ پس یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جیسے آپ ہیں، بالکل اسی طرح وقت کے ساتھ آپ کے سپاہی بھی ہوں گے۔

جنگ کے لیے صرف وہی شخص موزوں ہے جو محتاط، بردبار اور ثابت قدم ہو، یہ ان لوگوں کے لیے موزوں نہیں ہے جو ہر چیز کے بارے میں شکوک و شبہات رکھتے ہیں، جو بین السطور اپنی مرضی کا مطلب پڑھ لیتے ہیں اور حقیقت کو اس طرح مسخ کرتے ہیں کہ وہ ان کے وسوسوں اور وہموں کے راستے سے جا ملے اور اپنے ساتھ والوں کو بھی اپنے اوہام کی تاریکی میں دھکیل دیتے ہیں۔ ایسے لوگ بہت جلد حقیقت اور واقعیت کی تپش پر آنکھ کھولتے ہیں، لیکن وہ اپنی ناکام حرکتوں سے باز نہیں آتے اور بار بار وہی عمل دہراتے ہیں۔ وہ اپنے قائدین اور ماتحتوں کو اپنے شکوک و شبہات کی بے معنی باتوں میں مشغول رکھتے ہیں اور شوریٰ کو فیصلہ کرنے سے روک دیتے ہیں، اس طرح وہ ایک قسم کی توجہ ہٹانے کی مشق کرتے ہیں اور غفلت پیدا کرتے ہیں جو دشمن کو وقت دیتی ہے کہ وہ جو چاہے حاصل کر لے۔ ایسے لوگ کسی چھوٹی جماعت کی قیادت تک کے اہل نہیں ہوتے، چہ جائیکہ ان کی موجودگی مرکزی قیادت یا شوریٰ میں ہو۔

جنگ کے لیے صرف وہی شخص موزوں ہے جو محتاط، بردبار اور ثابت قدم ہو، جبکہ وہ لوگ جو اپنی ذہانت، شجاعت، اور قوتِ ارادی پر فخر کرتے ہیں، دوسروں کے کندھوں پر چڑھ کر خود کو نمایاں کرتے ہیں، اپنی ذات کی طرف بلاتے ہیں اور اپنی حیثیت کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں، یہ خود پرستی اور اپنے آپ کی پوجا میں ڈوبے ہوئے لوگ، نہ بڑی نہ چھوٹی عسکری مہمات یا لشکروں کی قیادت کے اہل ہوتے ہیں، اور نہ ہی انہیں ذمہ داری کی کسی بھی سطح پر قائدین کے طور پر چنا جا سکتا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ خود پرستی اور اپنے آپ کی پوجا میں ڈوبے ہوئے لوگ بزدل اور جاہل ہوتے ہیں، وہ ذرا سی غلطی پر فوراً دامن جھاڑ لیتے ہیں اور ذمہ داری دوسروں پر ڈال دیتے ہیں، اپنی غلطی کے لیے دوسروں کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں، یہ کمینگی اور گھٹیا پن کے معنی میں سے ایک ہے۔ عاجزی اور تواضع اختیار کرنے والے لوگ تجربات سے گزر کر حکمت حاصل کرتے ہیں، جبکہ شیخی بگھارنے والے اور فخر کرنے والے تجربات میں ڈوب بھی جائیں تب بھی حکمت حاصل نہیں کر پاتے۔ کسی بھی سطح کا ذمہ دار اپنے فیصلوں کی ذمہ داری اٹھاتا ہے، اس کے فیصلوں میں اپنے ماتحت افراد کا انتخاب اور انہیں ذمہ داریاں تفویض کرنا بھی شامل ہے، لہٰذا اسے لازمی طور پر اپنے ماتحتوں کے اعمال کی ذمہ داری اٹھانا ہو گی، خواہ وہ درست ہوں یا غلط۔ کیونکہ اختیار تو تفویض کیا جا سکتا ہے، مگر مسئولیت (جواب دہی) تفویض نہیں کی جا سکتی۔

جنگ کے لیے صرف وہی شخص موزوں ہے جو محتاط، بردبار اور ثابت قدم ہو۔ جب تصادم کی ہوائیں چلنے لگتی ہیں اور منصوبہ بندی کا آغاز ہوتا ہے تو بعض قائدین تذبذب اور اضطراب کی کیفیت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس کی وجہ غلطی سرزد ہو جانے کا خوف ہے اور اس بات کا خوف ہے کہ اس کے نتیجے میں ان کے ساتھ کیا ہو گا۔ یعنی یہ ان کے مستقبل اور ساکھ کا مسئلہ ہے۔ ایسے لوگ جو اپنے نام کو ہر وقت پیشِ نظر رکھتے ہیں، لامتناہی دائروں میں گھومتے رہتے ہیں اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتے ہیں، انہیں ہر جگہ مسائل نظر آتے ہیں اور وہ معمولی سے دھچکے میں شکست دیکھتے ہیں، وہ صبر کی وجہ سے نہیں بلکہ خوف کی وجہ سے پیچھے ہٹتے ہیں، اکثر یہی تردد اور ہچکچاہٹ کے لمحات ان کی تباہی کا سبب بن جاتے ہیں۔

کچھ قائدین اس کے بالکل مخالف چلتے ہیں، وہ اپنے پیش روؤں کی طرح اپنے نام نمایاں کرنے میں تو شریک ہوتے ہیں، لیکن نہ تو مضبوط تیاری کی پروا کرتے ہیں، نہ ہی فتح یا شکست کی۔ وہ اپنے سرپرستوں اور حامیوں کے مطالبات اور ان کی مانگ کے مطابق کام کرنے پر راضی ہیں، حتیٰ کہ بعض اوقات علاقائی اور بین الاقوامی طاقتوں کی خواہش کے مطابق بھی کام کرتے ہیں۔ ان سے بھی بڑھ کر وہ ہیں جو اپنے اتحادیوں کے احکامات کی تعمیل کرتے ہیں تاکہ ایسے مفادات حاصل کیے جائیں جن کا پورا فائدہ اتحادی ہی کو پہنچتا ہے، چاہے بظاہر وہ ان کے اپنے حق میں دکھائی دیں۔ ایسے لوگوں نے اپنی ذاتی اغراض کے لیے یا اپنے سرپرست یا اپنے اتحادی کو راضی رکھنے کے لیے اپنا قضیہ ہی بیچ دیا ہے اور ممکن ہے کہ ان کی آنکھیں اُن تباہ کاریوں پر بھی نہ جھپکیں جو انہوں نے برپا کیں۔ وہ اپنے پیش روؤں سے کہیں زیادہ تردد اور ہچکچاہٹ کا شکار ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآىِٕرَةٌ ۭ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰي مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ (سورۃ المائدۃ: ۵۲)

"چنانچہ جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے، تم انہیں دیکھتے ہو کہ وہ لپک لپک کر ان میں گھستے ہیں، کہتے ہیں: ہمیں ڈر ہے کہ ہم پر کوئی مصیبت کا چکر آ پڑے گا (لیکن) کچھ بعید نہیں کہ اللہ (مسلمانوں کو) فتح عطا فرمائے یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کر دے اور اس وقت یہ لوگ اس بات پر پچھتائیں جو انہوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھی تھی۔"

حقیقی قیادت مشکل حالات میں اضطراب کا شکار نہیں ہوتی، نہ ہی اپنے وسائل اور افراد کو ذاتی حسابات کے تحت داؤ پر لگاتی ہے۔ یہ ربانی قیادت ہے جو اللہ کو اپنی نگاہوں کے سامنے اور اپنے ضمیر میں سب سے آگے رکھتی ہے۔ یہ وہ قیادت ہے جو عالمِ اسباب میں اسباب اختیار کرتی ہے، اپنے سپاہیوں کے ایمان و یقین کو ترقی دیتی ہے اور انہیں عالمِ غیب سے جوڑتی ہے۔ یہ وہ قیادت ہے جو تاریک ترین حالات میں اللہ کے حضور دستِ دعا بلند کرتی ہے اور مواقعِ شکر میں اپنی جبینوں کو سجدۂ شکر میں اللہ کے سامنے رکھتی ہے، یہ وہ قیادت ہے جو ایثارِ نفس اور اپنی ذات کے انکار پر پروان چڑھی ہے اور فتح کو اُسی کی طرف منسوب کرتی ہے جس کے ہاتھ میں فتح ہے، ایسی قیادت کو تذبذب و ہچکچاہٹ یا شیخی و تکبر کی حالت میں دیکھنا مشکل ہے، وہ پہاڑوں کی طرح ثابت قدم اور رسولوں کی طرح متواضع ہوتے ہیں کیونکہ ان کا پورا معاملہ اللہ ہی کے لیے ہوتا ہے۔

کلازوٹز (Clausewitz) کہتا ہے:

"حواس، ذہن پر افکار یا منظم سوچ کے مقابلے میں کہیں زیادہ گہرا اثر ڈالتے ہیں...... حتیٰ کہ وہ شخص بھی جس نے عسکری کارروائی کی منصوبہ بندی کی ہو اور اب اسے عملی طور پر ہوتے دیکھ رہا ہو، اپنے سابقہ فیصلوں کی درستگی پر اعتماد کھو سکتا ہے...... جنگ کے پاس میدان کو ایسے مناظر سے چھپا دینے کا طریقہ ہے جو بھونڈے انداز میں خوف ناک اشباح سے رنگے گئے ہوں...... ایک بار جب یہ منظر صاف کر دیا جائے اور افق پر بصارت واضح ہو جاتی ہے تو واقعات کی پیش رفت اس کے سابقہ یقین کی تصدیق کر دے گی۔ یہ منصوبہ بندی اور اس کے نفاذ کے درمیان موجود بڑے خلاؤں میں سے ایک ہے۔"[۳]

جنگ کی اچھی تیاری منع نہیں ہے (دشمن کا گہرائی سے مطالعہ، اس کی طاقت کے مراکز اور کمزوریوں کو جاننا اور اس کے ارادوں کا اندازہ لگانا، موسم کا مطالعہ، اس کے اتار چڑھاؤ اور باقاعدگی کے اوقات کا تعین کرنا، زمین کا مطالعہ، میدانِ جنگ کا معائنہ اور اس کی کمزوریوں کی شناخت، منصوبے میں موجود رخنوں کی تلاش اور انہیں پُر کرنے اور ان پر قابو پانے کے لیے لچک دار متبادل وضع کرنا وغیرہ، حاضر دماغی، عزم و ارادے کی پختگی کے ساتھ جذبات کا توازن اور منصوبے پر توجہ مرکوز کرنا)۔ یہ ساری احتیاط اور تدبیر اس بات سے نہیں روکتی کہ کبھی ایسی غلطیاں سرزد ہو جائیں جن سے ہم غافل رہ گئے ہوں یا دشمن کسی اچانک اقدام سے ہمیں چونکا دے۔ غلطیاں ممکن ہیں، لیکن انہیں سکون و طمانیت، مضبوط ارادے، بصیرت کی نفاذ پذیری اور بلند حوصلے کے ساتھ درست کیا جا سکتا ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص مدد و استعانت کے ذریعے ہی حاصل ہوتا ہے۔

منصوبہ بندی کرتے وقت مہارت اس بات میں مضمر ہے کہ آپ بالکل واضح طور پر جانتے ہوں کہ آپ کیا چاہتے ہیں، منصوبہ بندی اور عمل درآمد کے درمیان کوئی تاریک گوشہ نہیں ہونا چاہیے۔ حتیٰ کہ ناکامیوں یا پسپائیوں کی توقع بھی کی جانی چاہیے اور ان کے علاج کے لیے متبادل پہلے سے طے کیے گئے ہوں۔ یہاں تک کہ اگر وہ اچانک واقع ہو جائیں تو، آپ کو ان سے نمٹنے کے لیے تیار رہنا چاہیے، فکری فالج یا جمود ایک ایسا راستہ ہے جو آپ کے لیے ہرگز موزوں نہیں ہے اور آپ کے پاس اپنے آس پاس موجود لوگوں کے سوالات اور شکوک و شبہات کے جوابات ضرور ہونے چاہئیں۔ حد سے زیادہ احتیاط اور تفصیلات میں مبالغہ ایسی بھول بھلیاں ہیں جن سے آپ نکل نہیں پائیں گے۔ ایک قدیم مقولہ ہے: اگر بحری جہاز کے کپتان کا مشن صرف اسے محفوظ رکھنا ہے، تو اسے بندرگاہ پر ہی رہنے دینا چاہیے، کپتان کا اصل کام یہ ہے کہ وہ اسے سمندر میں لے جائے، خطرات عبور کرے اور ساحل تک فاتح بن کر پہنچے۔

خوف کو جمع ہونے دینا شکست کی تیاری ہے۔ بہت سے عناصر ہمیں شجاعت، ہمت اور ثابت قدمی عطا کرتے ہیں، جن میں سب سے اہم اللہ کے پاس موجود چیز پر یقین ہے، اور پہل کرنے کی روح کو دوبارہ زندہ کرنے کی آپ کی صلاحیت۔ یہ مہارت محض وسعتِ مطالعہ سے نہیں آتی بلکہ مشق اور تجربات سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک ہی جملے میں رسول اللہ ﷺ نے جنگِ موتہ کے بعد معاملات کو ان کے درست مقام پر لوٹا دیا۔ جب لوگوں نے کہا: "اے فرار ہونے والو! تم اللہ کی راہ سے بھاگ گئے ہو!"۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یہ فرار ہونے والے نہیں بلکہ بار بار پلٹ کر حملہ کرنے والے ہیں، ان شاء اللہ"۔

نفسیاتی جنگ، جو آلاتِ قتل سے بہت دور ہے، افق کے اس پار ایک دوسرے کو گھورنے والے دو کمانڈروں کے مابین واقع ہوتی ہے، اس بات کے لیے خاصی مہارت درکار ہوتی ہے کہ آپ مخالف کو اس کی اصل صورت میں دیکھ سکیں۔ اس سے اس کے میڈیا کے القابات اور پروپیگنڈا ہٹا دیں، پروپیگنڈے کا نہیں بلکہ شخص کا سامنا کریں۔ اپنے سپاہیوں کو بھی اس طرح کے بہت سے اوہام کے خلاف مضبوط کریں اور اپنے حریف کو نظر انداز مت کریں، نہ اسے ہلکا سمجھیں اور نہ ہی اس کی صلاحیت کا غلط اندازہ لگائیں۔ آپ یہاں دو دھاری تلوار سے نمٹ رہے ہیں: حقیقت اور پروپیگنڈا۔ پس چیزوں کو ان کے درست مقام پر رکھیں تو نفسیاتی ہالہ اور میڈیا پروپیگنڈا ٹوٹ جاتا ہے۔

[۳] کلازوٹز کی کتاب "On War" سے اقتباس۔

حکمت تجربات سے گزرے بغیر حاصل نہیں ہوتی، اور حواس کا توازن و استحکام بھی انہی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے، کیونکہ باتیں اور لیکچر ایک چیز ہیں، اور خون، بکھرے ہوئے اعضاء، گولیوں کی بارش، توپوں کی گھن گرج، اور چھروں کی اڑان کے درمیان میدان میں کام کرنا ایک بالکل دوسری چیز ہے۔ توپوں کی آگ چہروں کو جھلسا دیتی ہے اور دھماکوں کی آوازیں کانوں کو بہرا کر دیتی ہیں، یہاں تک کہ سانس میں بارود کے سوا کچھ نہیں جاتا اور قدم لاشوں کے سوا کہیں نہیں پڑتے۔ انسان معرکے کی گرد میں گم ہو جاتا ہے، جب آپ آنکھوں میں خوف دیکھتے ہیں، آنسوؤں کو رخساروں پر بہتے، پسینے کو مٹی سے ملتے اور غم کی وجہ سے کلیجہ منہ کو آتے ہوئے دیکھتے ہیں، تب اضطرابِ قلب اور دلوں کی بے چینی کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔ لہٰذا یہ سب کچھ ایک اور ہی چیز ہے۔ جب افواہیں جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی ہیں، مایوسی پھیلانے، حوصلہ شکنی اور خوف وہراس کی آوازیں ہر طرف گونجتی ہیں اور کانوں کو بھر دیتی ہیں، انسان کی روح زخمی ہونے، قید ہو جانے یا موت کے خدشات میں الجھتی ہے، اور سینوں میں بزدلی اور بہادری کے مابین ایک جنگ چل رہی ہوتی ہے کہ اس موقع پر بھاگ جانا چاہیے یا ثابت قدم رہنا چاہیے، پس یہ سب کچھ اور ہی چیز ہے۔ یہ جنگ کا ماحول ہے، لیکچر کی فضا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

> إِذْ جَاءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ○ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ○ (سورۃ الاحزاب: ۱۰، ۱۱)
>
> ”یاد کرو جب وہ تم پر تمہارے اوپر سے بھی چڑھ آئے تھے اور تمہارے نیچے سے بھی اور جب آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آ گئے تھے، اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کی باتیں سوچنے لگے تھے۔ اس موقع پر ایمان والوں کی بڑی آزمائش ہوئی اور انہیں ایک سخت بھونچال میں ڈال کر ہلا ڈالا گیا۔“

بہادر اور دلیر وہی ہے جو اس ماحول سے گزرا اور اس میں ثابت قدم رہا اور حکمت ایسی ہی فضا میں حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا غلطی کرنے والے ہی حلیم و بردبار ہوتے ہیں، اور صاحبِ تجربہ لوگ ہی حکیم و دانا ہوتے ہیں۔

- عین اس وقت جب جنگ اپنے عروج پر تھی، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹے تاکہ اپنے سپاہیوں میں عزت و وقار کی روح جگا سکیں اور پھر لوٹ کر فیصلہ کن فتح حاصل کر سکیں۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو عارضی طور پر پیچھے ہٹایا اور پھر آپ نے پُرجوش انداز میں انہیں پکارا: الگ الگ ہو جاؤ، الگ الگ ہو جاؤ، اے مجاہدو! تاکہ ہم جان سکیں کہ ہمیں کہاں سے آلیا جا رہا ہے۔ چنانچہ آپ نے مہاجرین کو ایک طرف رکھا، انصار کو ایک طرف اور بدوؤں (اعراب) کو ایک طرف کر دیا۔ پھر مہاجرین میں ہر ہر قبیلے کو ایک ایک جھنڈے تلے جمع کر دیا۔ تو کیا اب ان میں سے کوئی فرار کی رسوائی کے سائے میں جی سکتا تھا؟ چنانچہ خالد رضی اللہ عنہ نے ان میں پھر سے جرات اور ثابت قدمی کی روح جگا دی۔ آج ان میں سے کوئی بھی اپنی قوم اور اپنے آباء و اجداد کو رسوا نہیں کرے گا۔ پھر انہوں نے اپنے دشمن پر حملہ کیا اور اسے توڑ ڈالا۔

- حضرت عبد اللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا: مجھے خبر ملی ہے کہ خالد بن سفیان بن نُبیح ہُذلی میرے خلاف جنگ کرنے کے لیے لوگوں کو جمع کر رہا ہے اور وہ اس وقت وادی عُرنہ میں ہے، تم جا کر اسے قتل کر دو۔ عبد اللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے اس کی کوئی نشانی بتا دیجیے تاکہ میں اسے پہچان لوں۔ آپؐ نے فرمایا: جب تم اسے دیکھو گے تو تم اپنے جسم میں ایک قسم کی کپکپی محسوس کرو گے۔ میں اپنی تلوار لے کر نکل پڑا، یہاں تک کہ میں وادی عُرنہ میں اس کے پاس پہنچ گیا، وہاں وہ ایک گھر میں اپنی بیویوں کے ساتھ موجود تھا، اور وہ وقت عصر کی نماز کا تھا، جب میں نے اسے دیکھا تو اپنے جسم میں رسول اللہ ﷺ کے بتانے کے مطابق ایک کپکپی محسوس کی تو میں اس کی طرف بڑھا، لیکن اس بات سے ڈرا کہ میرے اور اس کے درمیان کشمکش مجھے نماز سے غافل نہ کر دے، اس لیے میں اس کی طرف چلتا ہوا اپنے سر کے اشارے سے رکوع اور سجدے کرتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا، اس نے پوچھا: تم کون ہو؟ میں نے کہا: ایک عرب آدمی جس نے سنا ہے کہ تم اُس آدمی (یعنی نبی کریم ﷺ) کے خلاف جنگ کے لیے لوگوں کو اکٹھا کر رہے ہو، اسی لیے میں تمہارے پاس آیا ہوں، اس نے کہا: ہاں! میں اسی کام میں لگا ہوں، میں اس کے ساتھ کچھ دیر چلتا رہا، یہاں تک کہ جب اس پر پوری طرح قدرت پالی تو اس پر تلوار سے حملہ کر کے اسے قتل کر دیا اور فوراً نکل پڑا، میں نے واپس ہوتے ہوئے دیکھا کہ اس کی بیویاں اس پر جھکی ہوئی تھیں۔

اسی اطمینان اور سادگی کے ساتھ عبد اللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ نے یہ حکم قبول کیا اور آپ رضی اللہ عنہ ایک لشکر کے کمانڈر کو اُس کے محافظوں اور سپاہیوں کے درمیان قتل کرنے کے لیے اکیلے ہی نکل پڑے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کپکپاہٹ پر قابو پالیا اور اپنے نفس کو اپنے مشن کی انجام دہی کے لیے آمادہ کیا، یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ پر ایسی طمانیت طاری تھی کہ دشمن کو قتل کرنے کے لیے آگے بڑھتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ نے نمازِ عصر بھی ادا کی۔ ثابت قدمی صرف اللہ ہی کی طرف سے آتی ہے۔ اس بات پر اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے اس پر یقین ہی وہ چیز ہے جس پر ہمیں اپنی تربیت کرنی چاہیے اور اس پر مزید، حقیقت کو جیسا ہے ویسا دیکھنا، بھی شامل کریں۔ یعنی آپ شخص کو دیکھیں، افسانے کو نہیں۔ وہ آپ ہی کی طرح کا ایک فانی انسان ہے، تلوار کا ایک وار اسے گرا سکتا ہے، حتیٰ کہ پانی کا ایک گھونٹ بھی اسے ہلاک کر سکتا ہے۔

داخلی صفوں کا درست انتظام، قیادت کے لیے ایسا ماحول تیار کرتا ہے کہ وہ اپنے دشمنوں پر پوری توجہ دے سکیں، لہٰذا قائدین پر لازم ہے کہ وہ اپنی مرکزی قیادت، ونگ کمانڈرز اور جاسوس اہلکاروں (ریکی کرنے والے عناصر) کی سلامتی کا خیال رکھیں۔ کمانڈر کو چاہیے کہ وہ اُن لوگوں سے مشورہ کرے جن کی وفاداری پر اسے اعتماد ہو۔ غزوۂ بدر میں، رسول اللہ

ﷺ نے حضرت حباب ابن المنذر رضی اللہ عنہ کی تجویز پر عمل کیا، غزوۂ احزاب میں مسلمانوں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے کے مطابق خندق کھودی، اسی طرح سچی وفاداری کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

تاہم، کچھ دیگر مثالیں اور مناظر بھی ہیں جو اِستِواء اور توازن کو بگاڑنے کا کام کرتے ہیں:

❖ گمراہ کن معلومات، احکامات کی مخالفت یا ان کے نفاذ میں سستی، تیز و تلخ تنقید اور انصاف سے ہٹ جانا؛ یہ سب بغاوت اور نافرمانی کی علامات ہیں۔

گمراہ کن معلومات سے بچنے کے لیے، قائدین اور کمانڈروں کو چاہیے کہ وہ اپنے ماتحتوں سے موصول ہونے والی معلومات پر گہری نظر رکھیں، اس کے لیے لازم ہے کہ وہ زمین، نقشے اور خطے میں انسانی آبادی اور اقوام کی تقسیم کا مطالعہ کریں، نیز موسم، آب و ہوا اور اس کی تبدیلیوں سے واقف ہوں۔ قائدین کو اس بات پر بھی توجہ دینی چاہیے کہ ان کے افسران معاملات سے کس انداز میں نمٹتے ہیں جس کے لیے ان کے پاس ایک وفادار نگرانی کا ادارہ ہونا ضروری ہے لیکن اس ادارے سے یہ مانع نہیں کہ وہ خود یہ جانچیں کہ ان کے افسران احکامات کے ساتھ کیسے تعامل کرتے ہیں۔ قائدین کو اپنے جرنیلوں کی جانب سے منصوبوں پر تنقید کے انداز سے بھی ہوشیار رہنا چاہیے کیونکہ ممکن ہے کہ راکھ کے نیچے آگ سلگ رہی ہو اور دھواں اور گرد و غبار کسی سازش اور بغاوت کو چھپا رہا ہو۔

یہاں ایک نہایت اہم نکتے پر توجہ دینا ضروری ہے: کچھ مخلص لوگ بعض اوقات اعتراض بھی کرتے ہیں اور تنقید بھی کرتے ہیں، اور ممکن ہے کہ ان میں سے بعض کی زبان تیز ہو، مگر اس کا مقصد اصلاح اور سفر میں بہتری لانا ہوتا ہے۔ صرف باشعور قیادت ہی ان کے مقصود کو سمجھتی اور پہچانتی ہے، جبکہ احمق اور بے وقوف قائدین جلد ہی اپنی علانیہ تنقید کو طعنہ زنی والزام تراشی اور بے وفائی و غداری قرار دے دیتے ہیں اور اصلاح کے نظریے سے ہونے والی تنقید اور اعتراض کو ذاتی مسئلہ بنا دیتے ہیں اور معترضین کو گمراہوں اور مخالفین کے برابر لا کھڑا کرتے ہیں اور انہیں عہدوں سے ہٹانے یا حاشیے پر دھکیلنے کا اقدام کرتے ہیں۔ ہمیں اصلاح کی خاطر کی گئی تنقید اور انہدام کے لیے کیے جانے والے نقد و اعتراض کے درمیان فرق کرنا چاہیے۔

ہمیشہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ آپ کے پاس دو متوازی راستے ہوں جہاں سے آپ اپنی معلومات حاصل کرتے ہیں اور منظر دیکھتے ہیں تاکہ ظاہری شکلیں آپ کو دھوکا نہ دے سکیں۔ ان میں سے ایک سپاہیوں اور ماتحت افراد کے ذریعے ہے اور دوسرا وہ ہے جسے آپ بغیر کسی واسطے کے خود انجام دیتے ہیں، اور اس طرح آپ پوری تصویر دیکھ سکیں گے۔

❖ بعض اتحاد عملی طور پر بے فائدہ ہوتے ہیں، اور کبھی کبھار ناگزیر برائی بھی بن جاتے ہیں، لیکن ان کا وجود دشمن کو مصروف اور الجھائے رکھتا ہے۔ بعض کوتاہ نظر اتحادی صرف اسی بات میں دلچسپی رکھتے ہیں کہ اُن کے ہاتھ کیا آئے گا، اور کچھ وہمی ہوتے ہیں، خوف انہیں گھیرے رکھتا ہے، ہر کونے میں انہیں خطرہ دکھائی دیتا ہے، چھوٹی چھوٹی ناکامیوں سے مایوس ہو جاتے ہیں اور دھمکیاں ان کے ذہنوں پر سوار رہتی ہیں۔ ان میں سے بعض مسلسل تنقید کرتے ہیں، شک کرتے ہیں اور تعاون و پیش رفت میں رکاوٹ بنتے ہیں، ان میں سے کچھ اتحاد چھوڑنے کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں اور بعض جان بوجھ کر یا انجانے میں اتحاد کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ ان میں ایسے بھی ہیں جو کانوں سے سنتے ہیں، لیکن دلوں سے انکار کرتے ہیں اور باطل دلائل سے بحث کرتے ہیں، جبکہ بعض اپنے سپاہیوں کو لڑائی کے لیے پیش کیے بغیر غنائم میں بڑے حصّے کا مطالبہ کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ، ایسے لوگ احمق اور قلیل النظر ہونے کی بہ نسبت منافقت سے زیادہ قریب ہیں۔

خبردار! کہیں اُن میں الجھ کر آپ دشمن سے اپنی توجہ نہ ہٹا بیٹھیں۔ انہیں انہی کی دلچسپیوں میں مصروف رکھیں، خود کو ان سے الگ رکھیں، ان پر انحصار نہ کریں مگر ان کے ساتھ اتحاد بھی نہ توڑیں کیونکہ کسی نہ کسی طرح وہ دشمن کی توجہ ہٹانے کا سبب بنے رہتے ہیں اور اس طرح وہ مخالف صف میں شامل بھی نہیں ہوتے، یوں آپ انہیں غیر جانب دار رکھنے اور بے اثر کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

توقع اور پیش گوئی کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا اور اسے ترقی دینا ایک عنایت اور نعمت ہے جسے فراست یا چھٹی حس کہا جاتا ہے، اس کی ترقی ممکن ہے، خاص طور پر عسکری کاموں میں۔ اس کی نشوونما میں مدد دینے والے اقدامات میں سے ایک گناہوں سے دور رہنا ہے، کیونکہ مومن کا قول اور اس کی فراست، اس کی دین داری، حسنِ التزام اور اللہ کی طرف سے ملنے والی توفیق کی بدولت سچی ثابت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اقدامات میں، معلومات حاصل کرنے کے لیے مضبوط جاسوسی اور انٹیلی جنس جمع کرنا بھی ہے، پھر دشمن سے متعلق رپورٹ کا مطالعہ اور معلومات کے ہر ٹکڑے کے مفہوم کو گہرائی سے سمجھنا بھی شامل ہے۔ مثلاً: نئے ہتھیار، ان کی خصوصیات، ان کی تکنیک اور تدبیریں، ان کے استعمال کا طریقہ اور ان کی تربیت کے لیے درکار وقت، میدان میں موجود دشمن کے جرنیلوں اور ان کے افسران کے نام معلوم کرنا، اور اُن کے پس منظر کی جانچ کرنا، اُن کی مہارت (تخصص) جاننا، یہاں تک معلوم کرنا کہ وہ کس ڈویژن سے آئے ہیں (آیا فوج سے یا خفیہ ایجنسی سے)، یہ سب معلومات دشمن کی منصوبہ بندی کی درست پیش گوئی کرنے اور اس کے وژن کو بے نقاب کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ اس سے اس جنگ کی نوعیت واضح ہوتی ہے جس کی وہ منصوبہ بندی کر رہے ہیں، آیا یہ مختلف اقسام کے ہتھیاروں کی لڑائی ہوگی، یا زمینی جنگ، یا وہ صرف فضائی کارروائی پر اکتفا کریں گے، یا یہ ایک انٹیلی جنس اور سیکیورٹی کی جنگ ہوگی؟

اقدامات میں یہ بھی شامل ہے کہ ہماری ایجنسیوں کی طرف سے ہماری افواج کی داخلی اور میدانی صورت حال کے بارے میں پیش کردہ رپورٹوں کا مطالعہ کیا جائے، تاکہ کمانڈر اپنے افسران اور جوانوں کو پہچان سکے۔ اس پر لازم ہے کہ وہ ان سے میل جول رکھے، ان کی تربیت کا جائزہ لے، ان کے حوصلے بلند کرنے پر کام کرے، ان کی ممکنہ ضروریات پوری کرے اور انہیں مفید معلومات فراہم کرے۔ نیز اس پر لازم ہے کہ وہ ہر ممکن ذریعے سے

میدانِ جنگ کا مطالعہ کرے، نقشوں کے ذریعے، سطحِ مرتفع، ٹیلوں، پہاڑوں اور فضا سمیت ہر ممکن طریقے سے مطالعہ کرے اور ہر چیز کا جائزہ لے، تاکہ کوئی بھی خلا یا وادی اس کی نظر سے اوجھل نہ رہے۔

جب آپ خود کو اچھی طرح پہچان لیتے ہیں اور اپنے دشمن کو اس سے بھی زیادہ جان لیتے ہیں، اور جب آپ آپریشنل میدان (میدانِ جنگ) کا مطالعہ کر لیتے ہیں اور اس میں موجود تمام ہیئتوں، وادیوں اور دراڑوں کا ایک ذہنی نقشہ بنا لیتے ہیں، جب آپ اپنے ساتھیوں، ان کی تربیتی سطح، نفسیاتی اور ذہنی صلاحیتوں اور ان کے حوصلے بڑھانے کی اپنی صلاحیت کو جان لیتے ہیں، جب آپ گہرائی سے سمجھ لیتے ہیں کہ آپ کے ہاتھ میں کون کون سے ہتھیار، ساز و سامان، اوزار، آلات اور ادارے ہیں، اور آپ ان سب چیزوں کو بہترین طریقے سے بروئے کار لاتے ہوئے ان کے ساتھ کئی جنگوں میں حصہ لیتے ہیں، تب آپ فنِ حرب میں ایک تجربہ کار ماہر بن جاتے ہیں۔ اب آپ مناسب حکمتِ عملی اور اسٹریٹیجی وضع کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں، حربی چالوں (ٹکٹیک) میں مہارت حاصل کر سکتے ہیں اور نئی تدبیریں ایجاد کر سکتے ہیں اور چالوں اور مشقوں میں جدت لا سکتے ہیں۔

جب آپ کے اندر اس پیغام پر یقین مضبوط ہو جائے جو آپ لے کر چل رہے ہیں اور آپ میں اس کے لیے قربانی دینے کا جذبہ پختہ ہو جائے اور آپ کو اپنی ذات کی نفی کرنا آ جائے اور آپ جان لیں کہ اللہ ہی ہے جو یہ انتخاب کرتا ہے کہ کس کے ہاتھوں کامیابی عطا کرے، تو یہ آپ کو قیادت کے وہم و فریب سے محفوظ رکھتا ہے اور اس ذہنی و نفسیاتی فالج سے بھی محفوظ رکھتا ہے جو اس کے مریضوں کو لاحق ہو جاتی ہے اور ان کی صحیح فطری بصیرت اور بالغ ردِ عمل کی لچک کو محدود کر دیتی ہے۔

جب آپ یہ سب بلکہ اس سے بھی بڑھ کر سمجھ جائیں، تو اُسی لمحے آپ خود کو وہم و فریب، مقابلہ بازی، جھگڑوں اور چھوٹی چھوٹی ناراضگیوں سے آزاد کر لیں گے، حقیقی آزادی کا ذائقہ چکھیں گے اور سوچنے اور منصوبہ بندی کرنے میں روانی محسوس کریں گے۔ اس کے نتیجے میں آپ کے اندر اندرونی فہم کی حس پروان چڑھے گی، آپ کی بصیرت کو فروغ ملے گا، آپ اپنی پیش بینی کی صلاحیتوں کو بڑھائیں گے اور واقعات کا تیز تر اور بالغ ردِ عمل کے ساتھ جواب دے سکیں گے۔ یہاں ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ استحکام، اِستِواء اور توازن (Equilibrium and Balance) کو پہنچ چکے ہیں اور آپ کو دل اور قدموں کی مضبوطی اور ثابت قدمی نصیب ہو گئی ہے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

بقیہ: ایپسٹین فائلز سازش نہیں مغربی سامراج کی فطرت کا اظہار ہیں

جھوٹا بیانیہ

صیہونی منصوبے یا ایپسٹین نیٹ ورک کو کسی ”یہودی لابی“ کا کام بنا کر پیش کرنا، غالب بیانیے کے ذریعے وسیع تر مغربی استعماری ڈھانچوں اور اشرافیہ کو بری الذمہ ٹھہراتا ہے، اور یوں ان سامراجی طاقتوں کو بچ نکلنے کا موقع دیتا ہے جنہوں نے تاریخی طور پر ان منصوبوں کی سرپرستی کی ہے۔

یہ بیانیہ غلط طور پر یہ تاثر دیتا ہے کہ امریکہ اسرائیل تعلقات امریکی ایجنڈے پر کسی قبضے کا نتیجہ ہیں، حالانکہ حقیقت میں یہ دو آبادکار استعماری طاقتوں کے درمیان ایک سوچا سمجھا اور اسٹریٹیجک اشتراک ہے۔

یہ ہٹ دھرمی سوشل میڈیا کی الگور تھمک معیشت سے مزید بڑھتی ہے، جو منظم تجزیوں اور درست معلومات کے بجائے سنسنی خیز من گھڑت باتوں کو ترجیح دے کر ”انگیجمنٹ“ کماتی ہے۔

سازشی فریم ورک عالمی نظام کی درست سمجھ میں رکاوٹ بنتا ہے، یعنی یہ کہ اشرافیہ اور طاقتور ادارے مغربی سامراج کی خدمت میں فیصلے کیسے کرتے ہیں۔

سازشی نظریات یہ تاثر دیتے ہیں کہ استعماری طاقتیں اس قدر خفیہ اور ہمہ گیر ہیں کہ ہمیں ان کے منصوبے لیک شدہ دستاویزات سے ڈی کوڈ کرنے پڑتے ہیں۔ حالانکہ سامراجی طاقتوں کے اصل منصوبے شاذ ہی خفیہ ہوتے ہیں۔ وہ تھنک ٹینکس کے وائٹ پیپرز میں شائع ہوتے ہیں، عالمی رہنماؤں کے مباحث میں زیرِ بحث آتے ہیں، اور امریکی و بین الاقوامی اداروں میں قانون کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

یورپی اور امریکی استعمار کے صدیوں پر محیط لاکھوں متاثرین ان سامراجی اور سرمایہ دارانہ منصوبوں کی اصل فطرت کو عیاں کرتے ہیں۔ سچ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے، امریکی سامراج نسل کشی کی حمایت پر بلیک میل نہیں ہو رہا، وہ اپنا تاریخی فریضہ ادا کر رہی ہے۔

ایپسٹین فائلوں میں موجود اخلاقی گراوٹ کوئی استثنا نہیں۔ یہ ایک ایسی استعماری اور سرمایہ دارانہ اشرافیہ کی سچی عکاسی ہے جو پوری دنیا کے استحصال کی اپنی صلاحیت پر خود کو ناقابلِ شکست محسوس کرتی ہے۔ غزہ کی نسل کشی اور ایپسٹین کا اسمگلنگ نیٹ ورک کوئی معمے نہیں جنہیں حل کیا جائے، یہ اس مادّی نظام کے منطقی نتائج ہیں جو ۱۴۹۲ سے انسان کو قابلِ تلف مال سمجھتا آیا ہے۔

[یہ مضمون ایک معاصر آن لائن جریدے میں شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)

☆☆☆☆☆

آٹھویں قسط

القاعدہ کیوں؟

لماذا اخترت القاعدة؟

میں القاعدہ میں کیوں شامل ہوا؟

تالیف: شیخ ابو مُصعب العولقی شہید | استفادہ و اضافہ: معین الدین شامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله وكفى والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء.
اللّٰهم وفقني كما تحب وترضى والطف بنا في تيسير كل عسير فإن تيسير كل عسير عليك يسير، آمين!

(۱۲)......اس لیے کہ انہوں نے ”علماءُ السلطان“ کی اصطلاح کو زندہ کیا

علمائے سلطان یا درباری علماء، یہ اصطلاح عہدِ سلف، یعنی خیر القرون سے موجود ہے، اور سلف نے علمائے سلطان سے خبر دار کیا ہے، اور یہ ان کے انتہائی خطرناک ہونے کی وجہ سے ہے۔ اس لیے کہ انہیں حقائق کو بدل دینے کی قدرت حاصل ہوتی ہے، وہ حق کو باطل اور باطل کو حق بنا دیتے ہیں، اور حکمرانوں کے انحرافات کو شرعی رنگ دے دیتے ہیں، اور ان کے جرائم بلکہ بعض دفعہ حکمرانوں کے کفر پر بھی خاموش رہتے ہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ومن أتى السلطان افتتن.“ (رواه أبو داود وصححه الألباني)
”اور جو سلطان کے پاس جائے گا وہ فتنے میں پڑ جائے گا۔“

کیا یہ زمانہ علمائے سلطان سے خالی ہے؟ اور کیا منہجِ سلف میں علمائے سلطان کے بارے میں خاموش رہنا اور ان سے خبر دار نہ کرنا شامل ہے؟

اس کا جواب ہر صاحبِ انصاف طالبِ علم جانتا ہے۔ ہر زمانے میں علمائے سلطان موجود رہے ہیں اور علمائے سلطان سے خبر دار کرنے کا منہج بھی موجود ہے۔ مثال کے طور پر امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے بعض اقوال میں سے کچھ دیکھتے ہیں۔ امام ذہبیؒ کہتے ہیں کہ امام سفیان ثوریؒ نے فرمایا:

”جب تم کسی قاری کو (یعنی عالم کو) سلطان کی پناہ لیتے دیکھو تو جان لو کہ وہ چور ہے، اور جب اسے مال داروں کی پناہ لیتے دیکھو تو جان لو کہ وہ ریاکار ہے۔ اور اس بات سے دھوکہ نہ کھانا کہ تم سے کہا جائے 'تم ظلم کو روکنے والے ہو اور مظلوم کا دفاع کرتے ہو'، کیونکہ یہ ابلیس کا دھوکہ ہے جسے قراء نے سیڑھی بنالیا ہے۔“[۱]

اور سفیان بن عباد نے لکھا:

”امراء سے بچو کہ ان کے قریب جاؤ یا کسی بھی چیز میں ان سے میل جول رکھو، اور اس بات سے دھوکہ نہ کھانا کہ تم سے کہا جائے 'تم سفارش کرتے ہو، یا مظلوم سے ظلم ہٹاتے ہو، یا ظلم کو روک دیتے ہو'، کیونکہ یہ ابلیس کا دھوکہ ہے، اور فاجر قراء نے اسے سیڑھی بنا رکھا ہے۔“[۲]

اللہ کے لیے بتایئے! اگر آج امام سفیان ثوری رحمہ اللہ زندہ ہوتے تو ان علماء کے بارے میں کیا کہتے جنہوں نے مسلمان امریکی کو اس امریکی فوج میں کام کرنے کے جواز کا فتویٰ دیا جو افغانستان پر حملہ آور ہوئی؟ اور ان علماء کے بارے میں کیا کہتے جنہوں نے کہا کہ نائن الیون کے مقتولین بے گناہ ہیں، اور بعض نے ان کے لیے چندہ کرنے کی دعوت دی؟ اور وہ اور دوسرے سلف کے علماء ان لوگوں کے بارے میں کیا کہتے جنہوں نے خاموشی اختیار کی اور یہ فتویٰ نہیں دیا کہ آج جہاد فرضِ عین ہے؟ اور وہ ان امریکی اڈوں کے بارے میں کیا کہتے جو مسلمانوں کے ملکوں میں قائم ہیں اور انہی اڈوں سے نکل کر امریکی مسلمانوں کو قتل کرتے ہیں پھر 'مسلمانوں' کی حفاظت میں اپنے اڈوں کو لوٹ جاتے ہیں؟ اور وہ کیا کہتے جب دیکھتے کہ امریکی جنگی جہاز عرب بندر گاہوں اور سمندروں سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی خاطر بڑھتے ہیں؟ اور وہ کیا کہتے جب دیکھتے کہ امریکی فوج لاکھوں مسلمانوں کو قتل کر رہی ہے اور عرب و مسلم حکمران اسے تیل، غذائی مواد اور انٹیلی جنس فراہم کر رہے ہیں اور مجاہدین کو روکتے ہیں، تو اگر اس زمانۂ سلف کے حضرات ہوتے تو انہیں کا فرنہ کہتے تو اور کیا کہتے......؟

کیا وہ مجاہدین کے قتل کا فتویٰ دیتے اور مجاہدین کے خلاف قنوتِ نازلہ پڑھتے، اور ہمیشہ حکمرانوں کے شانہ بشانہ کھڑے رہتے؟ حالانکہ امام سفیانؒ نے اپنے زمانے کے حکمرانوں کا بھی رد کیا، حالانکہ وہ حکمران شریعت کے مطابق حکومت کرتے تھے اور ان سے عموماً

[۱] القول النفيس في التحذير من خديعة إبليس ”مصلحة الدعوة“) ص (۳۰)، نقل از سير أعلام النبلاء (۵۸۶/۱۳)۔

[۲] ایضاً، منقول از الحلیہ لأبي نعيم (۳۷۶/۶-۳۷۷)۔

صرف ذاتی سطح کے گناہ سرزد ہوتے تھے، اور وہ کفر کے ممالک فتح کرنے کے لیے لشکر بھیجتے تھے۔ امام سفیان رحمہ اللہ نے ان حکمرانوں پر ایسا سخت رد کیا کہ پھر وہ ان حکمرانوں سے بچنے کی خاطر مکہ میں چھپ گئے، اور کہا گیا کہ وہاں سے یمن، اور پھر یمن سے بصرہ میں جا چھپے، اور محدثین کو خفیہ طور پر حدیث سناتے رہے یہاں تک کہ وفات پا گئے، اور ان کا جنازہ اچانک لوگوں کے سامنے نکالا گیا تو لوگوں نے ان پر نمازِ جنازہ پڑھی۔

یہ ہیں سفیان ثوری رحمہ اللہ، جن کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

> ”کیا تم جانتے ہو امام کون ہے؟ امام سفیان ثوری، جس (کے مقام) سے کوئی بھی میرے دل میں آگے نہیں بڑھتا۔“

وہ سفیان جو کہتے تھے:

> ”میں اگر کبھی کسی ایسی بات کو دیکھتا ہوں کہ جس پر میرے لیے بولنا لازم ہے اور میں حق بیان نہ کروں تو(اس غم و دباؤ کے سبب) مجھے پیشاب میں خون کی شکایت ہو جاتی ہے۔“

اگر آج سفیان ثوریؒ اور ان جیسے اسلام کے ائمہ زندہ ہوتے تو حکمرانوں سے کیا کہتے، جبکہ وہ دیکھتے کہ مسلمانوں کے ممالک عرب و عجم کے کلمہ گو طاغوتوں کے تعاون سے یہود و نصاریٰ کے قبضے میں ہیں؟

اے میرے محبت کرنے والے بھائی! یہاں آج ایسے علماء کے رسوا کن فتوے ہیں جنہیں آج بڑا معزز سمجھا جاتا ہے، اور اگر وہ سفیان ثوریؒ کے زمانے میں ہوتے تو مسلمان ان پر یہ اصطلاح لگانے میں حرج محسوس نہ کرتے کہ یہ علمائے سلطان ہیں، درباری علماء ہیں۔

پس اس اصطلاح کو زندہ کرنے میں القاعدہ کو سبقت حاصل ہے۔ اور مخالف کہہ سکتا ہے کہ یہ علماء پر طعن کرتے ہیں؟ تو اس اعتراض کا جواب دیا جاتا ہے کہ اہلِ حق علماء القاعدہ کے نزدیک معزز ہیں، البتہ علمائے سلطان کی کوئی حیثیت نہیں۔ ہم اس شخص کی تعظیم کے مکلف نہیں جس کے اقوال امریکیوں کے حق میں ہوں، اور جس نے مجاہدین کے فکر و منہج کی مذمت اور اس پر طعن کیا ہو، اور انہیں گمراہ گروہ اور خوارج قرار دیا ہو۔ اگرچہ بعض علمائے حق سے بھی کبھی کچھ غلط عبارات صادر ہو جاتی ہیں جو مجاہدین کے خلاف اور ان کے دشمنوں کے حق میں ہوتی ہیں، تو ہم اس خطا کو خطا ہی کہتے ہیں، حاشا، ہم ہرگز بھی ان کو علمائے سلطان نہیں کہتے۔[3]

پس اس دور میں، دیگر ان لوگوں کے ساتھ جو منہجِ جہاد پر چلے، القاعدہ کو اس اصطلاح کو زندہ کرنے میں سبقت حاصل ہے۔ اور ہمیں اس اصطلاح کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ اس کا مٹانا منہجِ سلف کے خلاف اور امت کے ساتھ دھوکہ ہے، اور اس سے امت کے دشمن، یہود، نصاریٰ اور منافق فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور اس اصطلاح کو زندہ کرنا امت کے لیے خیر خواہی ہے، کیونکہ یہ دین کا معاملہ ہے، لہٰذا ہمیں دیکھنا ہوگا کہ ہم اپنا دین کس سے لے رہے ہیں۔

علمائے سلطان کی وجہ سے خیر کے دروازے بند ہو جاتے ہیں، اور ان دروازوں میں سب سے اہم دروازہ جہاد ہے، جب وہ حکمران کی مرضی کے خلاف ہو۔ کیا آج امریکہ جو باقی سب چھوڑیے صرف غزہ ہی کی بات کیجیے، کیا یہ امریکہ غزہ میں موجود قتلِ عام و قحط کا سب سے بڑا ذمہ دار نہیں ہے؟ کیا اس امریکہ کے خلاف لڑنا 'ہمارے حکمرانوں'، ابنِ سلمان، اردگان اور عاصم منیر کی رضا سے ہو سکتا ہے؟ بلکہ یہ حکمران تو اسی امریکہ کے فرنٹ لائن، نیٹو و نان نیٹو اتحادی ہیں۔ تو سوچیے جو علماء جہاد کو ان حکمرانوں کی رضا و اجازت کا پابند قرار دیں وہ علمائے حق ہیں یا درباری علماء اور کیا یہ بابِ جہاد کو بند کرنے والے نہیں؟ جہاد کا دروازہ تو عظیم دروازہ ہے، امام ابنِ تیمیہ (نوّر اللہ مرقدہٗ) نے فرمایا:

> ”ومن كان كثير الذنوب فأعظم دوائه الجهاد.“ (الفتاوی ۴۲۱/۲۸)
>
> ”اور جو بہت گناہوں والا ہو، اس کی سب سے بڑی دوا جہاد ہے۔“

حقیقت یہ ہے کہ علمائے سلطان بعض اوقات کسی چیز کی مشروعیت کا فتویٰ دے دیتے ہیں، حالانکہ دراصل وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہوتی ہے۔ جس وقت یہ سطور لکھی جا رہی ہیں تو ہم بخوبی جانتے ہیں برِّصغیر ہند و پاک میں کس قسم کے حالات ہیں اور ان حالات میں علمائے سلطان کا بہت بڑا کردار موجود ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ اور ہندو حکمرانوں کی خوشنودی کی خاطر غزوۂ ہند کی احادیث کو من گھڑت قرار دینا یا لیت و لعل سے ان کا انکار کرنا تو پرانی بات ہوئی، اب تو بعض حضرات گجرات کے قصائی نریندر مودی کو شرعی حاکم قرار دینے کے درپے ہیں، گائے کا ذبیحہ، تین طلاق، عقدِ ثانی، مسجدوں کو مسمار کرنا وغیرہ کو قریب قریب مشروع و غیر مشروع قرار دے رہے ہیں اور آر ایس ایس جیسی دہشت گرد تنظیم میں اچھی باتیں تلاش رہے ہیں۔ اور پاکستان...... لا الٰہ الا اللہ کی خاطر بننے والے پاکستان کی فوج اب نیتن یاہو اور ٹرمپ کے ساتھ 'بورڈ آف پیس' میں بیٹھ کر غزہ کے مسلمانوں کو قتل کرنے جا رہی ہے، لیکن کچھ درباری علماء کے نزدیک کل تک کے ولی الامر گویا اب شارع بھی ہیں، عاصم منیر کا ہر فیصلہ اسی طرح لائقِ دفاع و اتباع ہے جیسے نعوذ باللہ شارع کا۔

یہ اہلِ علم سے منسوب جو عاصم منیر کو فیلڈ مارشل بنانے کی سفارش در حقیقت گزارش بلکہ چاپلوسی کرتے ہیں، وہ فیلڈ مارشل جس کو طاغوتِ اکبر امریکہ کا سرخیل ٹرمپ ”My

---

[3] علماء، ان کی اقسام، ان کے ساتھ تعامل وغیرہ کے موضوع پر مولانا محمد مثنیٰ حسان (حفظہ اللہ) کی کتاب 'علماء کے ساتھ طرزِ تعامل میں اعتدال کی راہ' مطبوعہ ادارہ حطین لائقِ مطالعہ ہے۔

”Favourite Field Marshal“ کہتا ہے، وہ لوگ جو اس عاصم منیر کے ہاتھ پر ’بیعت‘ کرتے ہیں، یہ درباری علماء نہیں تو اور کیا ہیں؟

جان لیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اس عالم کے لیے جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتا، دو بدترین مثالیں بیان کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ (سورۃ الجمعۃ:۵)

”جن لوگوں پر تورات کا بوجھ ڈالا گیا، پھر انہوں نے اس کا بوجھ نہیں اٹھایا، ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہو۔ بہت بری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا، اور اللہ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا۔“

اور فرمایا:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ○ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ (سورۃ الاعراف:۱۷۵-۱۷۶)

”اور (اے رسول) ان کو اس شخص کا واقعہ پڑھ کر سناؤ جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں مگر وہ ان کو بالکل چھوڑ نکلا، پھر شیطان اس کے پیچھے لگا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کی بدولت اسے سربلند کرتے، مگر وہ تو زمین ہی کی طرف جھک کر رہ گیا، اور اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا رہا، اس لیے اس کی مثال اس کتے کی سی ہو گئی کہ اگر تم اس پر حملہ کرو تب بھی وہ زبان لٹکا کر ہانپے گا، اور اگر اسے (اس کے حال پر) چھوڑ دو تب بھی زبان لٹکا کر ہانپے گا۔ یہ ہے مثال ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے۔ لہٰذا تم یہ واقعات ان کو سناتے رہو، تاکہ یہ کچھ سوچیں۔“

اور علم کو چھپانے پر سخت وعید ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰۗىِٕكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ (سورۃ البقرۃ:۱۵۹-۱۶۰)

”بے شک وہ لوگ جو ہماری نازل کی ہوئی روشن دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم انہیں کتاب میں کھول کھول کر لوگوں کے لیے بیان کر چکے ہیں تو ایسے لوگوں پر اللہ بھی لعنت بھیجتا ہے اور دوسرے لعنت کرنے والے بھی لعنت بھیجتے ہیں۔ ہاں وہ لوگ جنہوں نے توبہ کر لی ہو اور اپنی اصلاح کر لی ہو (اور چھپائی ہوئی باتوں کو) کھول کھول کر بیان کر دیا ہو تو میں ایسے لوگوں کی توبہ قبول کر لیتا ہوں، اور میں توبہ قبول کرنے کا خوگر ہوں بڑا رحمت والا۔“

تو کیا آپ گمان کرتے ہیں کہ سلف علمائے سلطان سے خبردار کرتے تھے حالانکہ ’علمائے سلطان‘ نامی کوئی چیز موجود ہی نہ تھی؟ اور کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ایسے لوگوں پر لعنت کی جن کا کوئی وجود ہی نہیں؟ اور کیا آپ سمجھتے ہیں کہ بدترین دو مثالیں اس عالم کے لیے دی گئیں جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتا، جبکہ اسے لوگوں کا وجود ہی نہ ہو؟

میرے بھائی! یہ لوگ حقیقت میں موجود ہیں، اور اگر آپ کے ذہن میں ان کا وجود نہ ہو تو اپنی عقل کو الزام دیجیے اور مجاہدین کو بدنام کرنا چھوڑ دیں کہ وہ اہلِ علم پر طعن کرتے ہیں۔ ہاں، بعض جہاد سے منسوب لوگ بعض اہلِ علم کے ساتھ بدسلوکی بھی کرتے ہیں، اور ہر جماعت وطبقے میں کچھ فتنہ پرداز ودیوانے لوگ ہوتے ہیں۔

مجاہدین علمائے کرام کو بہت بلند نظر سے دیکھتے ہیں اور اس کا بیان ان شاء اللہ اسی سلسلے کی اگلی قسط میں آئے گا، باذن اللہ۔

اللهم اجعلنا هادين مهتدين، غير ضالّين ولا مضلّين، سلماً لأوليائك، وحرباً على أعدائك، نحب من أحبك، ونعادي بعداوتك من خالفك. اللهم هذا الدعاء ومنك الإجابة، اللهم هذا الجهد وعليك التكلان، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم، آمین!

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

شہادت و صالحیت میں فرق

”شہید سے فیضِ عمل ہوتا ہے، یعنی بھلے (اچھے) عمل اوروں سے کراتا ہے، اور برے عملوں سے روکتا ہے۔ سو جو شخص اس سے مستفیض ہو، وہ صالح ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اہتمام اعمال کے باب میں وہی کر سکتا ہے، جو خود اعمال میں پکا ہو۔ سو بوسیلۂ امر و نہی ہو یا بوسیلۂ صحبت، جس شخص کو افاضۂ اعمال منظور ہو، وہ تو شہید ہے اور اس سے مستفیض ہو، وہ صالح۔“

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (نور اللہ مرقدہ)

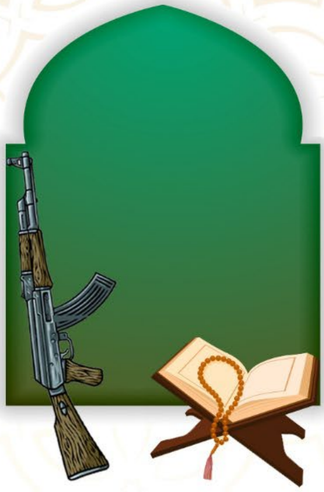

مدرسہ و مبارزہ

مدارس اور دینی جدوجہد کی تحریک

مولوی عبدالهادی مجاهد

زیرِ نظر تحریر افغانستان سے تعلق رکھنے والے عالم، داعی اور فکری جنگ پر دقیق نظر رکھنے والے مفکر فضیلۃ الشیخ مولوی عبد الہادی مجاہد (دامت برکاتہم) کی پشتو تصنیف 'مدرسه او مبارزه' کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب بنیادی طور پر افغانستان میں مدارس اور دینی تعلیم کے نظام کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھی گئی ہے، لیکن کتاب میں بیان کی گئی امت مسلمہ کی حالت اور اس حوالے سے جو مطالبہ ایک افغان عالم اور مدرسے سے کیا گیا ہے وہ در حقیقت باقی عالمِ اسلام کے علماء اور مدارس سے زیادہ مطلوب ہے۔ اس لیے کہ افغانستان میں تو آج ایک شرعی و اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہے جبکہ باقی عالَمِ اسلام اس سے کہیں پیچھے ہے۔ اس کتاب کے اصل مخاطبین علماء و طلبہ ہیں جن کی تاریخ بالاکوٹ، شاملی، صادق پور اور دیوبند کے پہاڑوں، دروں، میدانوں اور مساجد و مدارس کے در و دیوار پر نوشتہ ہے! ومن الله التوفيق! (ادارہ)

باب پنجم: دینی مدارس میں انقلابی روح کی ضرورت

علماء کو کس جذبے اور کن صلاحیتوں کا حامل ہونا چاہیے؟

علماء کو معاشرے میں دینی قیادت کے منصب کی وجہ سے نہایت بلند مقام حاصل ہے اور ان پر بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اسی لیے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کے احکام سکھائیں، امت کے سامنے اسلام کی خوبیاں بیان کریں، باطل نظریات اور گمراہ کن افکار کا علمی و فکری محاذ پر مقابلہ کریں اور افرادِ معاشرہ کو باطل کے خطرات اور نقصان سے باخبر رکھیں۔

ان کی بنیادی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ اپنی قوم کے دینی فہم، اخلاقی بلندی اور صحیح فکری تربیت پر توجہ مرکوز رکھیں اور دعوت کو اپنی زندگی کا اصل مشن سمجھ لیں۔ ان میں یہ صلاحیت بھی ہونی چاہیے کہ علم و اسلامی تہذیب کے فروغ کا جذبہ ان کے اندر موجزن ہو، معاشرے کی سیاسی، سماجی، اخلاقی اور نفسیاتی حرارت محسوس کر سکیں، اور سیاسی، عسکری اور اجتماعی حالات کے مقابلے میں حکمت و شریعت کے مطابق صحیح فیصلہ کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں۔

اگر ہمارے علمائے کرام ان ذمہ داریوں کو صحیح طور پر سمجھیں اور ان تقاضوں کو پورا کرنے کی عملی صلاحیت اپنے اندر پیدا کر لیں، تو وہ حقیقی معنی میں انبیاء کے وارث اور قائدانہ شخصیت کے حامل ثابت ہوں گے۔ لیکن اگر وہ ان ہی میدانوں میں مطلوبہ اہلیت سے محروم پائے جائیں تو مذکورہ شعبوں میں ہونے والی کمزوریوں اور نقصانات کی ذمہ داری بھی انہی پر عائد ہو گی۔

علمائے دین ان ذمہ داریوں کو تب ہی ادا کر سکتے ہیں جب انہیں ایسے تعلیمی نصاب اور نظام کے تحت ایک انقلابی شخصیت کے طور پر تیار کیا جائے جس میں دین کے وسیع، ہمہ جہت اور متوازن مضامین شامل ہوں، جو دورِ حاضر کے دینی، فکری، سیاسی، عسکری اور سماجی چیلنجز کا مقابلہ کرنے کی روح سے آراستہ ہوں۔ اور یہ نصاب ایسے اساتذہ کے ذریعے پڑھایا جائے جو نا صرف تدریس کے اہل ہوں بلکہ بااثر بھی ہوں اور اسلام اور امت کے اعلیٰ مصالح سے بھی پوری طرح واقف ہوں۔

قریباً گزشتہ نصف صدی سے، جب سے افغانستان میں علمائے دین اور اسلامی فکر کے حاملین نے جہادی اور سیاسی میدانوں کا رُخ کیا اور بڑی حد تک ان دونوں شعبوں میں قائدانہ مقام حاصل کر کے اشتراکیت پسندوں، ملحدوں اور قوم پرستوں کو عوامی قیادت کے میدان سے دھکیل باہر کیا، تب سے ہی ان مغرب زدہ حلقوں نے بے طرح پریشان ہوتے ہوئے علماء اور حاملینِ فکرِ اسلامی کے خلاف یہ پروپیگنڈہ تیز کر دیا کہ علمائے دین کو بالخصوص اور اہلِ مدارس کو بالعموم سیاسی میدان میں داخل نہیں ہونا چاہیے، بلکہ انہیں صرف دینی تعلیم و تعلم، روحانیت اور سماجی اصلاح میں مشغول رہنا چاہیے، جبکہ سیاست، عسکریت اور حکومت کے میدان اُن "ماہرین" کے لیے چھوڑ دینے چاہئیں جو ان کے بقول اس کے "اصل" متخصص و ماہر ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ بات سیکولر فکر پر مبنی ایک دھوکہ ہے جس کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کیا جاتا ہے، اور اسی راستے سے کوشش کی جاتی ہے کہ دین کو سیاسی، حکومتی اور عسکری میدانوں سے باہر نکالا جائے اور تمام امور سیکولرازم کے تصور کے مطابق چلائے جائیں۔

مغربی افکار کے پیروکاروں کو سمجھ لینا چاہیے کہ اگر افغانستان میں جہادی دور سے پہلے اسلام عملی طور پر نافذ ہوتا، معاشرہ امن و استحکام کی فضا میں زندگی بسر کر رہا ہوتا اور سیاسی نظام اور عسکری شعبے مومن اور صالح لوگوں کے ہاتھ میں ہوتے، تو ہمارے علماء پر صرف دینی قیادت اور فکری رہنمائی کی ذمہ داری ہی عائد ہوتی۔ مگر چونکہ یہاں کے دیگر سیاسی و عسکری حلقے سالم قیادت اور صالح نظام کے قیام میں بار بار ناکام ہوئے اور اپنی گمراہی اور اس ملت کی

اقدار سے بیگانگی کے باعث ایسے المیوں اور تباہ کاریوں کا باعث بنے کہ جن کی بھاری قیمت عوام کو ادا کرنا پڑی، اس لیے علماء نے اپنے شرعی اور اجتماعی فرض کے تحت سیاسی اور عسکری میدان میں قدم رکھا۔

انہوں نے نا صرف دین، ثقافت اور معاشرتی اقدار کا دفاع کیا، بلکہ سیاست، عسکریت، نظام اور ملت سازی کے میدانوں میں نمایاں کردار ادا کیا۔ حتیٰ کہ ایک ایسی عالمی فوجی یلغار کے مقابلے میں، جو پوری دنیا پر اپنی عسکری و اقتصادی برتری کا دعویٰ رکھتی تھی، شریعت کے نفاذ کے لیے جہاد اور آزادی کے حصول کی اسلامی عوامی مزاحمت کی قیادت بھی انہی علماء اور دینی طلبہ نے سرانجام دی۔

اور اب جبکہ علماء اور مدرسے کے طالبان بڑے بڑے کاموں کی انجام دہی میں مصروف ہیں اور دین و دنیا دونوں کی کشمکش میں عالمی قوتوں کے مقابل کھڑے ہیں، تو ضروری ہے کہ مدرسے کا نصاب بھی ایسے افکار و مضامین پر مشتمل ہو جو اپنے طلبہ میں انقلابی روح، قائدانہ صلاحیتیں اور عملی استعداد پیدا کریں۔

انقلاب کا مفہوم کیا ہے؟

انقلاب سے وہ سطحی سیاسی اور عسکری اقدامات مراد نہیں جنہیں لوگ جماعتوں کی تشکیل، حکومتوں کے تختے الٹنے، مظاہروں کے انعقاد، ”مردہ باد“ اور ”زندہ باد“ کے نعرے لگانے یا بیرونی نظریات کی بنیاد پر فاشسٹ اور پولیس ریاستیں قائم کرنے کے کلچر میں دیکھتے ہیں۔

بلکہ انقلاب سے مراد یہ ہے کہ علمائے دین اپنے اندر وہ علمی، فکری، سیاسی، سماجی، نفسیاتی اور عسکری صلاحیتیں پیدا کریں جن کی مدد سے وہ معاشرے کو فکری، دینی، اخلاقی، سیاسی، قانون سازی کے اور تہذیبی بگاڑ سے نجات دلا سکیں، اور دین داری، آزادی، انصاف، خوش حالی اور ہر طرح کی بھلائی کی طرف اس کی رہنمائی کر سکیں۔

علمائے دین کو چاہیے کہ اس مثبت اور حقیقی انقلاب کے ذریعے اپنی قوم کو قدیم و جدید جاہلیت، ظلم، تاریکی، غربت، داخلی اختلافات، محکومی، دین سے بے پرواہی اور سامراجی قوتوں اور ان کے مقامی ہرکاروں کے تسلط سے باہر نکالیں۔ انہیں ایسا فکری اور عملی نظام قائم کرنا چاہیے جو ان تمام مشکلات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو نیز وہ نظام یہ بھی یقینی بنائے کہ نہ معاشرے اور ریاست کو بیرونی قوتوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے اور نہ ہی خود علماء سیاسی، سماجی اور فکری تنہائی کا شکار ہونے پائیں۔

علمائے دین کب انقلابی بن سکتے ہیں؟

علمائے دین میں مذکورہ بالا انقلابی روح اُس وقت پیدا ہو سکتی ہے جب اس کے لیے دو بنیادی امور سرانجام دیے جائیں:

۱. علمائے دین کو ایک مضبوط علمی، فکری اور انقلابی نصاب و نظریے سے لیس کیا جائے، اور ان کے اندر اپنے عقائد، اصولوں اور اقدار پر ایسا پختہ یقین پیدا کیا جائے کہ کوئی بھی لالچ، منصب یا دنیاوی وفائدہ ان کے اس یقین کو متزلزل نہ کر سکے، نہ ہی وہ ان کے نفاذ اور پاسداری کے راستے میں کسی دھمکی سے خوف کھائیں اور نہ ہی ان پر عمل کرنے میں کبھی تھکاوٹ یا تذبذب محسوس کریں۔
۲. علمائے دین عملی انقلابی جدوجہد میں شامل ہوں، تاکہ وہ اپنے عقائد، منصوبوں اور اقدار کو عملی میدان میں نافذ کر کے اس کے حقیقی نتائج دیکھ سکیں اور یہ اصول محض نظری بحث یا خیالی فلسفہ بن کر نہ رہ جائیں۔

انقلابی تعلیمی نصاب کی تاثیر اس وقت مزید بڑھ جاتی ہے جب طلباء کو انقلابی ماحول اور عملی میدان سے جوڑ دیا جائے۔ اس حقیقت کو ذیل کی عملی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے:

آج کے دور میں بہت سے مدارس، بڑے بڑے علماء، اسلامی تحریکیں اور فکری ادارے دینِ اسلام کے لیے سرگرم ہیں اور لوگوں کی تربیت کرتے ہیں، لیکن ان سب کی محنت اور تربیت کے وہ اثرات پیدا نہ ہو سکے جو مرحوم ملا محمد عمر مجاہد کے طرزِ عمل کے نتیجے میں ظاہر ہوئے۔ ان کے طرز پر ایک نظام قائم ہوا، شر و فساد کا راستہ بند ہوا، دنیا کی بڑی طاقتوں کا مقابلہ کیا گیا، علماء بیدار اور انقلابی بنے، اور دینِ اسلام کے بہت سے مفاہیم اپنے شرعی معنوں میں دوبارہ زندہ ہوئے۔

یہ سب اس لیے ممکن ہوا کہ اُن کی بات محض بات نہ تھی، بلکہ اس کے پیچھے ایک عملی لائحہ عمل موجود تھا۔ انہوں نے علماء کے لیے ایسا انقلابی ماحول قائم کیا جس میں وہ اسلامی شریعت، فکر اور ثقافت کو عملی میدان میں نافذ کر سکیں۔ ملا محمد عمر مجاہد کا طرزِ عمل کسی جذباتی یا غیر مرتب حکمتِ عملی پر مبنی نہ تھا جس کی بنیاد ذاتی ذوق ہو، بلکہ وہ ہر معاملے میں علمائے اسلام سے رجوع کرتے تھے اور ساتھ یہ بھی فرماتے تھے کہ:

> ”اگر میں کوئی غلط قدم اٹھاؤں اور آپ مجھے نہ روکیں، تو قیامت کے دن میرا ہاتھ ہو گا اور آپ کا گریبان۔“

اس مثال سے واضح ہوتا ہے کہ جب فکری تربیت اور تعلیمی جدوجہد کے ساتھ عملی میدان بھی موجود ہو، تو علماء میں حقیقی معنیٰ میں انقلابی مزاج پیدا ہوتا ہے۔

علماء کو انقلابی کیوں ہونا چاہیے؟

آخر علمائے دین کو انقلابی کیوں ہونا چاہیے اور وہ معاشرے میں مثبت تبدیلی لانے کے ذمہ دار کیوں ہیں؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ ذمہ داری خود شریعت نے ان کے کندھوں پر رکھی ہے۔ علماء کا فریضہ صرف مسجد کی امامت، خطابت یا درسی کاموں تک محدود نہیں، بلکہ معاشرے

کی اصلاح، حقانی نظام کا قیام اور باطل کے نظاموں کا خاتمہ بھی انہی کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ، وَإِنَّ الأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا، إِنَّمَا وَرَّثُوا العِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ» (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

”بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء نے (اپنی میراث میں) دینار و درہم نہیں چھوڑے، بلکہ علم چھوڑا ہے، پس جس نے اس علم کو حاصل کر لیا اُس نے عظیم حصہ پالیا۔“

اب آیئے اس نکتے پر غور کریں کہ آیا انبیاء علیہم السلام کا علم ایسا تھا کہ صرف ہماری طرح مسجد کی امامت ہی اس کے ذریعے انجام دیتے؟ یا وہ ایسا انقلابی اور متحرک علم تھا جس کے ذریعے باطل نظاموں کو گرایا جاتا اور ایک صالح و عادل نظام وجود میں آتا؟ وہی علم تھا جس سے طاغوتی طاقتیں ٹوٹتی تھیں، مظلوموں کو سہارا ملتا تھا، فساد ختم ہوتا تھا اور اصلاح پھیلتی تھی، اور بڑے بڑے تمدنی اور حکومتی نظام اسی علم کی بنیاد پر قائم ہوتے تھے؟

جی ہاں! انبیائے کرام کا علم ایک زندہ، بامقصد اور پر اثر علم تھا، اور اسی علم نے معاشروں پر گہرا اثر چھوڑا۔ انہی کے علم کی برکت سے ایک جاہلی معاشرہ ایک پاکیزہ اور مسلم معاشرے میں تبدیل ہوا۔ شرک پر مبنی تصورات اسلامی عقائد اور توحیدی افکار میں ڈھل گئے۔ بگڑے ہوئے اخلاق نیک اور بلند اسلامی اخلاق میں تبدیل ہوئے۔ عدل اور اسلامی نظام کا قیام، ظلم و فساد کا خاتمہ، اور امن و امان کا پھیل جانا، یہ سب انبیاء کے اُسی علم کا نتیجہ تھا۔

آج جب مسلم دنیا میں شرعی نظام قائم نہیں ہوتا، عدل نافذ نہیں ہوتا، باطل حکومتیں قائم رہتی ہیں، اسلام اپنی اصل صورت میں نافذ نہیں ہوتا، کفری نظریات اور مغربی نظام غالب ہیں، امت ظلم، غربت اور غلامی سے آزاد نہیں ہو پاتی، تو یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ علماء ابھی تک انقلابی نہیں بن سکے۔ ان کا علم مسجد کی دیواروں میں محصور ہے، اُس میں وہ روح، وہ حرارت اور وہ عمل کی قوت نہیں جو رسول اللہ ﷺ نے بطور میراث چھوڑی تھی اور جس پر صحابہ کرام اور سلف الصالحین نے عمل کیا تھا۔

صحابہ کرام اور تابعین مدینہ اور عرب کی سرزمین سے پاپیادہ نکل کر آرمینیا، ہندوستان اور چین تک اسلام کی روشنی پہنچا گئے۔ لوگوں نے نا صرف اسلام قبول کیا بلکہ اسی علم کی بنیاد پر اپنے تمدن اور نظام قائم کیے یہاں تک کہ چین کا بادشاہ بھی انہیں جزیہ ادا کرتا۔ یہ سب اس لیے ممکن ہوا کہ ان کے پاس عملی، زندہ اور انقلابی علم تھا۔

مگر آج صورتِ حال یہ ہے کہ مسلم ممالک میں علماء کے علم سے نہ کوئی نظام قائم ہوتا ہے، نہ معاشرہ اس علم سے منظم ہوتا ہے، اور نہ ہی معیشت، سیاست اور عدلیہ جیسے بڑے شعبے اس سے چل پاتے ہیں۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ مدارس میں علم کو ناقص، غیر متوازن اور محدود انداز میں پڑھایا جاتا ہے، اور پھر یہ کہ وہاں طلبہ کو عمل، قیادت اور انقلابی فکر کی روح سے آراستہ نہیں کیا جاتا۔ انہیں صرف اس بات کے لیے تیار کیا جاتا ہے کہ وہ مسجد کی امامت کر سکیں یا پھر وہی پڑھی ہوئی کتابیں کسی اور کو پڑھا سکیں۔

اگر علمائے دین کا تعلق علم کے ساتھ آج بھی اسی حد تک محدود رہے کہ وہ محض کتاب سے معلومات اپنے ذہن میں منتقل کریں، پھر انہیں دوبارہ کتاب میں منتقل کر دیں، اور کتاب الماری میں رکھ دی جائے، جبکہ معاشرے میں عملی حکمرانی، لوگوں کی زندگیوں پر اثر رکھنے والے افکار، ثقافت اور قوانین دشمنوں کے ہاتھ میں ہوں، تو ایسے علم سے نہ کبھی کوئی انقلاب برپا ہو سکتا ہے اور نہ ہی کوئی مثبت تبدیلی جنم لے سکتی ہے۔ آج علمائے کرام نے اپنے مدارس کا نصاب نہایت سادہ اور چھوٹے، محدود اہداف کے حصول کے لیے مرتب کیا ہوا ہے، حالانکہ افغانستان کی موجودہ صورتِ حال، اور یہاں اسلام اور مسلمانوں کو درپیش چیلنجز، تعلیمی نصاب میں گہری اور اسٹریٹجک تبدیلیوں، اور وسیع اسلامی تصورات کی شمولیت کا تقاضا کرتے ہیں۔

علمائے دین: صرف مساجد کے امام یا دینی و سیاسی دونوں قیادتوں کے اصل وارث؟

اسلام میں دینی اور سیاسی قیادت کی ذمہ داری اُس شخص کے سپرد ہوتی ہے جو دین کی گہری معرفت رکھتا ہو۔ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ پیغمبرِ اسلام، حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول بھی تھے، مسلمانوں کے دینی قائد بھی، اور اسلامی حکومت کے سربراہ بھی۔ وہ مدینہ منورہ کی مسجد کے امام بھی تھے، اور اسی مسجد سے اسلام کی اشاعت اور باطل کے خاتمے کے لیے لشکر بھی روانہ فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے دین بھی سنبھالا اور دنیا بھی، مسلمانوں کو حلال و حرام اور شریعت کے احکام بھی سکھائے، فتاویٰ بھی دیے، اور عدالتی و جزائی احکام بھی نافذ فرمائے۔ ان تمام جہتوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جس طرح دین اور دنیا دونوں کے معاملات کی نگرانی رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری تھی، اسی طرح یہ ذمہ داری آپ کے بعد آپ کے علم کے وارثوں یعنی علماء کے سپرد بھی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایسا نہیں ہوا کہ دینی قیادت مسجد یا دارالافتاء تک محدود ہو اور دنیوی قیادت کسی محل میں کسی بادشاہ کے ہاتھ میں ہو، بلکہ یہ دونوں قیادتیں مکمل طور پر رسول اللہ ﷺ ہی کے ہاتھ میں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد امت کی سب سے عظیم شخصیت، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، بھی مسجد کے امام تھے اور مسلمانوں کے سپہ سالار بھی، انہوں نے مدینہ منورہ کی اسی مسجد سے ایک ہی وقت میں گیارہ لشکر فتنۂ ارتداد کے خاتمے کے لیے روانہ کیے۔

رسول اللہ ﷺ کے دوسرے عظیم صحابی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حال بھی یہی تھا، وہ مسجد کے امام بھی تھے اور مسلمانوں کے امیر بھی۔ اسی مسجدِ نبوی سے وہ کسریٰ و قیصر کی عظیم الشان سلطنتوں کو گرانے کے عملی اقدامات کرتے تھے، اور ان کے لشکر مشرق و مغرب تک فتوحات حاصل کرتے چلے جاتے تھے۔ انہوں نے ایسا عدل و انصاف کا نظام قائم کیا

جس سے دنیا بھر کے کفار لرزتے تھے۔ وہ احتساب کا نظام بھی مسجد ہی سے نافذ کرتے تھے اور اپنے گورنروں اور ماتحت حکام سے سختی کے ساتھ پوچھتے تھے: ’’مِنْ أَيْنَ لَكَ هٰذَا؟‘‘ یہ تم نے کہاں سے حاصل کیا؟ اسی ایک فقرے نے خلافت کے پورے دائرے سے ہر طرح کے فساد کا قلع قمع کر دیا تھا۔ خلیفہ اول ابو بکر صدیق اور امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا مسجد اور امامت سے تعلق اتنا مضبوط تھا کہ سیاست انہیں مسجد کی امامت سے غافل نہ کر سکی۔ حتیٰ کہ عمر رضی اللہ عنہ تو مسجد کی محراب ہی میں شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے۔

تیسرے خلیفہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی مسلمانوں کے دینی پیشوا اور مسجد نبوی کے امام تھے اور ساتھ ہی ایک ایسی وسیع اسلامی حکومت کے سیاسی قائد اور امیر المومنین تھے جس کی فتوحات شمالی افریقہ سے لے کر خراسان، آرمینیا اور ہندوستان کی سرحدوں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ چوتھے خلیفہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا مکمل نظام مسجد سے چلایا۔ اس طرح انہوں نے مسلمانوں کو عملی طور پر یہ سبق دیا کہ امت کی سیاسی قیادت کا اصل مرکز بھی مسجد ہے اور عبادت کا مرکز بھی مسجد ہی ہے۔ یوں خلفائے راشدین کے پورے دور میں مسلمانوں کی دینی اور سیاسی قیادت مسجد سے ہی جاری رہی، اور مسجد کے امام نے ایک عظیم اسلامی حکومت کی قیادت کی ذمہ داری سنبھالی۔

تاریخ اسلام میں ہر اس موقع پر کہ جب مسلمانوں کی دینی اور سیاسی قیادت متحد رہی، اسلام مشرق و مغرب کی وسیع سرزمینوں تک پھیلا، لیکن جب سیاست مسجد سے جدا ہو کر محلوں اور درباروں میں منتقل ہوگئی تو امت کمزور ہو گئی، شریعت کے نفاذ میں سستی پیدا ہوئی، حکمران داخلی اختلافات میں الجھے، فتوحات رک گئیں اور اکثر اوقات سیاست اپنی اصل سمت سے ہٹ کر گمراہ ہو گئی۔ اسلامی حکومتوں کی کمزوری اور مسلمانوں کے اندلس، مشرقی و مغربی ترکستان اور اسلامی ہندوستان جیسی عظیم سرزمینیں کھو دینے کا باعث دین و سیاست کی یہ علیحدگی ہی بنی۔ لاکھوں مسلمان دینی و سیاسی ضعف کا شکار ہو کر صلیبیوں، اشتراکیت پسندوں اور ہندوؤں کے زیر تسلط آ گئے اور مسلم معاشروں میں مستعمرین کے زیرِ اثر کمیونزم، جمہوریت، لبرل ازم، قوم پرستی، ہیومن ازم اور معاصر جاہلیت کے مختلف نظریات پھیل گئے۔ یہ سب اس لیے ہوا کہ سیاسی قیادت ان لوگوں کے ہاتھ سے نکل گئی جنہوں نے سیاست، نظام اور عسکری امور کو دین کے مطابق چلایا تھا۔

انقلابی علمائے کرام کا کارنامہ؟

جب طویل عرصے کے بعد دینی اور سیاسی قیادت ایک بار پھر علمائے کرام کے ہاتھ آئی تو عالمِ اسلام میں سیاسی اور عسکری نقشہ اس طرح بدل گیا کہ دنیا بھر کے کفار، مجاہد علماء کے مقابلے میں یکجا ہو گئے اور ان کے خلاف ایسی خونریز جنگ چھیڑ دی جو عالمی جنگوں کے بعد سب سے بڑی اور شدید جنگ تھی۔

سوویت یونین اور اشتراکی قوتوں کی شکست کے بعد لوگ کہا کرتے تھے کہ دنیا مغرب کے حق میں یک قطبی ہو گئی ہے۔ لیکن جب مغرب کے مقابلے میں دینی اور عسکری لحاظ سے علماء نے ثابت قدمی کے ساتھ قیادت سنبھالی تو دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ سیاسی، دینی اور نظام کے اعتبار سے عالمی نقشہ دوبارہ دو قطبی بن گیا، جس کی ایک جانب علماء کھڑے ہیں اور دوسری جانب وہ طاقت کہ جو خود کو دنیا کا واحد غالب قطب سمجھتی تھی۔

سیاسی اور دینی فکر کی بالا دستی کے اعتبار سے دنیا کا دو حصّوں میں بٹ جانا اُس وقت ممکن ہوا جب علماء نے گوشہ نشینی کی فکر و فضا سے نکل کر پھر سے میدانِ فکر و جدوجہد میں قدم رکھا۔ انہوں نے وہ مقام دوبارہ حاصل کیا جو ان سے چھن گیا تھا۔ چاہے وہ ہندوستان میں شیخ الہند محمود الحسن دیوبندی ہوں، لیبیا میں محمد بن علی السنوسی اور عمر المختار، مغرب میں محمد بن عبد الکریم الخطابی، الجزائر میں عبد الحمید بن بادیس، مصر میں حسن البنّا، افغانستان میں جلال الدین حقانی اور ان کے مجاہد علماء ساتھی یا بالآخر ملا محمد عمر مجاہد اور عالم اسلام کے دیگر انقلابی علماء ہوں۔ جب ان علماء نے دوبارہ انقلابی مزاج، سیاست اور جہاد کے میدان میں استقامت کا ثبوت دیا، تو یہی وہ لمحہ تھا جب دنیا کی بڑی طاقتوں کو ان کے مقابلے میں عسکری شکست کا مزہ چکھنا پڑا۔

افغان علماء کو دیگر علماء سے زیادہ انقلابی کیوں ہونا چاہیے؟

افغان علماء کو دیگر مسلم ممالک کے علماء کے مقابلے میں زیادہ انقلابی کیوں ہونا چاہیے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱. دیگر مسلم ملکوں کے بہت سے علماء نے اپنے لیے صرف مسجد کی ذمہ داری کو کافی سمجھا ہے اور دیگر میدانوں میں ان کا کوئی فعال کردار نہیں۔ کچھ نے خانقاہ سنبھال لی اور دین کے روحانی پہلو اور لوگوں کی اصلاح ہی کو اپنی کل مصروفیت بنا لیا۔ بعض نے صرف تدریس اور تعلیمی خدمات تک خود کو محدود رکھا اور علماء کی تربیت پر ہی اکتفا کیا۔ ایک طبقہ صرف تصنیف، تحقیق اور ترجمہ میں مشغول ہے اور کسی پُر سکون گوشے میں بیٹھ کر اسلامی جدوجہد کے عملی میدانوں سے الگ تھلگ رہتا ہے، اور یہی اس کی کل کائنات بن گئی ہے۔ لیکن افغان علماء نے اس کے برخلاف بہت بڑے بڑے کاموں کو اپنی ذمہ داری سمجھا ہے، جیسے عوام کی فکری رہنمائی اور باطل نظریات و جماعتوں کے خلاف جدوجہد، سیاسی میدان میں فعال شرکت، حکمرانی، نظامِ حکومت اور پورے ملک کے لیے قانون سازی، شریعت کا نفاذ، جدید طرز کے ریاستی نظم و نسق اور بدعنوانی کا خاتمہ، عالمی برادری سے اسلامی اصولوں کے مطابق سفارتی تعلقات، ملک کی اقتصادی بحالی اور صنعتی ترقی، قوم کے دینی، تاریخی اور سماجی اقدار کا تحفظ، عالمی طاقتوں کی حملہ آور اور قابض قوتوں کے خلاف کئی دہائیوں پر مشتمل مسلح جہاد، اس جہاد کے لیے لاکھوں لوگوں کو فکری، روحانی اور عملی طور پر تیار کرنا، اپنے چار کروڑ عوام کی قیادت اور انہیں امن و امان فراہم کرنا، دنیا کے مسلمانوں کے سامنے ایک کامیاب اسلامی نظام کی عملی مثال پیش کرنا اور اس نوعیت کے بے شمار دیگر بڑے کام، جنہیں افغان علماء نے اپنا فریضہ سمجھا ہے۔ اس کے ساتھ

ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ انہیں ان تمام میدانوں میں سرگرم ہونے کا موقع بھی میسر ہے، اور لاکھوں عوام ان کی پشت پر کھڑے ہیں۔ جبکہ باقی مسلم ممالک میں علمائے دین ان مواقع سے محروم ہیں۔ زندگی کے اکثر میدان سیکولر قوتوں کے قبضے میں ہیں اور علماء کو اثر انداز ہونے سے محروم رکھا گیا ہے۔ اسی لیے ضروری ہے کہ افغان علماء میں سیاسی، فکری اور انقلابی صلاحیتیں دیگر تمام ملکوں کے علماء کے مقابلے میں زیادہ مضبوط اور نمایاں ہوں۔

۲. پورے عالمِ اسلام میں علمائے دین کے خلاف اتنے دشمن کبھی اکٹھے نہیں ہوئے جتنے افغان علمائے دین کے مقابلے میں جمع کیے گئے۔ افغان علماء کے سیاسی، عسکری، فکری اور معاشرتی اثر و رسوخ اور افغانستان کے اسٹریٹیجک محلِ وقوع کو دیکھتے ہوئے، یہاں علمائے دین کے خلاف ایسا عالمی عسکری اتحاد قائم کیا گیا تھا کہ عالمِ کفر کی طاقتوں نے ایشیا، یورپ، آسٹریلیا، امریکہ اور کینیڈا سے لاکھوں فوجیں، ہلکا و بھاری جدید اسلحہ، زمینی، فضائی اور بحری جنگی ساز و سامان، مضبوط خفیہ ادارے، طاقتور پروپیگنڈہ کرنے والا میڈیا، تحقیقی مراکز اور مختلف شعبوں کے لاکھوں تربیت یافتہ ماہرین یہاں جھونک دیے۔

انہوں نے علمائے دین اور ان کی سیاسی و عسکری فکر کو سمجھنے اور ختم کرنے کے لیے ہزاروں ارب ڈالر خرچ کر ڈالے۔ یہ ساری حقیقت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ پوری دنیا کے کفار اور ان کے مسلمان نما اتحادی اس خطے میں علمائے دین کے اثر و نفوذ سے سخت خوف زدہ ہیں۔

۳. دشمنانِ دین نے یہاں علماء کو سیاسی میدان سے ختم یا کمزور کرنے کے لیے ان کے خلاف اپنی قوم کو ورغلانے میں بے پناہ کوششیں اور وسائل صرف کیے۔ مختلف اداروں، انٹیلی جنس، پولیس، اربکی اور دیگر محکموں کے دائرے میں لاکھوں افراد کو علمائے دین اور ان کی سیاسی فکر کے خلاف لڑایا گیا۔ افغان علماء کے مقابل صف آرا عسکری، مادی، پروپیگنڈہ اور سیاسی طاقت اور ان کی دشمنی کی شدت و پیچیدگی افغان علماء سے سیاست اور انقلابی مزاج کے تمام میدانوں میں مضبوطی کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ دشمن نے ان کا نظام و حکومت تباہ کیا، مدارس کو مسمار کیا، محراب پر قبضہ کیا، عوامی اجتماعی ڈھانچے کو بدلنے کی کوشش کی، عوام کی ثقافت میں تبدیلی کی، ان کے فکر و عقیدہ کے پھیلاؤ پر پابندی عائد کی اور اپنے مقاصد کے لیے تمام وسائل استعمال کیے۔ لہٰذا اگر افغان علماء آج بھی انقلابی نہیں بنتے، اور مستقبل میں معاشرے کے لیے ایک انقلابی اور قائدانہ نسل تیار کرنے کے مقصد سے مدارس میں ایک انقلابی اور درست سمت کی طرف گامزن تعلیمی نصاب فراہم نہیں کرتے، تو یہ ان کی ایک بہت بڑی غلطی ہوگی۔

مذکورہ صورتِ حال کو سامنے رکھتے ہوئے، یا تو ہم اپنے اندر یہ صلاحیتیں پیدا کریں کہ نظام کی تشکیل، شریعت کے نفاذ، عوام کی آزادی و خود مختاری کے تحفظ، سرزمین کے دفاع، اقتصادی ترقی، اسلامی حکمرانی، دینی و اخلاقی اقدار کے بقا اور دیگر عظیم مقاصد کو پورا کر سکیں، بصورت دیگر اپنے فرائض کو درست طریقے سے انجام نہ دینے کے باعث ہم اسلام کی بدنامی کا سبب بن جائیں گے۔ کیونکہ ہم ہر معاملے میں اسلام اسلام کے نعرے تو لگاتے ہیں، لیکن ہمارے اعمال اسلام کے مطابق نہیں ہوتے۔

ہم جو مدارس سے انہی بڑے کاموں کے لیے نکلے ہیں، اور اتنے عظیم میدانوں پر قابض ہوئے ہیں، اور دنیا کے تمام نظاموں اور قوانین کے مقابلے میں جنگ، سیاست، معیشت، عسکری امور، امن و امان، نظامِ حکومت، تعلیم، اخلاق اور عوام کی معاشرتی و سیاسی قیادت کے میدانوں میں ایک الگ راستہ اختیار کیا ہے، اور ان تمام شعبوں کی قیادت ہمارا ہدف ہے، ایسے میں جب ہمارے مدارس کے تعلیمی نصاب میں ان مقاصد اور موضوعات پر ایک بھی مکمل نصابی کتاب موجود نہیں جس کے ذریعے طالب علم کا امتحان لیا جا سکے، تو پھر ہم آنے والی نسلوں کو ان عظیم اہداف کے لیے کس طرح تیار کر سکیں گے؟

اگرچہ ہم ایرانی شیعہ انقلابی ملاؤں سے عقیدے اور مذہب کا اختلاف رکھتے ہیں، لیکن اگر ہم انہیں اور ان کے انقلاب کو ایک مثال کے طور پر دیکھیں، تو واضح ہوتا ہے کہ وہ بھی دینی مدارس سے نکلے، اور اپنے سیاسی و مذہبی عقیدے کے مطابق انقلابی سرگرمیوں میں حصہ لیا اور اپنا نظام قائم کیا۔ چونکہ انہوں نے اپنے اندر نظام چلانے اور معاصر انقلابی مزاج کی صلاحیتیں پیدا کیں، اس لیے آج تک ان کا نظام قائم ہے۔ وہ اپنی سرزمین، فضا اور سمندر پر مکمل تسلط رکھتے ہیں، مضبوط عسکری قوت اور جدید صنعت کے مالک ہیں، اور کسی کی پروا کیے بغیر اپنے حکومتی امور انجام دے رہے ہیں۔

ہم افغان اگرچہ عسکری جنگوں میں ان سے بھی زیادہ قربانیاں دے چکے ہیں، اور اسلامی نظام کے قیام کے لیے گزشتہ چالیس سال سے زائد عرصے میں بھاری قیمت ادا کر چکے ہیں، لیکن ہماری جہادی تنظیمیں آخر کار دوبارہ دشمن کے صف میں شامل ہو گئیں۔ اس طرح کے ناکام و تلخ تجربات سے بچنے کے لیے افغان علمائے دین کو اس بار اپنے اندر مکمل اور حقیقی انقلابی صلاحیتیں پیدا کرنی ہوں گی۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

بقیہ: معرکے ہیں تیز تر

- **۱۱ جنوری ۲۰۲۶ء:** اتحاد المجاہدین پاکستان کے مجاہدین نے خیبر ایجنسی وادیٔ تیراہ کے علاقے میں پاکستانی فوجیوں کو اس وقت گھات لگا کر حملے کا نشانہ بنایا جب وہ جنگل سے درخت کاٹنے کے بعد واپس نظارہ پوسٹ کی طرف جا رہے تھے۔ اس کارروائی میں چار اہلکار موقع پر ہلاک ہوئے۔

☆☆☆☆☆

کفار کا معاشی بائیکاٹ

اسلامی بائیکاٹ جدید جنگ کے تناظر میں

اسلام کے خلاف جاری عالمی صہیونی جنگ کے تناظر میں اسلامی مقاطعہ کو سمجھنا، نافذ کرنا اور اس کی طرف دعوت دینا

محمد ابراہیم لَڈوِک

محمد ابراہیم لَڈوِک (زید مجدہ) ایک نو مسلم عالمِ دین ہیں جنھوں نے عالَمِ عرب کی کئی جامعات میں علمِ دین حاصل کیا۔ موصوف نے کفر کے نظام اور اس کی چالوں کو خود اسی کفری معاشرے اور نظام میں رہتے ہوئے دیکھا اور اسے باطل جانا، ثم ایمان سے مشرف ہوئے اور علمِ دین حاصل کیا اور حق کو علی وجہ البصیرۃ جانا، سمجھا اور قبول کیا، پھر اسی حق کے داعی بن گئے اور عالمِ کفر سے نبرد آزما مجاہدین کے حامی اور بھرپور دفاع کرنے والے بھی بن گئے (نحسبه كذلك والله حسيبه ولا نزكي على الله أحدا)۔ انہی کے الفاظ میں: 'میرا نام محمد ابراہیم لَڈوِک ہے (پیدائشی طور پر الیگزانڈر نیکولئی لڈوک)۔ میں امریکہ میں پیدا ہوا اور میں نے علومِ تاریخ، تنقیدی ادب، علمِ تہذیب، تقابلِ ادیان، فلسفۂ سیاست، فلسفۂ بعد از نو آبادیاتی نظام، اقتصادیات، اور سیاسی اقتصادیات امریکہ اور جرمنی میں پڑھے۔ یہ علوم پڑھنے کے دوران میں نے ان اقتصادی اور معاشرتی مسائل پر تحقیق کی جو دنیا کو متاثر کیے ہوئے ہیں اور اسی دوران اس نتیجے پر پہنچا کہ اسلام ایک سیاسی اور اقتصادی نظام ہے جو حقیقتاً اور بہترین انداز سے ان مسائل کا حل لیے ہوئے ہے اور یوں میں رمضان ۱۴۳۳ھ میں مسلمان ہو گیا'، اللہ پاک ہمیں اور ہمارے بھائی محمد ابراہیم لڈوک کو استقامت علی الحق عطا فرمائے، آمین۔ جدید سرمایہ دارانہ نظام، سیکولرازم، جمہوریت، اقامتِ دین و خلافت کی اہمیت و فرضیت اور دیگر موضوعات پر آپ کی تحریرات لائقِ استفادہ ہیں۔ مجلہ 'نوائے غزوۂ ہند' شیخ محمد ابراہیم لَڈوِک (حفظہ اللہ) کی انگریزی تالیف 'Islamic Boycotts in the Context of Modern War' کا اردو ترجمہ پیش کر رہا ہے۔ (ادارہ)

چھوٹے پیمانے پر پیداوار اور غیر رسمی معیشت

یہ تقریباً ہمیشہ ہی بہتر ہوتا ہے کہ بڑے کاروباروں اور کمپنیوں کے بجائے چھوٹے، غیر رسمی پیداکنندگان (Producers) سے خریداری کی جائے۔ کیونکہ ان بڑی کمپنیوں کی اکثریت کے حکومتوں کے ساتھ قریبی روابط ہوتے ہیں اور حکومتیں یا تو عالمی صہیونی نظام کی اتحادی ہوتی ہیں یا ان کے تابع ہوتی ہیں۔

کم آمدنی والے ممالک میں، چھوٹے پیداکنندگان سے خریداری کا مطلب عموماً بڑے مالز اور سپر مارکیٹوں کے بجائے روایتی بازاروں کا رخ کرنا ہوتا ہے۔ جن ممالک میں روایتی بازار نہیں، وہاں تشہیری ویب سائٹس پر ایسے مقامی پیداکنندگان کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح بہت سی کھانے پینے کی اشیاء کے ساتھ ساتھ لباس اور گھریلو سامان کا حصول بھی ممکن ہے۔

چھوٹے پیمانے کے پیداکنندگان سے خریداری تحفہ جاتی معیشت (gift economy) یا تبادلے کی معیشت (barter economy) کے مقابلے میں کم مؤثر ہے کیونکہ اس میں بہر حال قومی کرنسی کا استعمال کرنا پڑتا ہے۔ تاہم اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ چھوٹے کاروباری حضرات اور تاجر اپنا پیسہ چھپا کر رکھیں، غیر ٹیکس شدہ معیشت، لہٰذا اس پیسے پر ٹیکس لگنے کا امکان کم ہے۔ ان حضرات کا بینک، انشورنس اور ایسی دیگر قانونی سہولیات کے استعمال کا بھی امکان کم ہے جو زیادہ شدت کے ساتھ اس صہیونیت زدہ مالیاتی نظام سے جڑی ہوئی ہیں۔

بینکوں اور انشورنس سے اجتناب

بینک صہیونیوں اور ان کے اتحادیوں کے ہاتھوں انسانیت کی غلامی کا ایک بنیادی عنصر ہیں۔ حکومتیں بینکوں کی نمائندگی کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو بینکوں میں اکاؤنٹ کھلوانے اور ان کے استعمال پر مجبور کرتی ہیں۔ نجی بینک ہی درحقیقت قرضوں کی شکل میں قومی کرنسی کے بنیادی اجرا کنندہ ہیں۔

بینکوں کے پاس کبھی بھی اتنی رقم نہیں ہوتی کہ وہ اپنے تمام واجبات ادا کر سکیں۔ اگر لوگوں کی ایک مناسب تعداد بینکوں سے اپنی رقوم نکلوا لے، تو یہ عمل بینکوں کو "Bank Run" میں دھکیل سکتا ہے۔ اور اگر بیک وقت کئی بینک دیوالیہ ہو جائیں تو یہ ایک عالمی مالیاتی بحران کو جنم دے سکتا ہے جو صہیونیوں اور ان کے اتحادیوں کی قوت کے لیے ایک زبردست دھچکا ثابت ہو گا۔

بینکوں سے تمام رقم کا نکالنا نہ صرف ایک مضبوط سیاسی اور معاشی اقدام ہے، بلکہ یہ ایک دانش مندانہ احتیاطی تدبیر بھی ہے۔ جب بینک دیوالیہ ہوتے ہیں تو بینکوں میں پیسے جمع کرنے والوں کے پیسے "غائب" ہو جاتے ہیں۔ بینکوں کی تاریخ میں ایسا بارہا ہو چکا ہے۔ بجٹ بحران یا سیاسی عدمِ استحکام کی صورت میں، حکومتیں بھی بینکوں کے پیسے ضبط کر لیا کرتی ہیں۔

بینکوں سے اجتناب کا مطلب انشورنس سے بچنا بھی ہے، کیونکہ انشورنس کمپنیاں ہی وسیع تر مالیاتی صنعت کو تقویت دیتی ہیں۔ سرمائے پر سود حاصل کرنا انشورنس کمپنیوں کے لیے آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ ہے اور ساتھ ہی یہ بینکوں کی معاونت کی ایک اہم صورت بھی ہے۔ اس سے یہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ کیوں صہیونیت زدہ حکومتیں کئی اقسام کی انشورنس کو لازم قرار دیتی ہیں۔

بینک اور انشورنس کے معاملے میں شرعی پابندیوں کی اتباع، دیگر بہت سے اسلامی قوانین کی طرح، بائیکاٹ کے مقاصد کو بھی تقویت دیتی ہے۔ یہ رہنمائی "اسلامی بینکوں" پر بھی یکساں طور پر لاگو ہوتی ہے، جو صہیونیت زدہ نظام کا مکمل حصہ ہیں۔ اسلامی بینک ایک چال اور فریب کاری سے زیادہ کچھ نہیں جو مسلمانوں کو شیطانی صہیونی تسلط والے معاشی نظام میں شامل کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

ٹیکس سے بچاؤ

جیسا کہ پہلے ذکر گزر چکا ہے، ٹیکس صہیونی زیر انتظام قومی کرنسیوں کی طاقت کا بنیادی محرک ہیں، لہٰذا ٹیکس سے بچاؤ کے طریقے تلاش کرنا دشمن کی طاقت کو کمزور کرتا ہے۔ اسلام کے خلاف جنگ میں ایک قوم جتنی زیادہ ملوث ہو گی، ٹیکس کی ادائیگیوں میں کمی صہیونی طاقت کو کم کرنے میں اتنی ہی مؤثر ہو گی۔

ٹیکسوں سے بچاؤ یا اس میں کمی کے قانونی طریقے بھی ہیں، جیسے کھپت یا قابلِ ٹیکس آمدنی کو کم کرنا، کسی دوسرے ملک منتقل ہو جانا، یا قانونی خامیوں اور بیرونِ ملک ٹیکس سے مستثنیٰ پناہ گاہوں (offshore tax havens) سے فائدہ اٹھانا۔ اس کے علاوہ ایسے طریقے بھی ہیں جو بعض علاقوں میں غیر قانونی ہیں، جیسے اخراجات اور آمدنی کو غلط ظاہر کرنا، سمگلنگ، کسٹمز کے موقع پر اشیاء کو غلط ظاہر کرنا، فروخت کے معاہدے، کرایہ کے معاہدے وغیرہ۔

زکوٰۃ، مال کی پاکیزگی کا ذریعہ اور اسلام کا ایک ستون ہونے کے ساتھ ساتھ، ٹیکس کی ایک صورت بھی ہے۔ زکوٰۃ کی اہمیت کے باوجود، علماء کے ایک گروہ نے عاملینِ زکوٰۃ سے مال کو چھپانے کی اجازت دی ہے اگر حکمران کی بد عنوانی اور اس کا زکوٰۃ کے مال کا غلط استعمال معلوم ہو۔ الموسوعہ الفقہیہ الکویتیہ کے مطابق، مالکی اور حنفی فقہاء کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ ظالم مسلم حکمران سے اپنے مال کو چھپانا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے۔ یہ تو ایسے مسلم حکمران کے بارے میں ہے جو زکوٰۃ کے مال کا غلط استعمال کرتا ہو، تو اس کافر کے بارے میں کیا خیال ہے جو اس مال کو مسلمانوں کے خلاف جنگ بھڑکانے یا اپنے طرزِ حیات اور نظریات کی ترویج کے لیے استعمال کرتا ہو؟

قطع نظر اس سے کہ آپ کس اجتہاد پر عمل کا فیصلہ کرتے ہیں، آپ کو ٹیکسوں سے بچاؤ کے خطرات اور فوائد کو باریکی سے جانچنا چاہیے۔ ٹیکس سے بچاؤ کے بعض طریقے، جیسے کہ گاڑی بیچتے وقت بل پر قیمت کم درج کرنا، عام ہیں اور اس میں خطرہ بھی تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔ دیگر صورتوں میں، جیسے کمپنی کے اکاؤنٹس کی دستاویزات میں خرد برد کرنے میں شدید خطرہ ہے اور یہ سخت سزاؤں کا سبب بن سکتا ہے۔

بعض سرگرمیاں ہجرت کے منصوبوں کے ساتھ ملا کر بہتر طریقے سے انجام دی جا سکتی ہیں۔ مثلاً، اگر کوئی شخص ٹیکس سے بچنے کے لیے زیادہ خطرے والا کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ اس کو ہجرت سے تھوڑا قبل انجام دے سکتا ہے تا کہ ممکنہ نتائج سے خود کو بچا سکے۔

ڈیجیٹل کرنسی

ڈیجیٹل کرنسی، خاص طور پر بِٹ کوائن، بینکنگ نظام سے نکلنے کے عمل میں معاون ہو سکتی ہیں۔ بِٹ کوائن ایک ڈیجیٹل کرنسی نیٹ ورک ہے جو صہیونیت زدہ، سود پر مبنی عالمی مالیاتی نظام کو کمزور کرنے کے واضح ارادے کے ساتھ تیار کیا گیا تھا۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے یہ کوئی مثالی کرنسی نہیں (اگرچہ بعض مسلمان جن کا مالی مفاد بٹ کوائن کی کامیابی سے جڑا ہے اس بارے میں بحث کریں گے) لیکن یہ مستقبل قریب میں مغربی مالیاتی نظام کے عدم استحکام اور اس کی کمزوری کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ ڈیجیٹل کرنسی مجاہدین کے لیے مالی اعانت کے نئے طریقوں کو ممکن بنانے اور ہجرت کے دوران رقم کی محفوظ منتقلی کے ذریعے جہاد میں معاون ثابت ہو سکتی ہے۔

بِٹ کوائن اپنی غیر مرکزیت (decentralized)، ہیرا پھیری اور فراڈ کے خلاف مزاحمت اور مضبوط بنیادی ڈھانچے کی وجہ سے باقی ڈیجیٹل کرنسیوں سے بہتر ہے، ساتھ ہی اس کو پہلی ڈیجیٹل کرنسی ہونے کے فوائد بھی حاصل ہیں۔ بہت سی دیگر کرنسیوں کو صہیونی اثر و رسوخ کے تابع حکام کی درخواست پر منجمد یا ان پر پابندی عائد کی جا سکتی ہے۔ بعض متمرکز ڈیجیٹل کرنسیوں نے، جن میں سب سے نمایاں Tether's USDT ہے، سیاسی وجوہات کی بنا پر مسلمانوں کے سرمائے کو منجمد کیا ہے۔ یہ کرنسیاں (جن کو "Stablecoins" کہا جاتا ہے) اپنے ذخائر قومی کرنسیوں کی صورت میں رکھتی ہیں، جس سے صہیونیوں کی جنگی کاوشوں کی سہولت کاری ہوتی ہے جیسا کہ پیچھے تفصیل گزر چکی ہے۔ اسی طرح متمرکز ڈیجیٹل کرنسی ایکسچینج جیسے Binance وغیرہ، مسلمانوں کے خلاف صہیونی قوتوں کے ساتھ مکمل تعاون کرتے ہیں لہٰذا جس قدر ممکن ہو ان سے بچا جائے۔ اس کے علاوہ دیگر ایکسچینج، جیسے Monero، واقعتاً حکام کے دائرہ اختیار سے باہر ہو سکتے ہیں، مگر ان کا استعمال عام صارفین کے لیے مشکل ہے اور ان میں مارکیٹ فراڈ کا امکان بھی زیادہ ہے۔

بِٹ کوائن، سواری یا جمع پونجی کے لیے قومی کرنسی کا ایک اچھا متبادل ہے۔ یہ امریکی ڈالر پر بڑے پیمانے پر "مضاربتی حملہ" (Speculative Attack) کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جوں ہی عوام الناس کو ڈالر کے مقابلے میں بِٹ کوائن کے فوائد کا احساس ہو گا، تو ایک "بھگدڑ" کی سی کیفیت پیدا ہو جائے گی جو بالآخر امریکی ڈالر کے زوال کا باعث بن سکتی ہے۔ اس سے مسلمانوں کے خلاف سامراجی جنگیں چھیڑنے اور ارضِ فلسطین پر صہیونی قبضے کو فوجی امداد فراہم کرنے کی امریکی صلاحیت میں بڑی حد تک کمی واقع ہو سکتی ہے۔

جب تک انٹرنیٹ کام کرتا رہے گا، تب تک ایسے واقع کا وقوع پذیر ہونا کم و بیش ناگزیر ہے۔ بِٹ کوائن میں سرمایہ کاری کرنے سے، مسلمان خصوصاً ڈالر اور بالعموم قومی کرنسیوں پر اس جنگ میں حصہ لے سکتے ہیں، اور اگر وہ اس سرمایہ کاری کو لمبے عرصے تک برقرار رکھ سکیں تو منافع بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ مسلمانوں کو بِٹ کوائن میں سرمایہ کاری نہیں کرنی چاہیے اگر وہ اس کو لمبے عرصے تک برقرار رکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، کیونکہ مارکیٹ میں مندی کے دوران بیچنے پر مجبور ہونا نقصان کا باعث بن سکتا ہے۔

ایسا ہی ایک معروف غیر مرکزی (decentralized) ایکسچینج Bisq کے نام سے ہے، مگر ایسے ایکسچینج کو سیکھنے میں عام طور پر زیادہ وقت لگتا ہے۔ تاہم ایسا کرنا بے سود نہیں، خصوصاً

اگر آپ ٹیکس سے بچاؤ یا غیر قانونی خرید و فروخت کے لیے بٹ کوائن استعمال کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

کفار کے زیرِ انتظام تعلیمی اداروں سے اجتناب

بعض تحقیقات کے مطابق حالیہ برسوں میں غیر ملکی طلبہ نے برطانیہ کی معیشت کے لیے تقریباً ۵۲ ارب ڈالر کی سالانہ آمدن پیدا کی۔ امریکہ نے کچھ سالوں تک ۴۰ ارب ڈالر حاصل کیے۔ یہ اقوام غیر ملکی طلباء سے دیگر کئی ثانوی فوائد بھی حاصل کرتی ہیں- مثلاً، وہ اکثر غیر ملکی طلباء کو اہل علم، محققین، اور تکنیکی ماہرین کی بھرتی کے لیے ایک قسم کے Talent Pool کے طور پر دیکھتے ہیں۔

طویل مدت میں، بالواسطہ منافع اس رقم سے کہیں زیادہ ہے جو وہ براہ راست فیس اور رہائش کے اخراجات کی مد میں حاصل کرتے ہیں۔ یہ ممالک ان طلباء کو مغربی اشیاء، طور طریقوں اور ٹیکنالوجی کے ساتھ کام کرنے کی تربیت دیتے ہیں۔ یوں، جن طلباء کو وہ اپنے لیے منتخب نہیں بھی کرتے، وہ بھی اپنے آبائی ملکوں کی طرف لوٹتے ہیں تو مغربی افکار کی ہی ترویج کرتے ہیں اور اپنے کام کاج کے لیے مغربی اشیاء پر ہی انحصار کرتے ہیں۔ درحقیقت، مغربی یونیورسٹیوں میں تعلیم امت مسلمہ کی ثقافتی اور معاشی نوآبادکاری کے سب سے بڑے ذرائع میں سے ایک ہے۔

اس کا اطلاق نہ صرف یونیورسٹیوں پر ہوتا ہے، بلکہ برطانوی اور امریکی بورڈز سے الحاق شدہ اداروں اور یکساں معیار کے امتحانات (Standardized Tests) پر بھی ہوتا ہے۔ منافع کمانے کے علاوہ، یہ ادارے مسلم ممالک میں اسکولوں پر اثر انداز ہوتے ہیں اور طلباء کو صہیونیت زدہ معاشی نظام کا حصہ بننے کے لیے تیار کرتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں مسلمانوں کو مغربی معاشی نظام میں جکڑ لیتی ہیں اور کمزوری اور انحصار کے دائمی چکر میں الجھائے رکھتی ہیں۔

تعلیم اور روزگار کے دوسرے طریقوں کی طرف منتقلی کا خیال خوفناک محسوس ہو سکتا ہے، لیکن جب تک ہم نوآبادیاتی اداروں پر انحصار کرتے رہیں گے، ہم اپنے ادارے نہیں بنا پائیں گے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے الفاظ یاد رکھیے:

﴿اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۶۸)

”شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے اپنی مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔ اللہ بڑی وسعت والا، ہر بات جاننے والا ہے۔“

ملکوں کا بائیکاٹ

چونکہ سود پر مبنی یہ عالمی مالیاتی نظام بین الملکی ہے، لہٰذا صرف چند مخصوص ممالک کی اشیاء کا بائیکاٹ کرنا ایک طرح سے اصل مقصد کی طرف سے رخ موڑنے کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ کارپوریٹ کمپنیاں سیاسی مسائل سے بچنے کے لیے خود کو نئے ناموں کے ساتھ کسی دوسری جگہ منتقل کر سکتی ہیں۔ جبکہ، ان کے مستفیدین (Beneficiaries) وہی رہتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ کسی ایک ملک کا بائیکاٹ کرنے کے بجائے اس نظام کے خلاف مزاحمت اور اس سے علیحدگی اختیار کرنا زیادہ اہم ہیں۔ اس کے باوجود، چند مخصوص ممالک کی اشیاء کا بائیکاٹ کرنے میں اب بھی فائدہ ہے۔ اگر بائیکاٹ ایک کمپنی کو کسی نئی جگہ منتقل ہونے پر مجبور کرتا ہے، تو یہ اس ملک کو کمزور کرتا ہے جہاں سے وہ منتقل ہوتی ہے، اور اُس ملک کو مضبوط کرتا ہے جہاں وہ منتقل ہوئی ہے۔ چونکہ بعض ممالک دوسروں کی نسبت اسلام دشمنی میں زیادہ شدید ہیں، لہٰذا یہ کافی فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے۔

انفرادی کمپنیوں کے بجائے ان ممالک کا بائیکاٹ کرنا زیادہ اہم ہے جو ظالموں کی حمایت میں کھلم کھلا موقف اختیار کیے ہوئے ہیں۔ یہ کمپنیاں صہیونی قبضے کو عطیات کی صورت میں براہِ راست کچھ ناکچھ مدد تو فراہم کر سکتی ہیں، لیکن قومی حکومتوں سے تعاون کے ذریعے جنگ کو جس قدر حمایت فراہم کی جاتی ہے، وہ کسی بھی براہِ راست مدد سے کہیں زیادہ ہے۔

جب ممالک کے بائیکاٹ کی بات آتی ہے، تو ہمیں پوری امت کی سطح پر سوچنے کی ضرورت ہے۔ فلسطین میں موجود ہماری بہنیں اور بھائی تو ہمارے تعاون کے مستحق ہیں ہی، دوسرے مظلوم مسلمان بھی اسی طرح ہمارے تعاون کے مستحق ہیں۔ معاشی جنگ اسلام اور اہل اسلام کے خلاف برسرِ پیکار تمام قوتوں کے خلاف لازم ہے۔ مسلم امت میں موجود دیگر بحرانوں کو نظر انداز کرنا نہ صرف غیر منصفانہ ہے بلکہ یہ حکمتِ عملی کے اعتبار سے بھی غلط ہے۔ فلسطین کی موجودہ صورتحال دنیا بھر میں موجود مسلمانوں کی کمزوری کا نتیجہ ہے۔

ہمیں کشمیر، شام، برما، وسطی افریقی ممالک، صومالیہ اور یمن میں موجود اپنی بہنوں اور بھائیوں، اور شرق سے غرب تک پھیلی پوری امت کے لیے بھی اسی شدت سے بائیکاٹ کرنا چاہیے۔ اگر ہم دوسرے خطوں میں موجود مسلمانوں کی حمایت کو نظر انداز کرتے ہیں، تو یوں ہم فلسطینیوں پر ہونے والے مظالم کو دوام دیتے رہیں گے، کیونکہ کسی ایک خطے میں مسلمانوں کا مضبوط ہونا باقی ہر جگہ موجود مسلمانوں کی قوت ہے۔ اس کا حل پوری امت کی مضبوطی میں ہے۔

اس کا مطلب امت کے مفاد کو پہلی ترجیح بنانا، اور اس کو علاقائی اور قبائلی یا قومی ایجنڈے پر فوقیت دینا ہے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

عصرِ حاضر میں مسلمانوں پر جہاد کی فرضیت

مولانا محمد مثنیٰ حسّان

زیر نظر تحریر ادارۂ حطّین کی جانب سے نشر کی گئی کتاب ”مختصر فضائل جہاد“ کا مقدمہ ہے جسے قارئین کے استفادہ کے لیے مجلے میں بطورِ مضمون نشر کیا جارہا ہے۔(ادارہ)

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وقائد المجاهدين نبينا محمد وعلى آله وصحبه الغر الميامين ومن سن بسنتهم وجاهد على منهاجهم وتبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد

بلاشبہ جہاد دینِ اسلام کی چوٹی اور ارکانِ اسلام کا سر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام کے قیام اور اس کی حفاظت کا ذریعہ جہاد فی سبیل اللہ کو قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کو ختم کرنے اور اسلام کو مکمل کرنے کا فیصلہ فرمایا تو قیامت تک کے لیے دین کو قائم رکھنے اور اسلام کا بول بالا کرنے کے لیے پیغمبر اسلام کو تلوار دے کر مبعوث فرمایا۔ پیغمبرِ اسلام سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> بُعِثْتُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ بِالسَّيْفِ حَتَّى يُعْبَدَ اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ.[1]

> ”مجھے قیامت تک کے لیے تلوار دے کر مبعوث فرمایا گیا ہے، تاکہ ایک اکیلے اللہ کی عبادت کی جانے لگے، جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔“

اسلام اور اس کے ماننے والوں کی عزت و شوکت کو فریضہ جہاد سے جوڑا گیا، جبکہ ترکِ جہاد کو اسلام اور مسلمانوں کی کمزوری اور مغلوبیت کا بنیادی سبب قرار دیا گیا۔ پیغمبرِ اسلام سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ، وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ، وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ، وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ، سَلَّطَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتَّى تَرْجِعُوا إِلَى دِينِكُمْ.[2]

> ”جب تم عینہ یعنی سود کا کاروبار کرنے لگو گے، اور بیلوں کی دمیں پکڑ لو گے اور کھیتی باڑی میں ہی لگ جاؤ گے، اور جہاد ترک کر دو گے، تو اللہ تم پر ذلت مسلط فرما دیں گے، جو اس وقت تک تم سے نہیں ہٹائیں گے جب تک کہ تم اپنے دین کی طرف نہ لوٹ آؤ۔“

یعنی جب تک دوبارہ دین پر مکمل عمل نہ کرو گے اور جہاد شروع نہ کرو گے تو ذلت سے نہ بچ سکو گے۔

یہی وہ تعلیم تھی جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے خلفاء اور اصحاب رضی اللہ عنہم نے حاصل کی اور اسے آگے نقل کیا، اور اسلام کے غلبے کے لیے جہاد فی سبیل اللہ انجام دیتے رہے، اور مسلمانوں کی حفاظت و دفاع کا سامان بھی کرتے رہے۔ تاہم رفتہ رفتہ مسلمان دنیا کی محبت میں گرفتار ہو کر موت سے بھاگنے لگے اور اسی سبب سے جہاد کے فریضے کو ترک کر کے بیٹھ گئے۔ نتیجہ وہ ہو گیا جس سے ڈرایا گیا تھا، اسلام مغلوب ہو گیا اور مسلمان ذلت میں گرفتار ہو گئے۔

ہمارے اسلاف ایک مسلمان فرد اور چپہ بھر دار الاسلام کے لیے بھی جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکل کھڑے ہوتے تھے، مگر رفتہ رفتہ مسلمانوں کی زمینیں کفار کے قبضے میں جانے لگیں اور مسلمان کفار کے ہاتھوں مغلوب و مقہور ہوتے گئے، لیکن وہ بحیثیتِ امت جہاد کے تارک بن گئے۔

ہمارے علمائے کرام نے ابتدا سے یہ فتویٰ دیا اور اس فتویٰ پر شرق و غرب، ہر صدی اور ہر مذہب فقہی کے علمائے کرام نے دستخط کیے کہ اگر کفار مسلمانوں کی کسی زمین پر بھی حملہ آور ہو جائیں تو اس زمین کو کفار کے قبضے سے چھڑانے کے لیے ابتداءً جہاد اس زمین میں بسنے والے مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے، اگر وہ ناکافی ہوں یا سستی کریں تو ان سے قریب بسنے والے مسلمانوں پر مذکورہ حملے کو روکنے اور اپنی زمین کو آزاد کرنے کے لیے جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ یہ سلسلہ آگے بڑھتے بڑھتے شرق و غرب کے مسلمانوں تک پہنچ جاتا ہے۔ اور ایک ٹکڑائے زمین کو کفار سے چھڑانے کے لیے تمام مسلمانوں پر جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے۔

چوتھی صدی ہجری میں امام ابو بکر جصاص عراقی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> وَمَعْلُومٌ فِي اعْتِقَادِ جَمِيعِ الْمُسْلِمِينَ أَنَّهُ إِذَا خَافَ أَهْلُ الثُّغُورِ مِنْ الْعَدُوِّ وَلَمْ تَكُنْ فِيهِمْ مُقَاوَمَةٌ لَهُمْ فَخَافُوا عَلَى بِلَادِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَذَرَارِيِّهِمْ أَنَّ الْفَرْضَ عَلَى كَافَّةِ الْأُمَّةِ أَنْ يَنْفِرُوا إِلَيْهِمْ مَنْ يَكُفُّ عَادِيَتَهُمْ عَنْ الْمُسْلِمِينَ، وَهَذَا لَا خِلَافَ فِيهِ بَيْنَ الْأُمَّةِ، إذ لَيْسَ مِنْ قَوْلِ أَحَدٍ مِنْ الْمُسْلِمِينَ إبَاحَةُ القعود عنهم حين يَسْتَبِيحُوا دِمَاءَ الْمُسْلِمِينَ وَسَبْيَ ذَرَارِيِّهِمْ.[3]

[1] أخرجه ابن أبي شيبة (١٩٤٠١) وأحمد (٥١١٥) والحديث حسن

[2] أخرجه أبو داود (٣٤٦٢) والحديث حسن

[3] أحكام القرآن (٣/٣١٢)

”یہ بات تمام مسلمانوں کو معلوم ہے کہ جب مسلمانوں کے کسی سرحدی علاقے کے مجاہدین کو کفار کے حملے کا خطرہ محسوس ہو اور ان میں مقابلے کی طاقت نہ ہو جس کے سبب وہ اپنے علاقوں، جانوں اور بچوں کے حوالے سے خوف زدہ ہوں کہ سب پر کفار قابض ہو جائیں گے تو ایسی حالت میں تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ ان مجاہدین کی طرف نکلیں، یہاں تک کہ کفار کے حملے کو روک دیں۔ اس صورت میں (جہاد کی فرضیت کے حوالے سے) امت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ ایسی حالت میں جب مسلمانوں کا خون بہایا جا رہا ہو اور مسلمانوں کے بچے قید کیے جا رہے ہوں تو مسلمانوں میں سے کسی ایک عالم کا قول بھی نہیں کہ اس وقت مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ جہاد سے پیچھے بیٹھ رہے۔“

پانچویں صدی ہجری میں امام الحرمین ابو المعالی خراسانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فَأَمَّا إِذَا وَطِئَ الْكُفَّارُ دِيَارَ الْإِسْلَامِ، فَقَدِ اتَّفَقَ حَمَلَةُ الشَّرِيعَةِ قَاطِبَةً عَلَى أَنَّهُ يَتَعَيَّنُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ أَنْ يَخِفُّوا وَيَطِيرُوا إِلَى مُدَافَعَتِهِمْ زَرَافَاتٍ وَوِحْدَانًا، حَتَّى انْتَهَوْا إِلَى أَنَّ الْعَبِيدَ يَنْسَلُّونَ عَنْ رِبْقَةِ طَاعَةِ السَّادَةِ، وَيُبَادِرُونَ الْجِهَادَ عَلَى الِاسْتِبْدَادِ۔[٤]

”جب کفار دار الاسلام کے کسی علاقے پر حملہ آور ہو جائیں تو اس بات پر علمائے شریعت کا قطعی اتفاق ہے کہ اس وقت تمام مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ ٹولیوں میں یا اکیلے اکیلے حملے کی زمین کی طرف نکلیں اور مسلمانوں کے دفاع کے لیے پہنچیں، یہاں تک کہ ایسی حالت میں غلاموں پر بھی فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے آقاؤں کی قید سے آزاد ہو کر جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوں۔“

ساتویں صدی ہجری میں امام ابو عبد اللہ قرطبی اندلسی مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تَعَيَّنَ الْجِهَادُ بِغَلَبَةِ الْعَدُوِّ عَلَى قُطْرٍ مِنَ الْأَقْطَارِ، أَوْ بِحُلُولِهِ بِالْعُقْرِ، فَإِذَا كَانَ ذَلِكَ وَجَبَ عَلَى جَمِيعِ أَهْلِ تِلْكَ الدَّارِ أَنْ يَنْفِرُوا وَيَخْرُجُوا إِلَيْهِ خِفَافًا وَثِقَالًا، شَبَابًا وَشُيُوخًا، ... فَإِنْ عَجَزَ أَهْلُ تِلْكَ الْبَلْدَةِ عَنِ القيام بعدو هم كان على من قاربهم وجاور هم أَنْ يَخْرُجُوا عَلَى حَسَبِ مَا لَزِمَ أَهْلَ تِلْكَ الْبَلْدَةِ، حَتَّى يَعْلَمُوا أَنَّ فِيهِمْ طَاقَةً عَلَى الْقِيَامِ بِهِمْ وَمُدَافَعَتِهِمْ. وَكَذَلِكَ كُلُّ مَنْ علم بضعفهم عن عدو هم وَعَلِمَ أَنَّهُ يُدْرِكُهُمْ وَيُمْكِنُهُ غِيَاثُهُمْ لَزِمَهُ أَيْضًا الْخُرُوجُ إِلَيْهِمْ، فَالْمُسْلِمُونَ كُلُّهُمْ يَدٌ عَلَى مَنْ سِوَاهُمْ، ... وَلَوْ قَارَبَ الْعَدُوُّ دَارَ الْإِسْلَامِ وَلَمْ يَدْخُلُوهَا لَزِمَهُمْ أَيْضًا الْخُرُوجُ إِلَيْهِ، حَتَّى يَظْهَرَ دِينُ اللَّهِ وَتُحْمَى الْبَيْضَةُ وَتُحْفَظُ الْحَوْزَةُ وَيُخْزَى الْعَدُوُّ. وَلَا خِلَافَ فِي هَذَا۔[٥]

”اگر کفار مسلمانوں کے کسی علاقے پر قابض ہو جائیں یا دار الاسلام کے مرکزی علاقے میں اتر جائیں، تو جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ یعنی جب یہ حالت ہو جائے تو اس علاقے کے تمام مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ جہاد کے لیے نکلیں، ہلکے ہوں یا بوجھل، بوڑھے ہوں یا جوان۔ اگر اس علاقے کے لوگ کفار کے مقابلے میں عاجز پڑ جائیں تو ان کے قریب کے علاقے کے مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ جہاد کے لیے نکلیں کہ حملہ آور کفار کے مقابلے میں اور مسلمانوں کے دفاع میں کفایت کر سکیں۔ اسی طرح ہر وہ مسلمان جسے حملے کے مقابلے میں مسلمانوں کی کمزوری کا علم ہو جائے اور اس کے لیے مدد کو پہنچنا ممکن ہو تو اس پر بھی جہاد کے لیے نکلنا فرض ہو جاتا ہے۔ کیونکہ تمام مسلمان اپنے مقابل کفار کے مقابلے میں ایک ہاتھ کی مانند ہیں۔ اور اگر کفار دار الاسلام پر حملے کی نیت سے آ جائیں، اگرچہ وہ دار الاسلام میں داخل نہ ہوئے ہوں تو اس وقت بھی مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ ان کے مقابلے میں جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوں، یہاں تک کہ اللہ کا دین غالب ہو جائے اور مسلمانوں کے علاقے محفوظ ہو جائیں اور کفار ناکام و رسوا ہو جائیں۔ اس مسئلے میں (مسلمانوں میں) کوئی اختلاف نہیں ہے۔“

آٹھویں صدی ہجری میں امام ابن تیمیہ حرانی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَأَمَّا قِتَالُ الدَّفْعِ فَهُوَ أَشَدُّ أَنْوَاعِ دَفْعِ الصَّائِلِ عَنْ الْحُرْمَةِ وَالدِّينِ فَوَاجِبٌ إجْمَاعًا فَالْعَدُوُّ الصَّائِلُ الَّذِي يُفْسِدُ الدِّينَ وَالدُّنْيَا لَا شَيْءَ أَوْجَبَ بَعْدَ الْإِيمَانِ مِنْ دَفْعِهِ فَلَا يُشْتَرَطُ لَهُ شَرْطٌ بَلْ يُدْفَعُ بِحَسَبِ الْإِمْكَانِ۔[٦]

”جہاں تک کفار کے حملے کے دفاع میں قتال کا مسئلہ ہے تو یہ دفاع کی سب سے شدید صورت ہے کہ یہ مسلمانوں کی ناموس اور دین پر حملہ آور دشمن سے دفاع ہے۔ اس کے فرض ہونے پر اجماع ہے۔ پس وہ حملہ آور دشمن جو دین اور دنیا، دونوں کی تباہی کا سبب ہو، اس کا مقابلہ

[٤] غياث الأمم في التياث الظلم (٢٥٨) مكتبة إمام الحرمين
[٥] الجامع لأحكام القرآن (٨/١٥١)
[٦] الفتاوى الكبرى (٥/٥٣٨) دار الكتب العلمية

> کرنا ایمان کے بعد اہم ترین فرض ہے۔ اس کی فرضیت میں کوئی شرط نہیں، بلکہ اسے حسبِ استطاعت ادا کیا جائے گا۔‘‘

یہ مسئلہ ہمیشہ سے تمام مسلمانوں پر واضح رہا تھا، لیکن خلافت کے سقوط کے بعد اور دورِ استعمار کی مغلوبیت کے بعد یہ مسئلہ بھی رفتہ رفتہ مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل ہوتا گیا۔ دار الاسلام کے بعض علاقوں میں مسلمانوں نے حملہ آور کافروں کا تسلط مکمل ہو جانے کے بعد انہیں اپنا حاکم مان لیا اور ان سے امن کا معاہدہ کر کے اس علاقے کو دار الامن قرار دے دیا اور حملہ آور کفار کے خلاف جہاد کو معطل کر دیا۔ حالانکہ جو فقہائے کرام حملہ کے وقت جہاد کی فرضیت کا فتویٰ بالاتفاق دے رہے تھے تو کیا ان کے یہاں اس بات کی کوئی گنجائش بنتی تھی کہ جب کفار قبضہ مکمل کر لیں، وہاں حاکم بن بیٹھیں اور ان علاقوں کو دار الکفر بنا دیں تو پھر جہاد ختم اور ان کی حکومت تسلیم کر لی جائے؟ حاکم و محکوم اور قاہر و مقہور کے درمیان ایسے کسی معاہدے کی بھلا اسلام میں کیا گنجائش ہوتی تھی؟

دوسری طرف دار الاسلام کے بعض علاقوں پر کفار نے قبضہ مکمل کرنے اور وہاں اپنا کفری نظام اور کفری قوانین جاری کرنے کے بعد انہیں اپنے وفادار نام نہاد مسلمانوں کے حوالے کر دیا، اور وہاں بھی جہاد اس لیے معطل ہو گیا کہ اب حکمران نام نہاد مسلمان تھے، حالانکہ وہ اسلام کی بجائے کفر سے وفادار اور کفار کے قوانین (یعنی سیکولر نظام اور قوانین) کے محافظ تھے۔ تو امت کے تمام فقہائے کرام نے کفار کے حملہ آور ہونے کے وقت جہاد کی فرضیت کا جو فتویٰ دیا تھا، تو کیا وہ محض اس لیے تھا کہ دار الاسلام سے کفار بے دخل ہو جائیں اور وہاں کفار کے قوانین جاری کر کے انہیں دار الکفر بنا دیا جائے اور پھر رہنے دیا جائے؟ حاشا وکلا! ایسا قطعاً نہیں تھا۔ جہاد کی فرضیت کا تو مقصد ہی یہ تھا کہ وہاں مسلمانوں کی جان و مال محفوظ ہو جائے اور وہاں اسلام کی سرکوبی کا جو خطرہ ہے وہ رفع ہو جائے اور اسلام کا کلمہ بلند ہو جائے، اسلامی احکام نافذ ہو جائیں اور مسلمانوں کے لیے اپنے دین پر مکمل عمل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

> قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: {وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ} [الأنفال: ٣٩] فَإِذَا كَانَ بَعْضُ الدِّينِ لِلَّهِ وَبَعْضُهُ لِغَيْرِ اللَّهِ وَجَبَ الْقِتَالُ حَتَّى يَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ.[٧]
>
> ’’اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: [اور ان کے خلاف قتال کرو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور اللہ کا دین پورا کا پورا نافذ ہو جائے] پس جب کچھ دین اللہ کا نافذ ہو اور کچھ دین غیر اللہ کا نافذ ہو، تو اس وقت بھی قتال فرض ہے، یہاں تک کہ دین پورا اللہ کا نافذ ہو جائے‘‘۔

آج کے دور میں، خصوصاً فلسطین میں اسرائیل کی جارحیت اور مسلمانوں پر مظالم کو دیکھ کر، ہر مسلمان یہ جان گیا ہے کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کھلی صلیبی و صہیونی جنگ ہے۔ ہر طرف مسلمانوں کے علاقے جو کفار نے اپنے قبضے میں لے رکھے ہیں، یہ سب اسی جنگ کا حصہ ہیں۔ پس مسلمانوں پر آج کے دور میں صلیبی و صہیونی کفار کے خلاف جہاد فرضِ عین ہے، یہاں تک کہ مسلمانوں کے تمام مقبوضہ مقدسات اور علاقے واپس مسلمانوں کے ہاتھ نہ آ جائیں اور وہاں اسلام غالب و نافذ نہ ہو جائے۔

اور یہ بھی ہر مسلمان دیکھ رہا ہے کہ مسلمانوں پر مسلط اکثر نام نہاد حکمران اور افواج اس صلیبی صہیونی جنگ میں کفار کی صف میں کھڑے ہیں۔ ایک طرف وہ براہ راست کفر کے تعاون کے لیے اپنی جانی و مالی خدمات فراہم کرتے ہیں، جیسا کہ اس وقت غزہ میں مجاہدین کی سرکوبی اور اسرائیل کے دفاع کے لیے مسلم ممالک کی افواج کو بھیجا جا رہا ہے، اور دوسری طرف یہ مسلم ملکوں میں کفری، لادین، نظامِ حکومت و قوانین کو اپنی قوت سے نافذ کرتے ہیں۔

لہٰذا آج کی پندرہویں صدی ہجری میں مسلمانوں پر جہاد فرضِ عین ہے، یہاں تک کہ اندلس و اقصیٰ و ہندوستان کفار کے تسلط سے آزاد نہ ہو جائیں، اور یہاں تک کہ ازبکستان، تاجکستان، ترکی و سعودیہ، پاکستان و بنگلہ دیش و دیگر مسلم ممالک میں اسلام غالب و نافذ نہ ہو جائے۔

اس دور میں دینِ اسلام کا تقاضا ہے کہ اس عالمی صلیبی و صہیونی جنگ میں مسلمان بطورِ امت مقابلے میں کھڑے ہوں۔ اور ہر مسلمان دوسرے مسلمان کی تقویت کا باعث بنے۔ اس موقع پر ہم جہاد سے وابستہ ان افراد اور جماعتوں سے عرض کرتے ہیں، جو دنیا کے ائمہ کفر کے خلاف جہاد کرنا چاہتے ہیں، لیکن وہ یہ جہاد مقامی لادین حکمرانوں اور افواج کی مدد سے کرنا چاہتے ہیں، کہ جب ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اس دور کی صلیبی و صہیونی جنگ میں ہماری گردنوں پر مسلط حکمران اور افواج اسلام اور مسلمانوں کی نہیں، بلکہ اپنے مغربی صلیبی آقاؤں کی غلام و ایجنٹ ہیں اور یہ اسلام کے مقابل صلیبی صف میں کھڑی ہیں، تو کیا یہ معقول بات ہے کہ صلیبی و صہیونی دشمن سے لڑنے کے لیے ان کا سہارا لیا جائے۔ ہرگز نہیں! جاننا چاہیے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو صلیبی آقاؤں کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کے دفاع میں اپنی جانیں قربان کرتے ہیں۔ آج صلیبی و صہیونی دشمنوں کے مقابلے میں جہاد اس وقت تک ہو نہیں سکتا جب تک انہیں راستے سے ہٹا نہ دیا جائے۔

اسی طرح ہم جہاد سے وابستہ ان افراد اور جماعتوں سے بھی عرض کرنا چاہتے ہیں، جو مقامی طواغیت کے خلاف جہاد کرنا چاہتے ہیں، مگر اس کے لیے عالمی کفری طاقتوں سے مدد و تعاون کے خواہاں ہیں، کہ برادران عزیز! کیا یہ بات قابلِ فہم ہے کہ جو برائی کی اصل جڑ ہیں ان کے خلاف جہاد سے روگردانی کی جائے، جن کے خلاف اول جہاد فرض ہے ان سے تعاون لینے کا راستہ اپنایا جائے، اور ان کے تعاون سے مقامی طواغیت کے خلاف جہاد کیا جائے؟ یہ تو خود عالمی طاقتوں کی سازش اور چال ہے کہ وہ مسلمانوں کو جنگوں میں ایسی جگہ اتاریں جہاں

---

[٧] الفتاوی الکبری (٣/٥٣٥)

ان کے اپنے مفادات وابستہ ہوں، تاکہ ایک طرف وہ جہاد کے ثمرات کو ضائع کر کے اپنے مفادات پورے کریں اور دوسری طرف اپنے آپ کو مسلمانوں کی جہادی ضربوں سے محفوظ رکھ سکیں۔

سمجھنے کی ضرورت ہے کہ آج عالمی صلیبی صہیونی جنگ کا مقابلہ مسلمان اسی صورت میں کر سکتے ہیں جب تمام مسلمانوں کی قوت کو جمع کیا جائے، اور عالمی کفری طاقتوں کو یہ موقع نہ دیا جائے کہ وہ مسلمانوں میں تفریق پیدا کریں اور مسلمانوں کے جہاد کے ثمرات اپنے مفاد میں استعمال کر لیں۔

یہ حقیقت ہے کہ جہاد کی فرضیت کی ادائیگی حسبِ استطاعت ہے، اور عقل و فہم اور شریعت کا علم رکھنے والا کوئی بھی شخص یہ نہیں کہتا کہ کوئی مجاہد ایک وقت میں ہر جگہ لڑنے نکل کھڑا ہو اور ایک وقت میں ہر ایک دشمن سے لڑنے لگے، اور نہ ہی یہ کہ ہر وقت ہی کوئی لڑے اور کبھی کسی سے، اسلام اور جہاد کی مصلحت میں، جنگ بندی یا صلح نہ کرے۔ بلکہ چاہیے کہ مجاہدین کا کوئی بھی گروہ یا جماعت جس علاقے میں استطاعت رکھتی ہو، وہاں جہاد فی سبیل اللہ و علی منہاج النبوۃ کے لیے بر سرِ عمل ہو جائے۔ اور دنیا کے مختلف خطوں میں بر سرِ جہاد جماعتیں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کو بڑھائیں اور ایک دوسرے کی تقویت کا باعث بنیں۔ یوں امت کی سطح پر مجاہدین کی قوت بنے گی، اور وہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ اس زمانے میں جہاد کی فرضیت کی ادائیگی، مظلوم مسلمانوں کی نصرت اور اسلام کے غلبے کا عائد فرض ادا کر سکیں۔

آخر میں یہ نکتہ بھی ہم واضح کرنا چاہتے ہیں کہ عام مسلمان پر اس دور میں جو جہاد فرضِ عین ہے، جیسا کہ ہم نے اوپر واضح کر دیا، اس کی ادائیگی اور اپنے فرض سے سبکدوش ہونے کا راستہ یہ ہے کہ یا تو وہ دنیا بھر میں سجے جہادی میدانوں کی طرف نکل کھڑا ہو اور وہاں بنفسِ نفیس جہاد میں شریک ہو جائے، اور یا وہ کسی بھی جہادی جماعت سے وابستہ ہو جائے اور انہیں اپنا آپ سپرد کر دے، کہ وہ مصلحتِ جہاد کے مطابق اس مسلمان سے کام لے سکیں۔[۸] ان دو صورتوں کے علاوہ کوئی صورت ایسی نظر نہیں آتی کہ امت کا درد رکھنے والا کوئی بھی مسلمان، جس کے گلے میں جہاد کی فرضیت کا طوق ہے، اس فرض سے سبکدوش ہو سکے اور خود کو تارکینِ جہاد کی صف سے نکال سکے۔

یہ آسان معاملہ نہیں ہے۔ یقیناً جہاد فی سبیل اللہ اسلام کے سر کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ ہر مسلمان سے قربانی کا مطالبہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ کا شوق نصیب فرمائیں، دنیا کی محبت ہمارے دلوں سے نکال دیں، شہادت کی خواہش دلوں میں زندہ کر دیں، اور ہمیں جہاد فی سبیل اللہ میں نکلنے اور نکلنے کے بعد ثابت قدم رہنے کی توفیق نصیب فرمائیں، آمین۔ اللہ تعالیٰ اسلام اور اہلِ اسلام کو معزز فرمائیں، اور کفر اور اہلِ کفر و نفاق کو ذلیل و رسوا فرمائیں، آمین۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان اعمال کی توفیق نصیب فرمائیں جو اسے راضی کر دیں، اور ہمیں اخلاصِ نیت کے ساتھ اور شریعت کے احکامات کے مطابق جہاد کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، اور اسی راستے میں مقبول شہادت، مقبلاً غیر مدبر، نصیب فرمائیں، آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، وصلى الله تعالى على نبينا الأمين۔

☆☆☆☆☆

ظالموں کے لیے بد دعا کرنا

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے امور میں جن افراد کو ذمہ داری سونپی ہے، اُن میں سے جس شخص کی سرکشی واضح ہو جائے، کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی تو نہ کرے بلکہ ان کے ساتھ خیانت کرے اور ان پر ظلم ڈھائے، تو ایسے لوگوں کے لیے استغفار کرنا اور ان کے حق میں دعا کرنا بالکل بھی ٹھیک نہیں۔

کیونکہ مومن جانتا ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے ایسے لوگوں کے خلاف بد دعا کی ہے۔ تو اگر تم ان کے لیے دعا کرو جن کے خلاف رسول اللہ ﷺ نے بد دعا فرمائی ہے تو یہ رسول اللہ ﷺ کی بے ادبی ہے۔

اور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

”اے اللہ! میری امت کے معاملات میں سے جو کوئی کسی چیز کا ذمہ دار بنے اور وہ ان پر سختی کرے تو تو بھی اس پر سختی فرما۔“

تو جب رسول اللہ ﷺ اس کے خلاف بد دعا کرتے ہیں اور تم اس کے لیے نرمی (آسان معاملے) کی دعا کرتے ہو، تو یہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بے ادبی ہے۔

اور یہ بات تو معلوم ہے کہ ظالموں کے لیے بد دعا کرنا جائز ہے، یعنی یہ بھی ان کے خلاف جہاد کی ایک صورت ہے۔

(الشیخ محمد الحسن الددو حفظہ اللہ)

[۸] یہ حکم استاد احمد فاروق شہید رحمۃ اللہ علیہ بیان فرمایا کرتے تھے اور آپ شیخ ابو یحییٰ شہید رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا کرتے تھے۔ البتہ خود استاد احمد فاروق شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بندہ سے فرمایا تھا کہ اس میں شیخ عطیۃ اللہ شہید رحمۃ اللہ علیہ یہ استثناء بیان کرتے تھے کہ امت کی سطح پر موجود کبار علمائے کرام کو کسی خاص جماعت میں شامل ہونے کا پابند نہیں کیا جا سکتا، جنہیں امت کے عوام و خواص اور مجاہدین کی رہنمائی کی مسند پر اللہ تعالیٰ نے فائز کیا ہو اور جو خود جہادی جماعتوں میں بھی قربت و وحدت لانے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ ایسے کبار علمائے کرام بہتر سمجھتے ہیں کہ ان کے لیے جہاد کے حوالے سے کیا کام کرنا اہم ہے اور وہ یہ کام کس طریقے سے کر سکتے ہیں، تو یہ ان کے حق میں فرضیت کی ادائیگی کے لیے کافی ہے۔ واللہ اعلم!

گوشۂ افکارِ شاعرِ اسلام

علامہ محمد اقبالؒ

تشریح و ترجمانی: محمد عفّان عثمان جے پوری

یہ پیام دے گئی ہے مجھے بادِ صبح گاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی

تری زندگی اسی سے، تری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی، نہ رہی تو رُوسیاہی

نہ دیا نشانِ منزل مجھے اے حکیم تُو نے
مجھے کیا گلہ ہو تجھ سے، تُو نہ رہ نشیں نہ راہی

مرے حلقۂ سخن میں ابھی زیرِ تربیت ہیں
وہ گدا کہ جانتے ہیں رہ و رسمِ کجکلاہی

یہ معاملے ہیں نازک، جو تری رضا ہو تُو کر
کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریقِ خانقاہی

تُو ہُما کا ہے شکاری، ابھی ابتدا ہے تیری
نہیں مصلحت سے خالی یہ جہانِ مُرغ و ماہی

تُو عرب ہو یا عجم ہو، ترا 'لا الٰہ الّا'
لُغتِ غریب، جب تک ترا دل نہ دے گواہی

محمد اقبال

خودی، اپنے آپ کی پہچان کا نام ہے۔ اپنی تخلیق میں ڈوب کر خالق کو جاننے، پہچاننے اور ماننے کا نام۔ جو اس خودی کو جان گیا تو وہ مقام میں پادشاہوں سے کم نہیں۔ دنیا کے ہر علم و فن کا مقصدِ حقیقی عرفانِ الٰہی ہے، عرفانِ الٰہی ہی کا نام خودی ہے۔ اب تیری عزت و آبرو اگر قائم ہے تو اسی خودی سے اور اگر یہ خودی چلی گئی تو تیرا مقدر رُوسیاہی ہے، چاہے تو ظاہر میں کیسا ہی بادشاہ و امیر ہو!

حکیموں اور گتھیوں کو سلجھانے والے فلسفیوں سے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر وقت کے اماموں، قائدین و سرداروں سے اقبالؒ مخاطب ہے۔ اے میر زمانہ، اے قافلہ سالار! تُو نے مجھے اور میری قوم کو کچھ منزل کا پتہ نہیں دیا، تُو نے کچھ نہ بتایا کہ منزل کیا ہے اور اس منزل پر پہنچنے کا طریقہ کیا ہے۔ تُو نے ہادی (علیہ اَلف صلاۃ وسلام) کا طریقہ چھوڑا اور قوم کو سرابوں کے پیچھے دوڑایا، میدان کے بجائے پارلیمان کی راہیں دکھائیں۔ لیکن اے میر زمانہ! اے رہبر ملت! مجھے تجھ سے کچھ گلہ نہیں ہے۔ تُو تو خود انہی سرابوں میں بھٹک رہا ہے، تُو تو خود کبھی اس راہِ الفت کے پاس آیا ہی نہیں، تُو نے تو خود سفر کا ارادہ نہیں کیا، تجھ سے کیسا شکوہ!؟

اقبالؒ کہتا ہے، اقبال یعنی بلندی، بلندی کا پیغام کہتا ہے کہ وہ وقت قریب آ پہنچا ہے کہ بلندی کے طریقوں پر چلنے والوں کی تربیت گاہوں سے ایسے قائد و سپاہی نکلیں گے، ایسے فقیر و درویش برآمد ہوں گے جو آن کی آن میں سب دنیا کے بادشاہوں کا دھڑن تختہ کر دیں گے، انہی فقیروں کے سر پر تاجِ شاہی رکھا جائے گا جن کا نعرہ 'لا غالب الا ھو' ہو گا۔

جا بجا اقبالؒ ایک ہی بات بار بار کہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ سب اپنے اپنے حجروں سے نکلو، یہ جمود توڑو، یہ وقت علم کلام و لاہوت کی بحثوں کا نہیں، رہبان باللیل بننا ہے تو ساتھ میں فرسان بالنہار بھی بنو، سید احمد شہید بنو، شاہ اسماعیل شہید بنو، نکل کر خانقاہوں سے رسمِ شبّیری ادا کرو!

گرد و پیش کے حالات، اصولِ کائنات، نظم و انتظامِ جہان سے ناآشنا ہو کر جو بھی بلندی و کامیابی کے خواب دیکھتا ہے تو اس کا مقدر ناکامی ہے۔ تُو ہما کا شکار کر رہا ہے، اس تخیلاتی پرندے کا کہ بے عمل لوگ جس کے سائے کو ڈھونڈتے ہیں، کہ اگر اس کا سایہ کسی پر پڑ جائے تو وہ بادشاہ بن جائے، نہیں! عمل کی دنیا میں آ، یہ دنیا اسباب کی دنیا ہے، توکل تو اسباب اختیار کر کے بھروسے کا نام ہے، ہوائی قلعوں کی تعمیر کا نام نہیں۔

زبان کے لیے دل کی رفاقت بڑی لازمی چیز ہے۔ ساری کائنات ایک طرف اور کلمۂ توحید 'لا الٰہ الا اللہ' دوسری طرف۔ ایسا عظیم کلمہ بھی اگر تیرے پاس ہو اور وردِ زباں ہو تو تیرے ہاتھ تب تک کچھ نہ آئے گا جب تک کہ تیرا دل اس 'لا الٰہ الا اللہ' کی گواہی نہ دے۔ اور جس کی زبان اور دل اس کلمے کی گواہی دیں تو پھر وہ عرب ہو یا عجم ہو، کالا ہو یا گورا ہو، اس کا فتح یاب ہونا اصلی، سچی حقیقت ہے!

☆☆☆☆☆

محبت کا اصل محور خدا کی ذات ہوتا ہے
جو اس راہ سے ہٹا ہے اس کا سودا خام ہوتا ہے

یہی حاصل ہماری جا بجا رسوائیوں کا ہے
یہاں صلّے علی، صلّے علی سے کام ہوتا ہے

”اس لیے کہ ہماری تلوار ہمارے ہاتھ میں ہے!“

ایک ساتھی نے بتایا کہ امارتِ اسلامیہ کے کسی ذمہ دار سے ایک سعودی سفارت کار کی ملاقات ہوئی۔ سعودی سفارت کار نے کہا:

”آپ (امارتِ اسلامیہ) کے جھنڈے میں سعودی عرب کے جھنڈے کی طرح تلوار کیوں نہیں ہے؟“

امارتِ اسلامی کے ذمہ دار:

”اس لیے کہ ہماری تلوار ہمارے ہاتھ میں ہے!“

محبوب سے باتیں......

اللہ پاک کا سورۃ طہ میں ارشاد ہے:

﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ﴾

”اور یہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے، اے موسیٰ؟“

علماء کہتے ہیں کہ اللہ پاک موسیٰ علیہ السلام سے یہ بھی پوچھ سکتے تھے کہ ”ماھذا“ یہ کیا ہے؟ یا کوئی اور مختصر جملے پر مبنی سوال۔

لیکن جب محبت ہو تو محبوب سے لمبی بات کی جاتی ہے۔ اللہ پاک نے لمبا سوال فرمایا۔ اور دوسری طرف محبوب کو دیکھیے انہوں نے بھی بس یہ نہ کہا کہ یہ لاٹھی ہے۔ بلکہ فرمایا:

﴿هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ﴾

”یہ میرا عصا ہے، میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں، اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں، اور بھی بہت سے کام ہیں جو میں اس سے لیتا ہوں۔“

عشاق جانتے ہیں کہ محبوب سے باتیں کرنا اور اس کی باتیں سننا کس قدر پسندیدہ عمل ہوتا ہے۔

کیا ہمیں اپنے محبوب مالک سے ایسی محبت ہے؟ کیا ہم اس کی باتیں یعنی قرآن زیادہ زیادہ اور اس سے باتیں یعنی نمازیں لمبی لمبی پڑھتے ہیں؟

شاعر و ادیب

ایک شاعر و ادیب مجاہد سے آج صبح ملاقات ہوئی تو کہنے لگا:

ہم نے سوچا تھا کہ شاعر بنیں گے، یا ادیب......

کسی دن اردو بازار لاہور کی گلیوں میں بھٹکیں گے......

کچھ صبحیں، کوئی شامیں اردو بازار کی کسی ظاہر میں تنگ عرض لیکن باطن میں کشادہ دامن دکان میں گزاریں گے...... شاید مکتبہ سید احمد شہید میں......

کوئی ادبی فن پارہ نہ سہی، کوئی شعری ہائیکو ہی سہی، قلم سے بر آمد ہو گا......

مگر ہمارا شوق پیچھے رہ گیا، اور ہمیں بھی کچھ اچھے لوگوں کے ساتھ، ہم پر عائد فریضہ...... کشاں کشاں صحراؤں، دشتوں، پہاڑوں اور وادیوں کی جانب لے آیا۔

وماتوفیقی الا باللہ!

ملا بریڈلی

وقت کے ”ملا بریڈلی“ کو مغربی اداروں کا بار بار ”ملا عمر“ باور کروانا اور ملا بریڈلی کا بھی امریکی اتحاد میں باضابطہ شمولیت کے بعد کچھ کچھ ”جہادی“ ایکشن دکھانا اور کچھ ہو نہ ہو مسلمانِ سادہ کو اس دھوکے میں مبتلا رکھنے کی خاطر ہے کہ یہ سب اسلامی انقلاب ہے، ورنہ اسلامی انقلاب نہ خمینی رافضی-مجوسیت کے ساتھ لایا (کفرِ بغضِ شیخین کے ساتھ لایا جا سکتا ہی نہیں ہے) نہ ملا بریڈلی اینٹی-رافضیت ”بیانیے“ کے ساتھ آج لایا ہے!

ابراہیم تا نبینا محمد علیہم الصلاۃ والسلام نے ہر کفرِ ظاہر و باطن اور ہر شرکِ اصغر و اکبر سے قولی و فعلی براءت کی۔

اللہ کی شریعت ظاہر پر پرکھ کر فیصلہ کرتی ہے، قلبو میٹر کسی کے پاس نہیں کہ کوئی امریکی اتحادی بن جائے، LGBTQ+ کے حامیوں کو اپنا وزیر و مشیر بنائے، شریعت کی جگہ جمہوریت نافذ کرے، اس سب کو pragmatism کہے اور ہم اس کے ہاتھوں خلافۃ علی منہاج النبوۃ کے قیام کی امیدیں رکھیں۔

بڑی بڑی بڑھکیں ضیاء الحق تا اردگان اس امت نے بہت سے سرابوں سے پہلے ہی بہت سن رکھی ہیں۔

آج کے دانش ور ہوتے تو ابراہیم علیہ السلام کو بھی سمجھاتے، ان دانش وروں کی سنی جاتی تو یحییٰ علیہ السلام تا حسین رضی اللہ عنہ، کسی کا سر کاٹ کر طشتریوں میں رکھ کر حکمرانوں کو پیش نہ کیا جاتا۔

یہ دنیا جائے امتحان ہے، یہاں مقصدِ اصلی اللہ کی عبادت ہے، پھر اس عبادت سے دینُ اللہ نافذ ہو جائے تو کیا کہنے، ورنہ pragmatic اپروچ کے ساتھ مسلمانوں کی حکومت (نہ کہ اسلامی حکومت) قائم کرنا مسلمانوں کی مکلفیت نہیں۔

منافق!

آج کل کے حکمرانوں کو ایوانِ حکومت میں شریعت کے بجائے سیکولر ازم، جمہوریت و سرمایہ داری نافذ کرتے، امریکی تحالف (اتحاد) کا حصہ بنتے، طائفۂ منصورہ کے علماء و مجاہدین کو قتل کرتے اور پھر ساتھ ہی عالمِ اسلام کی تاریخی مسجدوں میں ختمِ قرآن کرتے اور محرابوں میں خوش الحانی سے نمازوں کی امامت کرتے دیکھ کر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان ذہن میں گونجنے لگتا ہے:

«أكثرُ منافقي أمتي قُرّاؤها» (مسند أحمد)

”میری امت کے منافقوں کی اکثریت قراء (یعنی ان قرآن پڑھنے والوں جن کا عمل تعلیماتِ قرآنی سے خالی ہو گا) میں سے ہو گی۔“

ابو عبیدہ شہید سے ایک ملاقات

علی الصباح #ابو_عبیدۃ سے ملاقات ہوئی۔

اس نے حال پوچھا۔

میں نے کہا: دل چاہتا ہے کہ آج تمہاری شہادت کے بعد میں منوں مٹی تلے ہوتا، تمہارے بعد جینا بھی بھلا کوئی جینا ہے؟!

ابو عبیدہ نے کہا:

میرا پیغام تو جہاد ہے: فتح یا شہادت۔ اگر جہاد سے تائب ہو گئے ہو تو سچ کہتے ہو، بنا جہاد کے اس مٹی کے جسم کو ڈھونے سے بہتر ہے کہ منوں مٹی تلے جا کر سو جاؤ۔ لیکن اگر میری راہ کے سالک ہو، مجاہد فی سبیل اللہ ہو تو بدر و احد والی اس راہ پر ڈٹے رہو اور اس بدر و احد کے بعد منوں مٹی تلے نہیں، عرش تلے معلق قندیلوں میں آبسنا۔

میرے احباء یا تو جہادی وردی میں لڑتے ملیں گے یا مر کر بھی جو نہ مریں کے زمرے میں۔

تم پر تو اپنی کرنی کرنا لازم ہے، تم اپنا جہاد جاری رکھو، وإنه لجهاد نصرٌ أو استشهاد!

یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تُو ہے!

ہم سنتے ہیں کہ فلاں موقع پر، فلاں عمر کے حصے میں، فلاں وقت میں، ایسے حالات میں، وغیرہ یہ اور یہ ممکن نہیں۔

اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو تب اولاد دی جب وہ بوڑھے تھے اور سارہ علیہا السلام بانجھ ہو چکی تھیں۔

یہی حال حضرت زکریا علیہ السلام کا تھا جب ان کو یحییٰ علیہ السلام کی بشارت دی گئی۔

مریم علیہا السلام غیر شادی شدہ تھیں تو ان کو عیسیٰ علیہ السلام عطا کیے گئے۔

جب مالک، اللہ جَلَّ جَلَالُهُ ہے تو پھر اس کے عطا کرنے میں نہیں، ہمارے مانگنے اور طلب کرنے میں کمی ہے۔

اپنے اپنے شہید

امت کے حالیہ غموں، پریشانیوں اور مسائل میں سے ایک ہر قوم، ہر تنظیم، ہر مسلک اور ہر مکتبۂ فکر کے افراد کا ”محض“ اپنے اپنے شہداء کو promote کرنا بھی ہے۔ یہ پروموٹ کرنا اگر صرف پروموٹ کرنا ہو تا تو شاید حرج نہ تھا۔

لیکن، اس کے ساتھ دیگر کو negate کرنا یا ان کی قربانی کو قربانی نہ جاننا اصل مسئلہ ہے۔

شاید اس رویے کا اصل سبب تعصب ہے۔ وہ تعصب جس سے ہمارے شہداء پاک تھے (نحسبهم كذلك) سید قطب سے عزام تک اور اسامہ سے سنوار تک، سبھی کا مقصد غاصبوں کی بربادی اور اسلام کا غلبہ تھا۔

ناکامی کے چند اسباب

چھوٹی بات کو بڑا اور بڑے مسائل کو معمولی سمجھ لینا۔ دسویں درجے کے کام کو اوّلین ترجیح دینا، اور اوّلین درجے کے کام کو دسویں نمبر پر ڈال دینا۔ پسند و ناپسند کی خاطر ہر اصول اور ہر قانون توڑ دینا۔ تربیت کے بجائے جبر، اور اصلاح کے بجائے سختی اختیار کرنا۔ اپنی غلطیوں کی ذمہ داری قبول کرنے کے بجائے خدائی کا اعلان کرنا۔ اپنے آپ کو معذور، اور دوسروں کو مجبور و مکلف سمجھنا۔ اپنے جرم کو معاف کر دینا، اور دوسرے کو گناہ پر مستحق سزا ٹھہرانا۔

(لطف اللہ خیر خواہ کی ایک ٹویٹ کا ترجمہ)

کفر فحاشی سے بڑا جرم ہے!

جب سٹیفن ہاکنگ مرا تو سوشل میڈیا پر یہ اختلاف چھا گیا کہ کیا اس کے لیے رحمت کی دعا (RIP) کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اور کچھ لوگ یہ کہہ کر جواز پیش کرتے رہے کہ وہ ”اچھا آدمی“ تھا اور ”مسئلۂ فلسطین کے بارے میں اس کا موقف اچھا تھا“!

یہ حقیقت کہ اس آدمی کی اولین ترجیحات میں لوگوں کو ”جعلی سائنس“ کے ذریعے اس بات پر قائل کرنا شامل تھا کہ نہ کوئی خدا ہے اور نہ آخرت... مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو یہ قائل کرنے کے لیے کافی نہ تھی کہ یہ شخص لائقِ احترام نہیں اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہے۔

اب، جب ہاکنگ کی اخلاقی گراوٹ کا انکشاف ایپسٹین کی دلدل میں ہوا، تو وہ سب کے نزدیک مذاق، ٹھٹھا اور گالی بن گیا ہے، اور اب کسی ایسے شخص کو تلاش کرنا ناممکن ہو گیا ہے جو اس کا دفاع کرے یا زبردستی اسے جنت میں داخل کرنے کی کوشش کرے!

اس ہلاک شدہ شخص کی اخلاقی گراوٹ پر لوگوں کا غصہ اچھی بات ہے، لیکن اگر اللہ کے انکار کی اس کی دعوت پر ان کا غصہ اس سے زیادہ شدید نہ ہو تو یہ ہمارے میزانِ عدل میں بگاڑ کی نشانی ہے۔

میزانِ حق اللہ حکیم و علیم کا میزان ہے۔

اللہ کے میزان میں، اگر یہ ہلاک شدہ شخص ہزاروں بے گناہ جانیں بھی قتل کر دیتا تو یہ اس کے کفر کی نسبت ہلکا جرم ہوتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: والفتنة أشد من القتل (اور کفر کا فتنہ قتل سے شدید تر ہے)۔

پس لوگوں کو اللہ پر ایمان سے پھیرنا اور اس کے انکار کی دعوت دینا، انہیں قتل کرنے اور Epstein Files کی فواحش سے کہیں زیادہ شدید، زیادہ قبیح اور زیادہ بڑا جرم ہے۔

(شیخ ایاد قنیبی کی ایک تحریر کا ترجمہ)

یومِ یکجہتیٔ کشمیر

پانچ فروری، علی الصباح، آج سے پچیس سال قبل، اسلام آباد میں (تب کی) اسلام آباد ہائی وے پر ایک بچہ اپنے والد کے ساتھ گاڑی پر سفر کر رہا تھا، ہوا میں خنکی تھی۔ G-7 و G-8 کی طرف سے (اس زمانے کے) زیرو پوائنٹ کی طرف گاڑی چل رہی تھی۔

دائیں بائیں کچھ زمین میں گڑے کتبے لگے تھے جن پر مختلف نعرے درج تھے، یومِ یکجہتیٔ کشمیر، کشمیر بنے گا پاکستان، وغیرہ وغیرہ۔ یہ بچہ گزشتہ رات بھی یہاں سے گزرا تھا تب یہاں کوئی کتبہ نہ تھا۔

بچے نے حیرت سے اپنے والد سے سوال کیا: ”ابو! یہ کتبے یہاں راتوں رات کون لگا گیا ہے؟“، جواب ملا: ”بیٹا! وہ لوگ جو کشمیر کو آزاد ہوتا نہیں دیکھنا چاہتے“۔

بچہ حیران ہوا اور پھر تب سے اب تک اس کی سمجھ میں بہت بہت کچھ، آہستہ آہستہ، آتا گیا۔

پچیس سال قبل کے اس پانچ فروری کا قصہ ختم ہوا، لیکن کشمیر سے غداری کا قصہ ابھی جاری ہے، بلکہ یہ غداری اب اسلام سے غداری بن چکی ہے۔ جہادِ کشمیر کو abandon کرنے سے ”وار آن ٹیرر“ اور اب ”بورڈ آف پیس“ کی صورت میں غزہ، فلسطین، القدس اور مسجدِ اقصیٰ سے دغا کا سلسلہ جاری ہے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: امنیت (سکیورٹی)

خلاصہ

۱) اپنی ذات، اپنے کام اور دوسروں کے کام سے متعلق معلومات کبھی بیان نہ کریں۔

۲) ’معلومات بقدرِ ضرورت‘ کے قاعدے کا لحاظ رکھیں۔

۳) کسی بھی قسم کی خفیہ معلومات اپنے گھر نہ لے کر جائیں، چاہے ان کا مطالعہ ہی مقصود ہو۔

۴) خواہ مخواہ مشتعل ہونے اور غصہ کرنے سے اجتناب کریں۔

۵) کبھی بلند آواز سے گفتگو نہ کریں ہمیشہ پست آواز میں بات کریں۔

۶) فون (اور انٹرنیٹ) کی نگرانی اور ریکارڈنگ سے بچنے کے لیے احتیاط کریں۔

۷) کسی بھی قسم کے خفیہ کاغذات اپنے ساتھ لے کر نہ پھریں بلکہ انہیں مناسب خفیہ جگہ پر حفاظت کے ساتھ رکھیں۔

۸) خفیہ معلومات کی جگہوں کو مکمل طور پر بند کر لیں اور ان کی حفاظت کا یقین حاصل کر لیں، مثلاً سیف، یا کوئی دوسری خفیہ جگہیں (مثلاً کمپیوٹر میں انکرپٹڈ کنٹینر) وغیرہ۔

۹) اپنے خلاف جاسوسی کے آلات اور ان کے وسائل سے بچیں۔

۱۰) اپنے کام کی جگہ پر داخل ہونے سے قبل جاسوسی کے آلات و وسائل کی اچھی طرح سے تفتیش کر لیں۔

۱۱) بالعموم مزاج پر اثر ڈالنے والی چیزوں سے بچیں، مثلاً برے دوست اور بری صحبت وغیرہ۔

۱۲) محلے اور جس جگہ آپ رہائش پذیر ہیں، وہاں ہونے والے مسائل میں عمومی طور پر شرکت سے اجتناب کریں کیونکہ یہ لوگوں کی طبیعت ہے کہ وہ ایسے افراد پر، جو محلے کے کاموں میں زیادہ عمل دخل رکھیں، خواہ مخواہ نظر رکھتے ہیں اور اس سے آپ نظروں میں آ سکتے ہیں اور آپ کی اصلیت کھل سکتی ہے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

اخباری
کالموں کا جائزہ

شاہین صدیقی

عالمی امن بورڈ اور اس کا غزہ پلان

ٹرمپ کی سربراہی میں بورڈ آف پیس کا قیام اور اس بورڈ کے تحت غزہ کے لیے جاری کیا جانے والا ڈویلپمنٹ پلان غزہ کے باسیوں سے ایک انتہائی بھونڈا مذاق ہے۔ اس بورڈ کا تاحیات سربراہ خود ٹرمپ ہے جس کے پاس ہر طرح کے فیصلے کا مکمل اختیار ہے۔ اس کے ماتحت ایک ایزیکٹو بورڈ (executive board) ہے جو ٹرمپ کے منتخب کردہ لوگوں پر مشتمل ہے۔ جبکہ ایک جنرل بورڈ (general board) ہے، جو ممبر ممالک پر مشتمل ہو گا۔ وہ ممبر ممالک جو ۳ سالہ عارضی ممبر شپ پر ہوں گے یا ایک بلین ڈالر دے کر مستقل ممبر بننا چاہیں گے۔

مضحکہ خیز بات یہ بھی ہے اس نام نہاد بورڈ آف پیس کے ۱۱ صفحات پر مبنی چارٹر میں غزہ یا فلسطینیوں کے حقوق کا کوئی ذکر نہیں۔ بلکہ جن لوگوں کو ایگزیکٹو بورڈ میں شامل کیا گیا ہے وہ تمام وہی صہیونی ہیں جنہوں نے غزہ میں پچھلے دو سال سے جاری نسل کشی میں بڑھ چڑھ کر اسرائیل کی حمایت کی۔ جنوری کے آخر میں ڈیوس (سوئٹزرلینڈ) میں اس بورڈ کی افتتاحیہ تقریب ہوئی جس میں ٹرمپ کے داماد یہودی جیرڈ کشنر نے غزہ کی تعمیر نو سے متعلق تصوراتی پلان پیش کیا۔ جہاں خود فلسطینیوں کو کوئی نمائندگی نہ دی گئی وہاں اسرائیل کو باقاعدہ بورڈ کا حصہ بنایا گیا۔ جبکہ افسوس کی بات تو یہ کہ پاکستان سمیت کئی مسلمان ممالک نے اس میں ممبر شپ حاصل کی۔ اگرچہ اس موضوع پر تنقیدی مباحث میڈیا میں زیر گردش رہے لیکن اس خوش فہمی کی ذرہ برابر کوئی گنجائش نہیں کہ مسلمان ممالک کا کردار اس بورڈ میں ٹرمپ صہیونی فیصلوں کی حمایت کرنے کے علاوہ بھی کچھ ہو سکتا ہے اور ٹرمپ کے لیے، جیسا کہ وہ کافی دفعہ ذکر بھی کر چکا ہے، غزہ کی اہمیت ساحلِ سمندر کے ساتھ ایک لگژری ریزورٹ اور رئیل اسٹیٹ بزنس سے کچھ زیادہ نہیں۔ اس کے اپنے الفاظ میں:

> "I'm a real estate person at heart, and it's all about location,... and I said, look at this location on the sea, look at this beautiful piece of property, what it could be for so many people."

اس بورڈ میں موجود ٹرمپ کے منتخب کردہ لوگ کون ہیں اور ٹرمپ کے اصل مقاصد کیا ہیں اور اس کے غزہ پلان کا مستقبل کیا ہو گا؟ اس متعلق مڈل ایسٹ آئی پر ایک پوڈکاسٹ میں تجزیہ کیا گیا۔ جس میں سے منتخب اقتباسات قارئین کے لیے پیش ہیں:

Trump is running Gaza, and the world, like a Mafia Boss | David Hearst

”باقی ماندہ عقل رکھنے ولای دنیا میں، جو کچھ بھی باقی رہ گئی ہے، ’بورڈ آف پیس‘ کو درست طور پر اسی طرح سمجھا جاتا ہے جو وہ اصل میں ہے۔ یعنی اقوامِ متحدہ کو پسِ پشت ڈالنے کی ایک کوشش۔ جہاں تک غزہ کا تعلق ہے، تو بورڈ آف پیس کو ایک بانی ایگزیکٹو بورڈ کا تعاون حاصل ہے، جو ایسے افراد سے بھرا ہوا ہے جو اس بات کے انکاری ہیں کہ غزہ میں نسل کشی ہو رہی تھی، یا ہو رہی ہے۔ ان میں امریکہ کا وزیرِ خارجہ مارکو روبیو،، خصوصی ایلچی اسٹیو وٹکوف، ٹرمپ کا داماد جیرڈ کشنر نیز وال اسٹریٹ کی مالیاتی شخصیت مارک روون جیسے لوگ شامل ہیں، جس نے امریکی یونیورسٹیوں پر فلسطین کی حمایت میں ہونے والے مظاہروں پر پابندی لگانے کے لیے دباؤ ڈالا۔

یہ افراد غزہ اور مغربی کنارے کی تاریخ میں ہونے والی سب سے زیادہ انتہا پسندی اور تشدد کی کی لہر کی حمایت کرتے ہیں۔ یہ لوگ ’عظیم تر اسرائیل‘ کے تصور پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی تمام تر قوت اسرائیل کو خطے کی غالب فوجی قوت کے طور پر قائم کرنے کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ تاہم، اس کے علاوہ ان سب میں مشرقِ وسطیٰ کے بارے میں گہرے تجربے کی کمی بھی مشترک ہے۔ ایگزیکٹو بورڈ میں واحد شخص جسے خطے کا کچھ تجربہ ہے، اگر آپ عراق پر حملہ کرنے اور ایک تباہ کرن سترہ سالہ خانہ جنگی بھڑکانے کو تجربہ کہیں، تو وہ برطانیہ کا اپنا ٹونی بلیئر ہے۔ تاہم بلیئر کسی اور کی نمائندگی نہیں کرتا سوائے اپنی ذات کے۔ برطانوی حکومت نے اس حوالے سے محتاط رویہ اختیار کیا ہے اور خود کو اپنے سابق وزیر اعظم سے دور کر کے یہ بات واضح کی ہے......

......محاصرے کو منظم کیا جائے گا۔ اسرائیلی افواج غزہ کے نصف سے زیادہ حصے پر قابض رہیں گی اور نہ کوئی بین الاقوامی افواج آکر اس گند کو صاف کریں گی، نہ ہی دو ملین سے زیادہ فلسطینیوں کو خیموں سے باہر زندگی گزارنے کی کوئی امید ہو گی۔ بلیئر ان پالیسی سازوں میں سے

ایک تھا جس نے حماس کو اس وقت تک مذاکرات سے باہر رکھنے کی پالیسی مرتب کی تھی، جب تک کہ وہ اسرائیل کو تسلیم نہ کر لے۔ اُس بین الاقوامی معاہدے کی بنیاد پر اسرائیل نے ۲۰۰۶ء میں وہ تباہ کن محاصرہ شروع کیا تھا جب حماس نے فلسطین کی تاریخ میں ہونے والے واحد انتخابات جیت لیے تھے۔ غزہ کی تباہی کے بعد انہی افراد کو جنہوں نے اسرائیل کی توسیع کی حمایت کی 'بورڈ آف پیس' میں مدعو کرنا ایسا ہی ہے جیسے سربیا کے لیڈروں 'سلوبوڈیان ملاسووچ یا رادوان کراڈک یا راڈکو ملاڈک جیسے بوسنیا میں نسلی تطہیر کرنے والوں اور سریبرینیتسا (Srebrenica) میں نسل کشی کے معماروں کو ڈیٹن امن مذاکرات کے لیے مدعو کیا جائے۔

جہاں تک بات ہے ٹرمپ کی تو یہ شخص فلسطینیوں، انصاف، انسانی حقوق یا سردی سے مرنے والے بچوں کے بارے میں فکر مند ہونے کا دکھاوا تک نہیں کرتا۔ ٹرمپ ایک مافیا ڈان ہے جو مطالبہ کرتا رہتا ہے کہ اس کا احترام کیا جائے اور باقاعدگی کے ساتھ ادائیگی کی جائے۔ اپنی ایک پر فریب ٹیم بنا کر اسے 'بورڈ آف پیس' کہہ کر، ٹرمپ ساری دنیا ویسے چلانا چاہتا ہے جیسے وہ امریکہ چلا رہا ہے۔ وہ ایک غنڈہ ہے اور دنیا کی سب سے بڑی فوج اور مغربی بنکاری نظام کا بدمعاش سردار بھی۔ اور اسے لوگوں کا اس کی دھمکیوں کے آگے سر جھکانا بہت پسند ہے۔ اگر ٹرمپ کی ترکیبیں گرین لینڈ والوں اور کینیڈا والوں کو نہیں ڈرا پائیں، تو وہ فلسطینیوں کو بھی نہیں دھمکا سکتیں جنہوں نے ٹیرف سے کہیں زیادہ کچھ دیکھا ہے۔ انہوں نے استعماریت کو، بین الاقوامی مینڈیٹ کو، جلا وطنی کو، فوجی حکومت کو، علیحدگی کی جنگوں کو، اپنے گھروں کے انہدام کو، اپنی زمینوں کی ضبطی کو اور اب نسل کشی کو بھگتا ہے۔ اور اس سب کے باوجود انہوں نے اپنی قومی شناخت کو برقرار رکھا ہے۔ فلسطین کا قضیہ ہر فلسطینی کے دل میں اب پہلے سے بھی زیادہ شدت سے دھڑکتا ہے۔ فلسطینی اس 'بورڈ آف پیس' کو تاریخ کے کچرے دان میں پھینک دیں گے پھر وہ یہی کچھ خود ٹرمپ کے ساتھ بھی کریں گے۔"

[Middle East Eye]

جیرڈ کشنر کے مطابق جب تک حماس غیر مسلح نہیں ہو جاتی تب تک غزہ میں کسی قسم کا تعمیراتی کام شروع نہیں ہو گا۔ ذرا غور کریں کس طرح اسرائیل کی زرد لکیر (Yellow Line) تک موجودگی کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا جبکہ سیز فائر ڈیل کے مطابق جب اسرائیل غزہ کے قبضہ شدہ علاقے خالی کر دے گا تو حماس بھی غیر مسلح ہو جائے گی۔ اور حقیقت میں اسرائیل زرد لکیر (Yellow Line) کو آہستہ آہستہ آگے بڑھا کر مزید علاقہ قبضہ میں لے رہا ہے اور اب تک ساٹھ فیصد سے زیادہ علاقہ ہتھیا چکا ہے۔

ڈاکٹر رمزی بارود اس بورڈ کو ایک مختلف زاویے سے دیکھتے ہیں:

Not a Trump anomaly: The Board of Peace and America's crisis-driven power plays | Dr. Ramzy Baroud

"یہ اقدام تعمیرِ نو یا انصاف کے لیے نہیں، بلکہ غزہ کے مصائب کا استحصال کر کے امریکی قیادت میں ایک نئے عالمی نظام کو مسلط کرنے کی کوشش ہے، پہلے مشرقِ وسطیٰ میں اور پھر بتدریج باقی دنیا میں۔

غزہ کو، جو صرف ۳۶۵ مربع کلومیٹر پر مشتمل ایک محصور خطہ ہے، کسی نئے سیاسی ڈھانچے کی ضرورت نہیں جس میں درجنوں عالمی رہنما شامل ہوں اور جن میں سے ہر ایک مبینہ طور پر ایک ارب ڈالر کی رکنیت فیس ادا کرے۔ غزہ کو تعمیرِ نو درکار ہے، اس کے لوگوں کو ان کے بنیادی حقوق دیے جانے چاہییں، اور اسرائیل کے جرائم کا احتساب ہونا چاہیے۔ اس کے لیے درکار طریقۂ کار پہلے ہی موجود ہیں: اقوامِ متحدہ، بین الاقوامی قانون، دیرینہ انسانی ہمدردی کے ادارے، اور سب سے بڑھ کر خود فلسطینی عوام، جن کی خود مختاریٔ عمل، ثابت قدمی اور اسرائیلی یلغار کے مقابل بقا کی جدوجہد ایک مثال بن چکی ہے۔

'بورڈ آف پیس' ان سب کو نظر انداز کر کے ایک کھوکھلا اور عجلت میں گھڑا گیا ڈھانچہ پیش کرتا ہے، جو ٹرمپ کی غیر مستحکم انا کی تسکین اور امریکہ و اسرائیل کے سیاسی و جغرافیائی مفادات کو آگے بڑھانے کے لیے ترتیب دیا گیا ہے۔ عملاً یہ اقدام فلسطین کو ایک صدی پیچھے دھکیل دیتا ہے، اس دور میں جب مغربی طاقتیں یکطرفہ طور پر اس کی تقدیر کا فیصلہ کرتی تھیں، اور یہ فیصلے فلسطینیوں اور مشرقِ وسطیٰ کے بارے میں نسلی تعصبات پر مبنی مفروضات کے زیرِ اثر ہوتے تھے، وہی مفروضات جنہوں نے خطے کی تاحال جاری تباہ کاریوں کی بنیاد رکھی۔

تاہم بنیادی سوال پھر بھی باقی ہے: کیا یہ واقعی صرف ٹرمپ کی انفرادی سوچ کا مظہر ہے؟

نہیں، ایسا نہیں ہے۔ اگرچہ اسے مہارت سے اس انداز میں ڈھالا گیا ہے کہ ٹرمپ کے اپنی بڑائی کے پھولے ہوئے احساس کو تقویت ملے، مگر یہ دراصل ایک جانا پہچانا امریکی حربہ ہے، خاص طور پر شدید بحرانوں کے ادوار میں۔ اس حکمتِ عملی کی جامع توضیح Naomi

Klein نے اپنی کتاب The Shock Doctrine میں کی ہے، جس میں استدلال کیا گیا ہے کہ سیاسی و معاشی اشرافیہ اجتماعی صدمے، جنگوں، قدرتی آفات اور معاشرتی انتشار، کو استعمال کر کے ایسے بنیادی پالیسی اقدامات نافذ کرتی ہے جن کو عام حالات میں عوامی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا۔

ٹرمپ کا 'بورڈ آف پیس' اسی فریم ورک میں پوری طرح فٹ بیٹھتا ہے: یہ غزہ کی تباہی کو انصاف یا احتساب کی پکار کے طور پر نہیں بلکہ سیاسی حقائق کو اس انداز میں از سرِ نو ترتیب دینے کے موقع کے طور پر دیکھتا ہے جو امریکی غلبے کو مضبوط کرے اور بین الاقوامی اصولوں کو پس پشت ڈال دے۔"

[Middle East Monitor]

کشنر نے جو غزہ کی تعمیر نو کے متعلق پلان پیش کیا۔ اسے دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ غزہ ساحل کے کنارے ایک بے آباد زمین کا ٹکڑا ہے نہ کہ جنگ زدہ تباہ حال ملبے کا ڈھیر اور لاکھوں زخمی ولاچار بنیادی سہولتوں سے محروم خیمہ زن فلسطینیوں کا گھر۔ یہ سرزمین، جس کی تعمیر و ترقی کے بہانے اس پر قبضہ کرنے کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں، فلسطینیوں کی ملکیت ہے، جس کی حفاظت کے لیے پچھلے اٹھہتر سال سے اسے وہ اپنے خون سے سیراب کرتے آئے ہیں۔ یہ بات پچھلے شماروں میں بھی بار بار سامنے آئی تھی کہ اسرائیل غزہ کے جنوب میں بہت تیزی سے ملبہ صاف کر رہا ہے اور غزہ کے لوگوں کے لیے ایک کنسنٹریشن کیمپ تعمیر کر رہا ہے، ایک ایسا ہائی سیکیورٹی زون جہاں اہل غزہ کو غزہ نہ چھوڑنے کے جرم میں قید کر دیا جائے گا۔ مڈل ایسٹ مانیٹر میں ایک لکھاری لکھتی ہیں:

What is Israel planning for Palestinians in Gaza and the West Bank? | Dr Sania Faisal El-Husseini

"اسرائیلی حکومت نے کسی بھی تعمیرِ نو کے آغاز کو غزہ کو غیر مسلح کرنے کے منصوبوں کی پیش کش اور تعمیرِ نو کی مالی اعانت کے ضوابط سے مشروط کر دیا ہے۔ وہ پہلے ہی واضح کر چکی ہے کہ نہ تو وہ خود تعمیرِ نو کی مالی ذمہ داری اٹھائے گی اور نہ ہی اسے انجام دے گی، یہ مؤقف دانستہ طور پر اُس تباہی کی ذمہ داری سے پہلو تہی ہے جو محصور علاقے پر اس نے ڈھائی۔

اسی دوران، اسرائیلی افواج گزشتہ دو ماہ سے جنوبی غزہ کی پٹی میں وسیع پیمانے پر زمین ہموار کرنے اور صفائی کی کارروائیاں جاری رکھے ہوئے ہیں، بالخصوص مشرقی رفح میں ملبہ ہٹانے کا عمل بڑے پیمانے پر جاری ہے۔ گزشتہ جولائی میں اسرائیلی وزیرِ دفاع اسرائیل کاٹز نے تصدیق کی کہ اس نے فوج کو ہدایت دی ہے کہ رفح میں ایک کیمپ تیار کیا جائے تاکہ غزہ کی آبادی کو وہاں رکھا جا سکے۔

یہ اقدامات اُس وقت سامنے آ رہے ہیں جب غزہ کی پٹی کے جنوبی حصے میں فلسطینیوں کے لیے ایک بڑے کیمپ کے قیام کے اسرائیلی منصوبوں پر گفتگو تیز ہو رہی ہے، جو جدید نگرانی کی ٹیکنالوجی سے لیس ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ اسرائیلی قیادت کی جانب سے بارہا ایسے بیانات بھی سامنے آئے ہیں جن سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ فلسطینیوں کو غزہ چھوڑتے دیکھنا چاہتا ہے۔

نیتن یاہو نے حال ہی میں رفح کراسنگ سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ یہ 'دونوں سمتوں میں کھلی' ہو گی، اور زور دے کر کہا کہ کسی بھی غزہ کے باشندے کو علاقے سے نکلنے سے روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی جائے گی۔ تاہم اسی کے ساتھ اس نے واضح کیا کہ غزہ میں داخلے کی 'کھلی چھوٹ' نہیں ہو گی۔ فلسطینیوں کو سخت اسرائیلی جانچ پڑتال سے گزرنا ہو گا، جبکہ رفح پر مکمل سیکیورٹی کنٹرول اسرائیلی فوج کے پاس ہی رہے گا۔"

[Middle East Monitor]

مسلم ممالک خصوصاً پاکستان کی بورڈ آف پیس میں شمولیت

جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے مصداق جن ممالک نے اس میں شمولیت اختیار کی وہ یا تو چھوٹی اور کمزور ریاستیں ہیں جیسا کہ ارجنٹائن، آرمینیا، بیلاروس، بلغاریہ، ہنگری وغیرہ یا پھر مسلمان و عرب ریاستیں انڈونیشیا، سعودی عرب، مصر، اردن، ترکی، قطر اور متحدہ عرب امارات وغیرہ۔ یورپی و مغربی اقوام جیسا کہ فرانس، برطانیہ، جرمنی کینیڈا وغیرہ نے اس بورڈ میں شمولیت سے انکار کر دیا۔ اور اپنے ان خدشات کا اظہار کیا کہ یہ بورڈ اقوام متحدہ اور نیٹو کی جگہ لینا چاہ رہا ہے اور ٹرمپ کو ہر طرح کے اختیارات کا کلی مالک بناتا ہے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ اس بورڈ میں شمولیت سے انکار ان ریاستوں نے کیا ہے جو خود امریکہ کی اتحادی ہیں۔ جبکہ جن ممالک نے شمولیت اختیار کی وہ کمزور ریاستیں ہیں جنہوں نے ٹرمپ کی خوشامد میں اور اس کے ٹیرف کے اقتصادی حملوں سے بچنے کے لیے اس میں شمولیت اختیار کی۔ بظاہر تو مسلمان ممالک خصوصاً پاکستان میں بھی یہی عام کیا جا رہا ہے کہ پاکستان امریکہ کی طرف سے ٹیرف کا متحمل نہیں ہو سکتا اسی لیے پاکستان نے اس بورڈ میں شمولیت اختیار کی۔ مشہور تجزیہ نگار عاصمہ شیرازی نے بھی یہی بات کہی:

"پاکستان ٹرمپ کو ناراض کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا، پاکستان ٹیرف برداشت نہیں کر سکتا...... اگر پاکستان کو لگتا ہے کہ پاکستان کو حماس یا کسی

بھی مسلح تنظیم کو غیر مسلح کرنے کے لیے پریشر ڈالا جا رہا ہے تو پاکستان اس سے نکل سکتا ہے۔‘‘

لیکن صرف یہی ایک وجہ نہیں، پچھلے دو سال میں جب اسرائیل غزہ میں انسانیت سوز مظالم ڈھا رہا تھا اور امریکہ نہ صرف علی الاعلان اس کی حمایت کر رہا تھا بلکہ جنگی ساز و سامان اور مہلک ہتھیاروں کی رسد مستقل پہنچاتا رہا تاکہ فلسطینیوں کی نسل کشی میں کوئی کمی نہ رہ جائے، تب بھی یہ تمام ممالک امریکہ ہی کے آگے سربسجود رہے۔ یہ غلام حکمران اسی لیے تو مسلمانوں پر مسلط کیے گئے ہیں کہ ظلم کے خلاف کوئی اٹھنے کی جسارت تک نہ کر سکے۔ یوں تو پورے پاکستان میں اسی بیانیے کو بار بار دہرایا جا رہا ہے کہ پاکستان کی اس بورڈ میں شمولیت دراصل فلسطینیوں کی حمایت کے لیے ہے (ایسے بورڈ میں شمولیت جس میں خود فلسطینیون کی کوئی نمائندگی نہیں)۔ یہاں اس متعلق دو کالموں سے دو مختلف آراء قارئین کے لیے پیش کر رہے ہیں:

گل پلازہ آگ، غزہ امن بورڈ میں شمولیت|عبد الحمید

’’امریکہ کے صدر ڈونلڈ ٹرمپ ٹھہرے پانی میں مسلسل پتھر مار کر ہیجان پیدا کر رہے ہیں۔ اقوامِ متحدہ پہلے ہی بہت کمزور ہے، ایسے میں امریکی صدر کا اقوامِ متحدہ کے مقابلے میں اپنی سربراہی میں ایک نیا فورم بنانا عالمی انارکی پھیلانے کے مترادف ہے۔ اس وقت چین اور روس کے علاوہ دنیا کا کوئی اور ملک ٹرمپ کو ناراض نہیں کر سکتا۔ وینزویلا کے صدر کا حال سبق آموز ہے۔ پاکستان نے غزہ امن بورڈ میں شمولیت کر لی ہے۔ وزارتِ خارجہ کے بیان کے مطابق یہ شمولیت فلسطینی کاز کو تقویت دے گی۔ یہ تو ظاہری Rationale ہے لیکن دراصل پاکستان اس پوزیشن میں نہیں کہ ٹرمپ کو انکار کر سکے۔

فرانس کے صدر میکرون نے امن بورڈ میں شمولیت نہ کرنے کا عندیہ دیا تو ٹرمپ نے فرانس پر ۲۰۰ فیصد ٹیرف عائد کرنے کی دھمکی دی۔ پاکستان کی کوئی بھی حکومت ہوتی یہی فیصلہ کرتی۔ صدر ٹرمپ بیمار لگتے ہیں، وہ جلد Dysfunctional ہو سکتے ہیں۔ امریکی مڈ ٹرم الیکشن کے نتائج ٹرمپ کے لیے بھیانک ہو سکتے ہیں۔ ان کا وقت بہت دیکھ بھال کر گزارنا ہو گا۔ پاکستان کی معیشت اتنی کمزور ہے کہ ایک بڑا جھٹکا اسے بے پناہ مشکلات سے دوچار کر سکتا ہے۔ آئی ایم ایف، ورلڈ بینک اور ایشیائی ترقیاتی بینک امریکی بی ٹیم کی طرح کام کرتے ہیں۔

ایف اے ٹی ایف بھی امریکی دانت ہے۔ پاکستان کے پاس یہ آپشن ہی نہیں تھی کہ وہ شمولیت کے علاوہ اور کوئی فیصلہ کرتا۔ موجودہ صورتحال میں فلسطینی ریاست کا قیام ممکن نظر نہیں آتا۔ فلسطینیوں کے لیے اگر کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے تو وہ ٹرمپ کی رائٹ سائڈ پر رہ کر ہی حاصل ہو گا۔ اور تو فی الحال کچھ ممکن نظر نہیں آتا البتہ ٹرمپ کے پلان سے فلسطینیوں کا قتلِ عام ضرور رک جائے گا اور یہ بہت حوصلہ افزا بات ہو گی۔ پاکستان جہاں اور جس صورت میں ہو گا، فلسطینی کاز کو مدد ہی ملے گی۔

صدر ٹرمپ کے قائم کردہ امن بورڈ میں پاکستان اور ترکیہ سمیت آٹھ اسلامی ممالک ہیں۔ ترکیہ اور پاکستان مضبوط افواج رکھنے کی وجہ سے مل کر ایک مؤثر قوت اور آواز بنتے ہیں۔ غزہ میں جو ہونے جا رہا ہے اس سے ٹرمپ کے خاندانی کاروبار کو بڑھاوا ملے گا۔ دوسرا غزہ تو ایک بہانہ ہے ،اصل مقصد اقوام متحدہ کے مقابلے میں ایک متبادل ادارے کا ممکنہ قیام لگتا ہے۔ اس ابتدائی عمل میں پاکستان کی شمولیت اچھے نتائج لا سکتی ہے۔ امید کرنی چاہیے کہ ہماری شمولیت پاکستان اور فلسطین دونوں کے لیے نقصان دہ نہیں ہو گی۔‘‘

[روزنامہ ایکسپریس نیوز]

غزہ امن بورڈیا مسئلہ فلسطین کی لوحِ مزار؟|عارف بہار

’’غزہ امن بورڈ کا قیام عمل میں آ گیا ہے۔ یہ بورڈ ٹرمپ کا انتخاب، ٹرمپ کی قیادت اور ٹرمپ کے مقاصد پر مبنی ہے۔ ٹرمپ ہی اس بورڈ کا اوّل بھی ہے اور آخر بھی۔ اس کے مقاصد کا تعین بھی وہی کر رہے ہیں اور اس کے اندر داخلے کی اجازت کا فیصلہ بھی انہی کے ہاتھ ہے۔ وہ اس کے تاحیات سرپرست ہیں۔ اس بورڈ کی رکنیت کے لیے ٹرمپ نے ایک ہی سلیبس مقرر کیا ہے۔ اہلیت کا ایک ہی پیمانہ ہے کہ وہ جو حماس کے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں اور وہ جو حماس کو صفحۂ ہستی سے مٹانا چاہتے ہیں۔ جن کے بارے میں بھی کسی دور میں ٹرمپ کو یہ شک گزرا کی حماس کی حوصلہ افزائی کرنے کا باعث رہے ہیں انہیں ٹرمپ نے اس بورڈ کے قریب پھٹکنے نہیں دیا اور جن کے بارے میں یہ گمان تھا کہ ماضی میں اچھے بچے بن کر رہے ہیں اور آئندہ بھی اس معاملے میں ہر خدمت بجالائیں انہیں اس بورڈ کی بیرونی پرت کا حصہ بنایا گیا۔ قضیے کا سب سے مظلوم مگر سب سے مضبوط حصہ فلسطینی عوام اس بورڈ سے اچھوت کی طرح دور رکھے گئے ہیں۔ بورڈ میں ایک کے سوا تمام ارکان امریکی ہیں۔ وہ بھی ایک برطانیہ کے ٹونی بلییئر ہیں۔ بورڈ میں کسی مسلمان اور کسی فلسطینی کو رکنیت کا اہل نہیں سمجھا گیا۔ گویا کہ اسرائیل کے پسندیدہ اور امریکہ کے چنیدہ مسلمان ملکوں کے نمائندوں کا رول

کسی قوال کے ہمنواؤں سے زیادہ نہیں۔ ہر سُر اور تال پر انہیں شامل بھی ہونا ہے اور تالی بھی بجائی جانی ہے۔ ترکی اور قطر وہ دو ممالک تھے جن کی اس بورڈ میں شمولیت پر اسرائیل نے اس بنا پر اعتراض کیا تھا کہ ان ملکوں کے حماس کی قیادت کے ساتھ تعلقات تھے۔

......ٹرمپ ایک پورے عالمی ادارے کے مقابل اپنے رشتہ داروں اور دوستوں پر مشتمل ایک نیا پول کھڑا کر بیٹھا ہے تو دوسرا ایک مسلمہ عالمی تنازعے کو انتقال آبادی کے ذریعے حل کرنے کا نیا اصول اپنایا جانے لگا۔ ہم تو بزعم خود غزہ امن بورڈ میں فلسطینیوں کو بچانے جا رہے ہیں مگر کیا ٹرمپ نے اس بورڈ کے اغراض و مقاصد میں فلسطینیوں کو بچانا اور ان کی خواہشات کا احترام اور ان کے زخموں پر مرہم رکھنے کا ذکر کیا ہے؟ ٹرمپ جیسا منہ پھٹ آدمی تو کہہ رہا ہے کہ مشرق وسطیٰ سے باہر کے ایک ملک نے حماس کو غیر مسلح اور حزب اللہ کو تباہ کرنے کا یقین دلایا ہے۔ اس کا اشارہ کس جانب ہے؟ یہ پتا نہیں مگر شکوک کے بادل تو منڈلا رہے ہیں۔ غزہ امن بورڈ جو حقیقت میں فلسطینیوں کی لوحِ مزار ہے، میں دھوم دھام سے شرکت کرنے والے تاریخ کی غلط سمت میں جا کھڑے ہوئے ہیں۔ اس پر چند دن قبل المشہد ٹی وی پر سعودی اور امارات کی رواں کشمکش کے دوران ایک سعودی تجزیہ نگار العانی کے یہ الفاظ صادق آتے ہیں 'جب ہماری ریفائنری پر حملہ ہوا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ہم نے امریکہ سے کیا کہا اس نے کچھ نہیں کیا۔ آج جب ہم ایران کے ساتھ امن اور کشیدگی کو کم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں امریکہ مشکوک اقدامات کر رہا ہے۔ امریکہ جنگ کی سلطنت ہے اور جنگ کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتا'۔ پاکستان کا المیہ یہ ہے کہ ہم جنگ کی اس سلطنت کے ساتھ نتھی ہو کر رہ گئے ہیں اور کسی بھی بے جا فرمائش پر حرفِ انکار بلند کرنے کی صلاحیت مکمل طور پر کھو چکے ہیں۔"

[روزنامہ جسارت]

مسلم ممالک خصوصاً پاکستان کی بورڈ آف پیس میں شمولیت

اسرائیل اپنے صہیونی ایجنڈے کو نافذ کرنے اور پورے فلسطین پر مکمل قبضے کے لیے ہمہ جہتی اقدامات کر رہا ہے۔ اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ مسلمان قبلۂ اول کی حفاظت اور فلسطینیوں کی آزادی کے لیے صہیونی قابضوں کے ہر فعل پر نظر رکھیں، غزہ کی جنگ کے ساتھ ساتھ غرب اردن اور مشرقی یروشلم میں بھی فلسطینیوں کو ان کی زمینوں سے بے دخل کرنے کے اقدامات میں بھی تیزی آگئی۔ اس سلسلے کی حالیہ پیش رفت نئے توسیعی قوانین ہیں جو اسرائیل نے فوری نافذ العمل قرار دے دیے ہیں۔ یہ قوانین کیا ہیں اور فلسطینیوں کی املاک اور زمینوں پر کیسے اثر انداز ہوں گے، مختصراً نکات میں واضح کرتے ہیں:

- یہ قانون مقبوضہ مغربی کنارے کے فلسطینی علاقوں میں موجود فلسطینی املاک، زمینوں اور تعمیرات کو، پچھلے تمام قوانین منسوخ کر کے اسرائیلی حکومت کے اختیار میں دے دیتا ہے۔ ۱۹۹۵ء کے اوسلو معاہدے کے تحت مغربی کنارے کو تین علاقوں زون A, B اور C میں تقسیم کیا گیا تھا۔ جس میں زون A جو ۱۸ فیصد رقبے پر محیط ہے، فلسطینیوں کی بیس لاکھ کی آبادی کے ایک بڑے حصے پر مشتمل ہے (وہاں کے بڑے شہروں میں رام اللہ، نابلس، جنین اور بیت لحم وغیرہ ہیں) اوسلو معاہدے کے تحت وہاں فلسطینی اتھارٹی کا کنٹرول ہونا چاہیے۔ زون B جو ۲۲ فیصد رقبہ پر محیط ہے وہاں چھوٹے گاؤں اور ارد گرد کے علاقوں میں فلسطینی آباد ہیں وہاں کا انتظامی کنٹرول فلسطینی اتھارٹی اور سکیوڑی اسرائیلی فوج کے ہاتھ میں ہے۔ زون C جو ۶۰ فیصد حصے پر محیط ہے، یہ علاقہ اسرائیلی قبضے میں ہے جہاں ۷ لاکھ یہودی آبادکار رہتے ہیں اور ہر طرح کے وسائل سے مالا مال ہے۔
- نئے قانون کے تحت اب تک جو فلسطینی علاقوں اور املاک کا انتظامی کنٹرول فلسطینی اتھارٹی کے پاس تھا اب وہ اسرائیلی حکومت کے پاس ہو گا۔ پرانے قانون کو منسوخ کر دیا گیا ہے جو فلسطینیوں کو اپنی اراضی یہودیوں کو فروخت کرنے کو ناممکن بناتا تھا۔
- فلسطینیوں کی املاک کے ریکارڈ کو اب تک پوشیدہ اور یہودیوں کی پہنچ سے دور رکھا گیا تھا۔ اب تمام زمینی ریکارڈ عوامی طور پر دستیاب ہو گا۔ جو صہیونی آبادکاروں کو زمین کی ملکیت کی تفصیلات جاننے اور خریداری کرنے میں مدد کرے گا۔ اس طرح جو غیر قانونی قبضے کیے جا رہے تھے انہیں دھوکہ دہی اور طاقت سے قانونی شکل دے دی جائے گی۔
- مشرقی بیت المقدس میں یہودی آبادکاریوں اور ابراہیمی مسجد کے ارد گرد کے علاقوں میں تعمیراتی اجازت نامے کا اختیار فلسطینی انتظامیہ سے چھین کر صہیونیوں نے اپنے قبضے میں لے لیا ہے۔ اس کے علاوہ فلسطینی عمارتوں کو ماحولیاتی، آثار قدیمہ یا ورثہ کی حفاظت کے نام پر گرانے کا اختیار بھی اپنے قبضے میں لے لیا ہے۔
- زمین کی خرید و فروخت کے لیے درکار حکومتی اجازت نامہ کی شق کو ختم کر دیا گیا ہے جس سے اب صہیونی بغیر نگرانی کے زمین حاصل کر سکتے ہیں۔

یہ اقدامات رہی سہی فلسطینی زمینوں پر قانونی طور پر قبضہ کر کے فلسطینیوں کو مکمل طور پر بے دخل کرنے کی سازش ہے جیسا کہ صہیونی وزیر سموٹرخ نے کہا: "اس طرح ہم فلسطینی ریاست کے تصور کو ہی دفن کر دیں گے"۔

What is Israel planning for Palestinians in the West Bank? | Dr Sania Faisal El-Husseini

”حالیہ برسوں میں، خصوصاً نیتن یاہو کی موجودہ دائیں بازو کی حکومت کے اقتدار میں آنے کے بعد، آبادکار تحریک کا سیاسی اثر و رسوخ نمایاں طور پر بڑھ گیا ہے۔ اس کے نظریات کناروں سے نکل کر مرکز میں آ چکے ہیں، سرکاری پالیسی کی تشکیل اور ریاستی عمل داری کی سمت متعین کر رہے ہیں۔ آبادکاری کے منصوبے اب زمین کے تنازعے کو فلسطینیوں کے خلاف فیصلہ کن طور پر نمٹانے کی کوشش کا اشارہ دے رہے ہیں۔

آبادکار بستیوں کی تعمیر کا پیمانہ تشویش ناک حد تک بڑھ چکا ہے، جبکہ غیر مجاز آبادکار چوکیوں (آؤٹ پوسٹس) کو بعد ازاں قانونی حیثیت دینا ایک معمول بنتا جا رہا ہے، یہ سب کچھ موجودہ حکومت کے اقتدار سنبھالنے سے پہلے دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ گزشتہ دو برسوں کے دوران اسرائیلی حکام نے اُن علاقوں میں، جو ایریا سی کے طور پر نامزد ہیں، فلسطینیوں کو ایک بھی تعمیراتی اجازت نامہ جاری نہیں کیا۔ اسی وقت وہ بغیر اجازت تعمیر کیے گئے گھروں اور اداروں کو منظم انداز میں منہدم کر رہے ہیں، یہ اجازت نامے ان علاقوں میں فلسطینیوں کے لیے عملاً حاصل کرنا ناممکن ہیں۔ ایریا سی میں فلسطینی انفراسٹرکچر کے خلاف سالانہ انہدامی احکامات کی تعداد اب ایک ہزار سے تجاوز کر چکی ہے۔

مشرقی بیت المقدس میں بھی یہی طرزِ عمل جاری ہے، جہاں زمینوں کی ضبطی اور انہدام کی کارروائیاں اس شدت سے بڑھ رہی ہیں کہ شہر کے فلسطینی آبادی کے انفراسٹرکچر کو سنگین خطرات لاحق ہیں۔ بیت المقدس میں اسرائیلی حکام نے طویل عرصے سے معطل ای ون منصوبے (E1 Project) پر بھی عمل درآمد شروع کر دیا ہے، یہ منصوبہ امریکی اور بین الاقوامی مخالفت کے باعث دو دہائیوں تک منجمد رہا تھا۔ یہ منصوبہ عملی طور پر مغربی کنارے کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے، شہر کو اس کے فلسطینی مضافات سے جدا کر دیتا ہے، اور وسیع فلسطینی اراضی کو اسرائیلی کنٹرول میں لے آتا ہے۔

مغربی کنارے اور مشرقی بیت المقدس میں اسرائیلی حکام نے ایک خطرناک تبدیلی کا آغاز کیا ہے: زمینوں کی منظم رجسٹریشن کا عمل، جسے اسرائیلی لینڈ رجسٹری یا ”تابو“ (Tabu) میں اندراج کہا جاتا ہے۔ اس عمل کے ذریعے زمین کو اسرائیلی دائرۂ اختیار کے تحت درج کیا جاتا ہے اور اس کا حتمی قانونی مالک مقرر کیا جاتا ہے، جسے قطعی اور ناقابلِ اپیل سمجھا جاتا ہے۔ حالیہ اسرائیلی فیصلے، جن میں فلسطینی اراضی کی ”تسویہ“ یعنی اسرائیلی قانون کے تحت رجسٹریشن کو ترجیح دی گئی ہے، بنیادی طور پر ایریا سی پر مرکوز ہیں، جو مغربی کنارے کے تقریباً دو تہائی حصے پر مشتمل ہے، اسی طرح مشرقی بیت المقدس بھی اس دائرے میں شامل ہے۔ یہ طریقۂ کار اب ایریا بی تک بھی پھیلنا شروع ہو گیا ہے، جو زیرِ قبضہ زمین کی خودمختاری پر براہِ راست تجاوز کے مترادف ہے۔

۱۹۶۷ء میں مغربی کنارے پر قبضے کے بعد اسرائیل نے ۱۹۶۸ء میں زمینوں کی رجسٹریشن منجمد کر دی تھی۔ مشرقی بیت المقدس میں بھی شہر پر قبضے کے بعد زیادہ تر اراضی غیر رجسٹرڈ رہی، جس کی بڑی وجہ اس کے بعد پیدا ہونے والے پیچیدہ سیاسی حالات تھے۔ آج اسرائیلی حکام زمین کی ملکیت ثابت کرنے کے لیے سخت اور اکثر ناقابلِ عمل شرائط عائد کرتے ہیں۔ جب مالکان ان شرائط کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو زمین ریاستی ملکیت میں منتقل کر دی جاتی ہے۔ حال ہی میں Knesset میں پیش کیے گئے ایک بل کے تحت اسرائیلی یہودیوں کو ایسی زمین حاصل کرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔

مجموعی طور پر یہ اقدامات فلسطینیوں کو ان کی زمین سے منظم طور پر محروم کرنے، ملکیت کو قابض حکام کے حوالے کرنے، اور زمینی حقائق پر ناقابلِ واپسی کنٹرول کو مستحکم کرنے کی سمت واضح اشارہ دیتے ہیں۔

......مغربی کنارے میں اس پیش رفت کی روشنی میں، خودمختاری کے کسی باضابطہ اعلان یا الحاق کی کارروائی محض ایک رسمی کارروائی بن کر رہ گئی ہے۔ قابضین نے کسی سرکاری اعلان سے بہت پہلے ہی عملاً اپنا کنٹرول مستحکم کر لیا ہے۔

غزہ کی پٹی میں حالیہ واقعات بھی اتنے ہی معنی خیز ہیں۔ غزہ کے لیے ایک انتظامی کمیٹی کی تقرری، درجنوں بین الاقوامی انسانی ہمدردی اور غیر سرکاری تنظیموں کو بند کرنے کا فیصلہ، اور رفح کراسنگ کو ایک تحقیر آمیز انداز میں دوبارہ کھولنا، جو براہِ راست قابض قوت، اختیار اور انتظام کے تحت ہو، یہ سب اس کردار کو عیاں کرتے ہیں جو اسرائیل غزہ میں سنبھالنا چاہتا ہے۔ یہی کردار وہ مغربی کنارے میں بھی اپنانا چاہتا ہے اور جسے مسلط کرنے کے لیے مسلسل کوشاں ہے۔

چنانچہ یہ سوال ناگزیر ہے کہ کیا کوئی متحد اور مربوط فلسطینی، عرب اور بین الاقوامی مؤقف موجود ہے جو قابض کے ان منصوبوں کا مقابلہ کر سکے، جواب پوری وضاحت کے ساتھ سامنے آچکے ہیں؟

یورپ نے یوکرین پر روس کے حملے کے مقابلے میں یہ دکھایا کہ وہ بین الاقوامی قانون کے دفاع میں ایک مضبوط اور متحد مؤقف اختیار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسی طرح، گرین لینڈ کے معاملے میں بھی اس نے یہ ظاہر کیا کہ جب امریکہ کی خواہش اس کے اپنے مفادات اور خودمختاری کے تصور سے متصادم ہو تو وہ امریکہ کے مؤقف کو چیلنج کرنے پر آمادہ ہو سکتا ہے۔

آج سوال یہ ہے کہ کیا یورپ اپنے مؤقف پر از سرِنو غور کرنے، فلسطینیوں کے ساتھ انصاف کرنے، اور اسرائیل کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہے، ایک ایسے قضیے میں جس کی قانونی و اخلاقی حیثیت کو دنیا کا کوئی بھی ملک معتبر طور پر رد نہیں کر سکتا، اور نہ ہی اُس تاریخی ناانصافی سے انکار کیا جا سکتا ہے جس کی قیمت ایک پوری قوم نے نسل در نسل ادا کی ہے۔"

[Middle East Monitor]

الجزیرہ کی ایک تازہ رپورٹ کے مطابق اسرائیل نے غزہ میں ایسے مہلک ترین تھرموبیرک بموں کا استعمال کیا ہے کہ تقریباً تین ہزار فلسطینیوں کی لاشیں مکمل فضا میں تحلیل ہو گئیں۔ الجزیرہ کے مطابق یہ امریکی ساختہ MK-84, BLU-109, GBU-39 جیسے بم ہیں جن سے پیدا ہونے والی ۳۵۰۰ ڈگری سنٹی گریڈ کی تپش سے انسانی جسم کے سیال مادے بخارات بن کر ہوا میں تحلیل ہو جاتے ہیں اور جسم راکھ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ غزہ سول ڈیفنس کے مطابق انہیں بمباری کی جگہوں پر تلاش کے باوجود انسانی باقیات نہیں ملیں بلکہ صرف خون کے آثار ملے ہیں۔ یہ اور اس جیسے کتنے ہی کیمیائی ہتھیاروں کا تجربہ ہمارے فلسطینی بہن بھائیوں پر ان شیطانی ریاستوں نے کیا ہو گا اس کا تو ابھی تک کوئی ریکارڈ تک نہ آ سکا۔

صلیبی و صہیونی طاقتیں پورے خطے میں بہت تیزی سے اپنی چالیں چل رہی ہیں۔ چاہے غزہ ہو یا مغربی کنارہ، لبنان، اردن ہو یا شام۔ گریٹر اسرائیل کے منصوبے کی تکمیل کے لیے کوئی بھی ان کے راستے کی رکاوٹ نہیں۔ ایسے میں جب منافق اور خائن ہمارے حکمران ہوں تو ساری امیدیں ان مٹھی بھر مردانِ حق سے ہے جو صہیونیوں کے مد مقابل خون کے آخری قطرے تک ڈٹے ہوئے ہیں۔

ایپسٹین فائلز

جیفری ایپسٹین اور اس کے نجی جزیرے "لیٹل سینٹ جیمز" کے حوالے سے جو ہوشربا اور انسانیت سے گرے ہوئے تعفن زدہ شیطانی انکشافات سامنے آئے ہیں اس متعلق صرف چند رپورٹیں پڑھ کر ہی مغرب کے "مہذب" کہلانے والے معاشرے کا گندہ وجود آشکار ہو گیا ہے، یہ ایسے انکشافات ہیں جنہیں پڑھ کر ہی متلی ہونے لگتی ہے۔

یہ لاکھوں کی تعداد میں فائلز ای میلز، دستاویزات، ویڈیوز اور تصاویر کا ایک ایسا پلندہ ہیں جس سے مغرب کے شیطانی نظام، ان کے قبیح معاشرے اور دنیا کے طاقتور ترین لوگوں کے گھناؤنے کردار سامنے آئے ہیں۔ جیفری ایپسٹین خود تو ایک درندہ صفت شیطان تھا ہی، لیکن وہ اس شیطانی جال میں صرف ایک کردار تھا، ایک بہت بڑے اور شیطانی نظام کا ایک کارکن۔

جہاں پوری دنیا میں اس شخص سے لوگ اظہار نفرت کر رہے ہیں، وہیں دنیا کے بڑے اور طاقتور لوگ اپنا نام سامنے آنے پر اپنے خلاف ہر بات سے انکاری ہیں۔ ٹرمپ ہو یا ایلون مسک، بل گیٹس ہو یا پرنس اینڈریو۔ اور بھی ان گنت نام ہیں جو ایپسٹین کے گاہک رہے ہیں اور اس کی فراہم کردہ "سروسز" ماضی میں لیتے رہے ہیں۔

دیسی لبرلز جو اسلام اور اسلامی شعائر کے متعلق زبان درازی کرتے نہیں تھکتے، اب یا تو منہ چھپائے کہیں بیٹھے ہیں یا کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مصداق آئیں بائیں شائیں کر رہے ہیں۔ ایسا ہی ایک دیسی لبرل مبشر زیدی ہے جس کا کہنا ہے کہ جرم تو صرف جیفری ایپسٹین کا تھا جس کی سزا اسے مل گئی، بڑے طاقتور لوگ تو اس کی محفلوں میں "نیٹ ورکنگ" اور "ریلیشن شپ بلڈنگ" کے لیے جاتے تھے۔ اقتباس ملاحظہ کریں:

ایپسٹین فائلز اور سچ جھوٹ | مبشر علی زیدی

"یہ ضرور ہے کہ ایپسٹین فائلز میں نام آنے پر برطانوی بادشاہ چارلس کے بھائی اینڈریو سے شاہی خاندان کے خطاب اور مراعات واپس لے لی گئی ہیں۔ بعض ای میلز اور تصاویر سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے کچھ غلط فیصلے کیے۔ ان کے علاوہ ہارورڈ یونیورسٹی کے صدر لیری سمرز، سلواکیہ کے قومی سلامتی کے مشیر مائروسلاو لائچاک اور برطانوی سفیر

لارڈ پیٹر مینڈیل سن مستعفی ہوئے ہیں۔ لیکن انہوں نے یہ فیصلہ سیاسی اور سماجی دباؤ پر کیا، کسی قانونی کارروائی کی وجہ سے نہیں۔

ان فائلز میں صدر ڈونلڈ ٹرمپ، صدر کلنٹن، ان کی اہلیہ ہلیری، صدر جارج بش سینئر، ایلون مسک، بل گیٹس اور درجنوں اہم شخصیات کے نام ہیں۔ لیکن کسی ای میل میں نام آنے یا کسی گروپ فوٹو کا حصہ ہونے پر کسی کے خلاف کوئی جرم ثابت نہیں ہوتا۔ صدر ٹرمپ کے خلاف ان کے سیاسی مخالفین بہت شور مچا رہے ہیں لیکن ایسے کوئی شواہد نہیں نکلے جن کی بنا پر ان کے خلاف عدالت جا سکیں۔ صدر ٹرمپ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کی ایپسٹین سے دوستی رہی۔ لیکن بقول ان کے وہ دوستی بہت سال پہلے ختم ہو گئی تھی اور انہیں علم نہیں تھا کہ ایپسٹین جنسی جرائم میں ملوث تھے۔ جیفری ایپسٹین کے تعلقات امراء اور سیاست دانوں سے تھے اور ایلیٹ کلاس کے لوگ جنسی جرائم کے لیے نہیں، نیٹ ورکنگ اور ریلیشن شپ بلڈنگ کے لیے اس کی محفلوں میں جاتے تھے۔ ایپسٹین نے ورجن آئی لینڈز میں دو جزیرے خریدے ہوئے تھے جن میں محفلیں ہوتی تھیں۔ ایلون مسک کی ای میلز سے پتا چلتا ہے کہ وہ ان جزائر پر آکر بڑے لوگوں سے میل ملاقات چاہتے تھے۔ لیکن شاید وہ کبھی وہاں نہیں جا سکے۔"

[روزنامہ جنگ]

کچھ لکھاریوں نے دنیا کا نظام چلانے والے طاقتور لوگوں کے کردار اور ان کی شیطانی چالوں پر تنقید کی ہے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو روزنامہ جسارت کے ایک کالم سے اقتباس:

مغرب کی گندی تہذیب کے بدبودار کردار | عارف واجد

"کیا واقعی یہ وہی مغرب ہے جسے ہم ترقی، تہذیب اور انسانی حقوق کا علم بردار سمجھتے ہیں؟ کیا یہ وہی مہذب دنیا ہے جو ہمیں صبح و شام عورتوں کے حقوق، بچوں کے تحفظ اور قانون کی حکمرانی کا بھاشن دیتی ہے؟ گزشتہ چند دنوں سے جیفری ایپسٹین (Jeffrey Epstein) کی خفیہ فائلوں نے جو طوفان برپا کیا ہے، اس نے مغرب کے اس چمکتے ہوئے بت کے اندر چھپے تعفن کو پوری دنیا کے سامنے ننگا کر دیا ہے۔ یہ صرف کاغذ کے چند ٹکڑے نہیں ہیں، یہ اس جدید اور نام نہاد لبرل نظام کا وہ بھیانک نوحہ ہے جس پر انسانیت شرما گئی ہے۔

قصہ کیا ہے؟ یہ ایپسٹین فائلز دراصل عدالتی دستاویزات کا وہ پلندہ ہیں جو امریکی فنانسر اور جنسی درندے جیفری ایپسٹین اور اس کی ساتھی غزلین میکسویل کے گرد گھومتی ہیں۔ یہ وہ نام ہیں جنہوں نے ایک جزیرے لٹل سینٹ جیمز کو اپنی عیاشی کا اڈہ بنایا ہوا تھا۔ لیکن ٹھہریے! یہ کہانی صرف ایک امیر شخص کی عیاشی کی نہیں ہے۔ ان فائلوں میں جن لوگوں کے نام سامنے آرہے ہیں، وہ کوئی عام لوگ نہیں ہیں۔ یہ دنیا کے حکمران ہیں، یہ سابق امریکی صدور ہیں، یہ برطانیہ کے شہزادے ہیں، یہ ہالی وڈ کے سپر اسٹارز ہیں اور وہ سائنسدان ہیں جنہیں دنیا عقل کا دیوتا مانتی ہے۔ بل کلنٹن ہو یا ڈونلڈ ٹرمپ کا ذکر، شہزادہ اینڈریو ہو یا اسٹیفن ہاکنگ کا حوالہ، ان دستاویزات نے ثابت کیا ہے کہ اقتدار کے ایوانوں میں بیٹھنے والے یہ لوگ رات کے اندھیروں میں کس قدر گھناؤنے کھیل کھیلتے ہیں۔ ایپسٹین فائلز دراصل طاقت، دولت اور جنسی جرائم کے اس گٹھ جوڑ کی دستاویزی جھلک ہیں جسے برسوں سے پردوں میں رکھا گیا۔ جیفری ایپسٹین کوئی معمولی مجرم نہ تھا۔ وہ ایک نظام تھا۔ ایسا نظام جس میں طاقت ور نام، خفیہ میل جول، نجی پروازیں، بند دروازے، اور خاموشی کے سودے شامل تھے۔ آج جب عدالتوں اور تفتیشی عمل کے ذریعے کچھ فائلیں، رابطہ فہرستیں اور دستاویزات سامنے آئیں تو سوال صرف یہ نہیں کہ کن کے نام آئے، اصل سوال یہ ہے کہ برسوں تک یہ سب کیسے چلتا رہا۔

......کیا اب بھی ہمارے دیسی لبرلز مغرب کی اس روشن خیالی پر فخر کریں گے؟ کیا اب بھی ہم ان کی تہذیب کو اپنے لیے مشعل راہ سمجھیں گے؟ ایپسٹین کی کہانی نے ثابت کر دیا ہے کہ جہاں خدا کا خوف اور آخرت کی جوابدہی کا احساس نہ ہو، وہاں انسان کتنا ہی پڑھ لکھ جائے، کتنا ہی امیر ہو جائے، وہ اندر سے ایک درندہ ہی رہتا ہے۔ پاکستانی قوم کے لیے اس میں ایک بڑا سبق ہے۔ ہمیں احساس کمتری سے نکلنا ہو گا۔ ہمارا خاندانی نظام، ہماری شرم و حیا اور ہماری دینی اقدار وہ ڈھال ہیں جو ہمیں اس گندگی سے بچائے ہوئے ہیں۔ مغرب کی چمک دمک کے پیچھے چھپی اس غلاظت کو دیکھ کر کانوں کو ہاتھ لگائیے اور شکر ادا کیجیے کہ ہم اس تہذیب کا حصہ نہیں جہاں معصومیت کا سودا اقتدار کے ایوانوں میں ہوتا ہے۔ یہ لیڈر دنیا کو کیا امن دیں گے جو اپنی ہوس کے ہاتھوں خود دامن کھو بیٹھے ہیں؟ تاریخ گواہ ہے کہ جب قوموں کے خواص اس درجہ اخلاقی پستی کا شکار ہو جائیں، تو پھر قدرت کا کوڑا برستے دیر نہیں لگتی۔ یہ تماشائے عبرت ہے، اگر کوئی سمجھنے والا ہو۔"

[روزنامہ جسارت]

یوں تو ان فائلز میں کئی ایسے معاملات، لوگ، سازشیں اور شیطانی رسومات سامنے آئی ہیں جن پر الگ الگ بحث کی جاسکتی ہے۔ لیکن ایک اہم موضوع ایپسٹین کے پس پردہ اسرائیل کا کردار ہے۔ حالانکہ اسرائیل کے کردار کو پوشیدہ رکھا گیا، اور اس پر بہت زیادہ معلومات نہیں پبلک کی گئیں لیکن ایپسٹین کے تانے بانے صہیونیوں سے ملتے ضرور ہیں۔ روزنامہ ڈان میں زاہد حسین لکھتے ہیں:

Epstein's Creepy World | Zahid Hussain

”حالیہ جاری کی گئی فائلوں سے ایپسٹین کے اسرائیلی انٹیلی جنس اداروں کے ساتھ روابط بھی زیادہ واضح ہو گئے ہیں۔ ان دستاویزات نے سابق اسرائیلی وزیرِ اعظم ایہود بارک کے ساتھ ایپسٹین کی ملاقاتوں اور روابط کی تفصیلات آشکار کی ہیں، نیز اسرائیلی گروہوں کو اس کی مالی معاونت، جن میں Friends of the Israeli Defense Forces بھی شامل ہے، اور اسرائیل کی بیرونِ ملک انٹیلی جنس سروس کے ارکان سے اس کے تعلقات بھی سامنے آئے ہیں۔

ایپسٹین کا پورا معاملہ مغرب میں اُن حلقوں کی منافقت کو بے نقاب کرتا ہے جو اخلاقی برتری کا دعویٰ کرتے ہیں مگر ایک بدکردار جنسی مجرم سے روابط بھی برقرار رکھتے ہیں۔ وہ اگرچہ مر چکا ہے، لیکن اس کے تعلقات کے وسیع جال کو ظاہر کرنے والی دستاویزات کے اثرات اب بھی امریکہ اور دیگر ممالک کو جھنجھوڑ رہے ہیں۔“

[Daily Dawn]

اسی طرح مڈل ایسٹ مانیٹر پر ایک آرٹیکل نشر ہوا جس میں امریکی اور اسرائیلی سربراہوں اور موساد کے کردار کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس تحریر سے لیے گئے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

Epstein's Creepy World | Zahid Hussain

”بحرِ اوقیانوس کے اُس پار، امریکی سینیٹروں نے وضاحت کا مطالبہ کیا ہے۔ ۲۰۱۹ء میں چک شومر (Chuck Schumer)، جو اُس وقت امریکی سینیٹ میں اقلیتی قائد تھے، نے کہا: ”ایپسٹین کا معاملہ ظاہر کرتا ہے کہ دولت اور روابط کس طرح انصاف کو مسخ کر سکتے ہیں۔ ہمیں اس میں ملوث ہر فرد کی مکمل تفصیلات درکار ہیں۔“ اس کے الفاظ اس امر کی (امریکہ کی) دونوں جماعتوں کی سطح پر موجود پہچان کی عکاسی کرتے تھے کہ ایپسٹین کا اثر و رسوخ ایک معاشرتی ناسور بن چکا تھا۔ بل گیٹس، ڈانلڈ ٹرمپ، اور بل کلنٹن سب ہی ایپسٹین سے اپنے روابط کے حوالے سے جانچ کی زد میں آئے، اگرچہ ہر ایک نے کسی بھی بدکاری کی تردید کی ہے۔ تاہم یہ حقیقت کہ ایسے بااثر نام ان فائلوں میں موجود ہیں، اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ ایپسٹین نے خود کو محض ایک شکاری کے طور پر نہیں بلکہ اثر و رسوخ کے سوداگر کے طور پر پیش کیا تھا۔

امریکی محکمہ انصاف کے تفتیش کاروں کے پاس موجود لاکھوں دستاویزات کی بنیاد پر وہ اس اسکینڈل کے حجم سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ معاملہ صرف زیادتی کا نہیں بلکہ ”اثر و رسوخ“ کا بھی تھا۔ ایپسٹین راز جمع کرتا تھا، اور راز ایک کرنسی ہوتے ہیں۔ بظاہر یہ کرنسی محض ذاتی مفاد تک محدود نہیں رہی بلکہ ایسے طریقوں سے استعمال ہوئی جو جغرافیائی سیاسی جوڑ توڑ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

اسرائیلی پہلو

ایپسٹین کے اسرائیلی انٹیلی جنس سے ممکنہ تعلقات کے بارے میں قیاس آرائیاں شدت اختیار کر چکی ہیں۔ اگرچہ قطعی ثبوت تا حال سامنے نہیں آئے، مگر قرائن قابلِ توجہ ہیں۔ ایپسٹین کی قریبی ساتھی گسلین میکس ویل، میڈیا ٹائیکون رابرٹ میکس ویل کی بیٹی تھی، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ موساد کے لیے کام کرتی تھی۔ انٹیلی جنس ماہرین کے مطابق ایپسٹین کی سرگرمیوں میں ایک کلاسیکی ”کومپروماٹ“ (kompromat) اسکیم کی جھلک ملتی ہے: بااثر افراد کو قابلِ اعتراض حالت میں پھنسانا، شواہد محفوظ کرنا، اور پھر انہیں دباؤ یا سودے بازی کے لیے استعمال کرنا۔

اگر واقعی ایپسٹین کسی اسرائیلی اثاثے (asset) کے طور پر کام کر رہا تھا، تو اس کے مضمرات نہایت گہرے ہیں۔ شاہی خاندانوں کے افراد، سفیروں اور عرب تاجروں کو کمزور پوزیشن میں لا کر اسرائیل کو سفارتی مذاکرات، تجارتی معاہدوں اور سکیورٹی انتظامات میں غیر معمولی برتری حاصل ہو سکتی تھی۔ ایک ایسے خطے میں جہاں اتحاد تیزی سے بدلتے رہتے ہیں، اس نوعیت کی برتری طاقت کے توازن کو بظاہر غیر محسوس مگر فیصلہ کن انداز میں جھکا سکتی ہے۔

نتائج اور احتساب

ایپسٹین اسکینڈل کے اثرات دیرپا ہیں۔ لوگوں کی ساکھ تباہ ہوئی، اداروں کی قلعی کھلی، اور اتحادوں پر سوال اٹھے۔ مگر احتساب اب بھی دھندلا ہے۔ شہزادہ انڈریو منظرِ عام سے پیچھے ہٹ چکا ہے، مگر اس پر کوئی فوجداری فردِ جرم عائد نہیں ہوا۔ امریکی اشرافیہ بدستور کسی بد

کاری سے انکار کرتی ہے۔ کئی بین الاقوامی رہنما اب تک غیر نامزد ہیں۔ اور اگر واقعی اسرائیل کو ایپسٹین کی سرگرمیوں سے فائدہ پہنچا، تو اسے بھی کسی باضابطہ چھان بین کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

چک شومر کا "تمام ملوث افراد کی مکمل تفصیلات" کا مطالبہ تاحال جواب کا منتظر ہے۔ کئیر سٹارمر (Keir Starmer) کی "احتساب اور شفافیت" کی اپیل بھی خاموشی میں گم ہو چکی ہے۔ محکمۂ انصاف کی جانب سے اس اعتراف کے باوجود کہ ایپسٹین راز جمع کرتا تھا، ان افراد کے خلاف کارروائی نہیں ہوئی جنھوں نے اسے ممکن بنایا۔ دنیا کے حصے میں سچ کے کچھ ٹکڑے ضرور آئے ہیں، مگر انصاف نہیں۔

نتیجہ: باقی رہ جانے والے سائے

ایپسٹین فائلیں محض ایک اسکینڈل نہیں بلکہ اس بات کی کیس سٹڈی ہیں کہ طاقت، رازداری اور استحصال کس طرح باہم جڑتے ہیں۔ وہ ایک ایسے نظام کو بے نقاب کرتی ہیں جس میں اشرافیہ کو کمزور بنایا گیا، انصاف کو مسخ کیا گیا، اور جغرافیائی سیاست کو بلیک میلنگ کے ذریعے متاثر کیا گیا۔ آیا ایپسٹین واقعی اسرائیلی اثاثہ تھا یا نہیں، شاید کبھی قطعی طور پر ثابت نہ ہو سکے۔ مگر قرائن، سٹریٹیجک منطق، اور ممکنہ جغرافیائی سیاسی نتائج سب اسی سمت اشارہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔"

[Middle East Monitor]

یہاں ایک اہم اور دل دہلا دینے والا انکشاف جو ان فائلز سے ہوا وہ خانہ کعبہ کے مقدس ترین غلاف "کسوہ" کے تین ٹکڑوں کا شیطانی درندے ایپسٹین کو بھجوایا جانا ہے۔ جو ایک سعودی عورت نے اسے بھجوائے۔ اس مقدس غلاف کی اس قدر بے حرمتی ایک "مسلمان" کہلائی جانے والی عورت کیسے کر سکتی ہے؟ اس بات کا کوئی جواب نہیں سمجھ آتا، یہ شیطان کے چیلے ہیں جو مسلمان بنے ہمارے درمیان گھوم رہے ہیں، جنھیں کیفرِ کردار تک پہنچانے کی اشد ضرورت ہے۔ کیونکہ ان فائلز سے یہ بات بھی عیاں ہو گئی کہ اس کے جزیرے پر ناپاک شیطانی رسوم ادا کی جاتی تھیں اور ان رسوم کے لیے شیطان کے گھٹیا سے گھٹیا اور گھناؤنے مطالبات پورے کیے جاتے تھے۔ اور اسی سے اپنی طاقت اور اثر و رسوخ میں اضافہ کیا جاتا تھا۔

لیکن یہ دجالی طاقتوں پر مشتمل، جھوٹ اور فریب پر مبنی اور پستیوں میں گری ہو کھوکھلی مغربی تہذیب جتنی مرضی سازشیں کر لے، امت کے مردانِ حر، بلند اخلاق و کردار کے مالک، حق پر ڈٹے ہوئے، دلوں میں خوفِ خدا لیے اللہ کے دین کے مجاہدوں پر ان کا زور نہیں چل سکتا، جو اس دجالی تہذیب کے آگے بند باندھے صف آرا ہیں۔ امت میں اب بھی ایسی ماؤں کی کمی نہیں جو اپنی اولاد کو اسلام کے دیے گئے پاک، شفاف اور خوبصورت معاشرے میں ڈھال رہی ہیں۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، نا پائیدار ہو گا

☆☆☆☆☆

شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے پیغام

میرا یہ پیغام اپنے مجاہد بھائیوں کے لیے ہے، جنھیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خود منتخب فرمایا ہے، تاکہ وہ اپنی امت کے لیے ڈھال اور اپنے عقیدے کے تحفظ کے لیے سپَر ثابت ہوں، وہ لوگ جو موت سے نہیں ڈرتے اور اپنی امت اور اپنے عقیدے کا دفاع جان ہتھیلی پر رکھ کر کرتے ہیں۔

یہی ہیں وہ محبوب ہستیاں جن کے ساتھ وابستگی کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمارے لیے باعثِ شرف بنایا اور ہمیں یہ عزت بخشی کہ ہم بھی انہیں میں سے شمار کیے جائیں۔

میں مجاہد بھائیوں سے کہتا ہوں: (کہ انہیں پہچانو) یہی تمہارے قائدین ہیں۔ اُنہوں نے اپنی عمریں یوں ہی نہیں گزار دیں، بلکہ پہاڑوں، غاروں اور وادیوں کے درمیان اور کبھی ایک میدان سے دوسرے میدان کے درمیان سفروں میں کھپا دیں۔ اور اُنہوں نے یہ سب کسی اور غرض سے نہیں کیا بلکہ صرف اس لیے کیا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کلمہ سربلند ہو اور اللہ عز و جل کے دین کو غلبہ حاصل ہو۔

پس اے مجاہدو تم بھی اُنہی کے نقشِ قدم پر چلو، اُسی راستے کو اپنا لو اور اُن کے منہج کو مضبوطی سے تھام لو۔

یہی تمہارے قائد ہیں! ہمارے بہادر امام شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ! وہ قائد جس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے فضل اور اپنے خاص احسان سے تمہاری صفوں کو جمع فرما دیا ہے۔

تو اے مجاہدو، نہ تم اپنا راستہ بدلو، نہ ہی اُن سے رخ پھیرو، اور یہ بات اچھی طرح سے جان لو کہ شیخ کا خون سب سے قیمتی خون ہے اور ہم اسے کبھی بھی فراموش نہیں کریں گے۔ اور اُن کے خون کا بدلہ کوئی اور نہیں لے گا بلکہ تم خود اس کا بدلہ چکانے کے ذمہ دار ہو!

اِس لیے تم بیٹھے خالی ہاتھ ملتے نہ رہ جانا، نہ ہی کسی انتظار میں رہنا، کیونکہ یہ قرض چکانا میدانِ جہاد کے ہر مجاہد پر فرض ہے!

(شیخ ابو یحییٰ اللیبی رحمۃ اللہ علیہ)

جنوں یا خرد

قاضی ابو احمد

اصولاً تو جشنِ بہاراں، بہار ہی میں منایا جانا چاہیے، لیکن کیا کیجیے کہ حسنِ کرشمہ ساز، معاف کیجیے گا، کہنے کا مطلب ہے کہ اربابِ اختیار کے یہاں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا اصول ہی چلتا ہے۔ پس گر انہوں نے کہہ دیا کہ بہار، شدید سردی میں منائی جائے گی تو بھلا کسی کی کیا مجال کہ چوں بھی کرے۔ لہٰذا فٹ کپڑے اتار، یعنی گرم کپڑے، ڈوریں پتنگیں زنانیاں گاجے باجے سنبھالے، شیر (شیر تو بوڑھا بھی ہو تو شیر ہی ہوتا ہے) چھتوں پر جا پہنچے، پھر نہ ملک کی دگرگوں معیشت انہیں روک سکی اور نہ ہی لوڈشیڈنگ ان کے عزائم کے آڑے آئی، نہ سردی اور چادر و چاردیواری کا لحاظ ہی ان کی راہ میں حائل ہوا اور نہ ہی پڑوسیوں کے بنائے اور دیگر فحش گانوں وغیرہ پر بین ہی ان کا راستہ روک سکا۔ بوکاٹا کی گونج میں، اسلام آباد میں ہونے والے قتلِ عام کی خبر بھی معدوم ہو گئی اور زخمیوں اور مقتولین کے لواحقین کی آہ و بکا کی آوازیں بھی دب گئیں۔ بھئی وہ جوش ہی کیا جسے کسی دوسرے کا غم ٹھنڈا کر دے اور وہ جشن ہی کیا کہ جو خون کے چند چھینٹوں سے داغ دار ہو جائے! ہم تو وہ ہیں کہ جنھوں نے تاروں پر کمندیں ڈالنی تھیں، آسمان کے تاروں پر نہ سہی، بجلی کے تاروں پر ہی سہی۔ پس اسی ہاؤ ہو اور جوش و خروش میں کوئی اس جشن کی کوریج کرتے ہوئے چھت سے گر کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا، تو کسی کا گلا کٹا، کسی کا سر پھٹا، کوئی بجلی کے جھٹکے سے چل بسا تو کوئی بے حسی کا تماشا دیکھتے دیکھتے داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گیا، پر ہمیں کیا! ہمیں تو جشن منانے سے غرض تھی سو منالیا۔ بس برا ہو حملہ آوروں کا کہ عین بسنت کے دنوں میں حملہ کر دیا اور یوں محترمہ وزیرِ اعلیٰ صاحبہ کو دنیا دکھانے کو بسنت کی تقریبات میں اعلانیہ شرکت سے معذرت کرنی پڑی، البتہ ان کے اباجان، جن کے بارے میں کسی زمانے میں سنا تھا کہ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں، اور آج مرے کہ کل، اپنی آل اولاد کے ساتھ بھرپور تازگی و شادابی چہرے پر لیے چھت پر چڑھے بسنت مناتے پائے گئے۔

کینیڈا کے حوالے سے پچھلے دنوں ایک خبر اور متعلقہ ویڈیو نگاہ سے گزری اور دل و دماغ کو حیران و پریشان چھوڑ گئی۔ خبر یہ تھی کہ تین ہم جنس پرست مرد، جو اپنے آپ کو ایک فیملی کہتے ہیں، اب یہ چاہتے تھے کہ ان کے یہاں بچہ بھی پیدا ہو۔ چونکہ وہ فطرت سے جتنا بھی لڑیں، بہر طور یہ ممکن ہو نہیں سکتا، لہٰذا ان کی نگاہِ انتخاب یتیم بچوں پر پڑی اور انہوں نے سوچا کہ چلو ایک نیکی یہ بھی کر گزرتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے ایک تین سالہ بچی کو گود لینے کی درخواست پیش کی۔ یتیم خانے کی انتظامیہ حیران کہ بھئی دو مردوں کو تو دیکھا کہ اپنے آپ کو میاں بیوی کہہ کر متعارف کرواتے ہیں اور بچہ گود لے لیتے ہیں، دو عورتوں کو بھی بطور میاں بیوی یہ کرتے دیکھا، مگر اب یہ ان تین کی کیا حیثیت ہے؟ کیا ان میں سے ایک شوہر اور اس کی دو بیویاں ہیں؟ توبہ توبہ! یہ بھلا کیسے ممکن ہے؟ اس کی اجازت تو صرف اسلام دیتا ہے کہ ایک شوہر کی چار تک بیویاں ہو سکتی ہیں، جن میں حقیقتاً شوہر مرد ہو اور بیویاں عورتیں ہوں، نہ کہ وہ اپنے آپ کو مرد اور عورتیں کہلوائیں، تو بھئی اسلام سے تو ہمیں دشمنی ہے اور تعددِ ازواج تو ہمارا پسندیدہ موضوعِ تنقید ہے، لہٰذا ہم یہ کیسے کہیں کہ وہ ایک شوہر اور اس کی دو بیویاں ہیں؟ تو پھر کیا وہ تینوں ہی بیویاں ہیں اور ان میں کوئی شوہر نہیں یا پھر معاملہ بالعکس ہے؟ البتہ ہندو معاشرے کی طرح یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ شوہر دو ہوں اور بیوی ایک! یہ تو طے شدہ ہے کہ ہر وہ چیز جو اسلام کے سوا کہیں سے بھی آئے گی، ہمارے لیے قابلِ قبول ہو گی، تو چلو ہندوؤں ہی کا طریقہ سہی! بہر حال جب یتیم خانے کی انتظامیہ کا سر چکرانا بند نہ ہوا اور وہ کسی طرح اس گتھی کو نہ سلجھا پائے تو انہوں نے اپنے ہی جیسوں کی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ قصہ مختصر کہ طویل قانونی پیچیدگیوں میں الجھنے کے بعد، انہی جیسوں کی عدالت نے یہ فیصلہ دے دیا کہ یہ تین مرد، بطور ایک فیملی، ایک تین سالہ بچی کو گود لے سکتے ہیں، پس یوں انہوں نے اس بچی کو گود لے لیا۔ انہوں نے تو اپنا کام کر لیا مگر ہمارا ناکارہ ذہن یہ سمجھنے سے قاصر رہ گیا کہ جو مرد خود کو مرد نہیں سمجھتا، بلکہ جن میں کے بعض خود کو عورت سمجھتے ہیں، مگر دکھائی مرد ہی دیتے ہیں کہ مذکورہ تین میں سے دو مردوں کی داڑھی (ایک کی باقاعدہ داڑھی اور ایک کی خاصی بڑھی ہوئی شیو) بھی ہے، اور وہ ایک ایسے رشتے میں بندھے ہیں کہ جسے قبول کروانے کے لیے عدالت کا سہارا لینا پڑتا ہے، تو وہ اس گود لی ہوئی بچی کا حق کیسے ادا کریں گے؟ ان کا اس بچی سے کیا رشتہ ہو گا؟ کل کو وہ بچی معاشرے میں انہیں کیا کہہ کر متعارف کروائے گی؟ اور کیا اس طرح اس بچی کے دل، ذہن اور شخصیت پر منفی اثرات مرتب نہ ہوں گے؟ اور وہ تین، اسے معروف معنوں میں، ایک گھر کا ماحول کیسے فراہم کر سکیں گے؟ اور وہ ایسا کرنا بھی کیوں چاہیں گے جبکہ وہ خود ہی نارمل نہیں ہیں اور معروف کے کسی خانے میں فٹ نہیں بیٹھتے؟ خیر! دل و دماغ میں ایسی کھچڑی پکی کہ جس کا نہ کوئی سر ہے اور نہ پیر، بس ذہن میں ایک ہی فقرہ گردش کرتا رہا کہ:

جنوں کا نام خرد رکھ دیا، خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

☆☆☆☆☆

بقیہ: مغرب کو بالآخر بین الاقوامی اخلاقیات یاد آگئیں

اس رام کتھا سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ کسی طاقت ور سلطنت کے اردلی بننے کے باوجود بھی کوئی ضمانت نہیں کہ ایک دن جب اس ایمپائر کو ضرورت ہو تو وہ حلیفوں کو ہی اپنی توسیع پسندانہ بھوک کا نوالہ بنالے۔ اندھی وفاداری کا صلہ ہمیشہ دائمی تحفظ کی شکل میں ہی ملتا رہے، یہ ضروری تو نہیں۔

[یہ مضمون ایک معاصر روزنامے میں شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)]

عالمی منظر نامہ

مغرب کو بالآخر بین الاقوامی اخلاقیات یاد آ گئیں

وسعت اللہ خان

دوسری عالمی جنگ کے بعد یورپ نے سرخ سوویت خطرہ ٹالنے کے لیے امریکی قیادت میں پینتالیس برس سرد جنگ لڑی۔ اب اسی یورپ کو روس کے ساتھ ساتھ امریکہ سے بھی خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ نوبت یہاں تک آ چکی ہے کہ امریکہ کا سب سے قریبی روایتی اتحادی برطانیہ ٹرمپ سے کھل کے احتجاج کر رہا ہے کہ انہوں نے ڈیووس فورم پر امریکہ کے شانہ بشانہ لڑنے اور مرنے والے برطانوی اور دیگر یورپی فوجیوں کی قربانی کی توہین کی ہے۔

نیٹو اتحاد کے ایک بانی رکن اور امریکی ہمسایہ کینیڈا کے وزیرِ اعظم مارک کارنی نے تو بنا الفاظ چبائے کھل کے کہہ دیا ہے کہ امریکہ سے اختلاف نہیں بلکہ تعلقات میں ایسا شگاف پڑ گیا ہے کہ جس کی بھرپائی بہت مشکل ہو گی۔ کینیڈا اس مفروضے پر ایک نیا فوجی ڈاکٹرائن تشکیل دے رہا ہے کہ کل کلاں امریکی افواج کینیڈا جیسے وسیع و عریض ملک پر دو ہفتے میں قبضہ کر لیتی ہیں تو کینیڈا روایتی جنگ میں امریکی طاقت کے سامنے نہیں ٹھہر پائے گا، تاہم کم از کم چالیس ہزار محبِ وطن کینیڈینز کی ایک شہری ملیشیا بنائی جا سکتی ہے جو افغان مجاہدین اور طالبان کے طرز پر امریکہ کو اتنا زچ کرے کہ وہ ایک دن اپنی فوجیں کینیڈا سے نکالنے پر مجبور ہو جائے (دیگر نیٹو ارکان کی طرح کینیڈا نے بھی نائن الیون کے بعد افغانستان پر قبضے میں امریکہ کا ساتھ دیا اور کینیڈا کے ڈیڑھ سو سے زائد فوجی افغانوں کے ہاتھوں مرے)۔

ایک اور نیٹو اتحادی ڈنمارک کو گرین لینڈ پر ٹرمپ کے ممکنہ قبضے کے حوالے سے اپنے لالے پڑے ہیں۔ یورپ کے دیگر ممالک بھی بین الاقوامی نظام، ریاستی خود مختاری، سرحدوں کے تقدس، پر امن بقائے باہمی، طاقت ور ممالک کے جارحانہ عزائم، بین الاقوامی قوانین، عالمی اداروں کی بقا، عدم جارحیت اور ایک آزاد جمہوری دنیا کی تشکیل کے لیے اپنی اپنی قربانیوں کی دہائی دے رہے ہیں۔ حالانکہ یہی یورپ سفارتی، سیاسی اور اقتصادی طاقت کے اندھے استعمال میں چند روز پہلے تک امریکہ کی بی ٹیم بنا ہوا تھا اور کمزور ایفرو ایشیائی دنیا کی جانب سے بین الاقوامی سسٹم کے احترام کے مطالبے پر ہنس رہا تھا۔

ڈنمارک کو آج گرین لینڈ کے معاملے پر عدل و انصاف اور ریاستی احترام بری طرح یاد آ رہا ہے مگر اس کے منہ سے فلسطینیوں کے حقِ خود ارادی کی کبھی بھولے منہ بھی بات نہ نکلی۔ ڈنمارک اب بھی ایف تھرٹی فائیو طیاروں کے فاضل پرزے تیار کرنے کے بین الاقوامی پروجیکٹ کا حصہ ہے، جن طیاروں سے اسرائیل غزہ سمیت ارد گرد کے علاقوں میں نسل کشی کر رہا ہے۔

جب ڈینش وزیرِ اعظم میٹ فریڈرکسن سے کچھ عرصہ قبل کسی صحافی نے پوچھا کہ اگر نیتن یاہو کوپن ہیگن میں اترتا ہے تو کیا آپ بین الاقوامی جرائم کی عالمی عدالت کے دائرۂ اختیار کو تسلیم کرنے والی ریاست کے طور پر عدالتی وارنٹ پر عمل کرتے ہوئے نیتن یاہو کو گرفتار کریں گے؟ وزیرِ اعظم فریڈرکسن کے جواب کا لبِ لباب یہ تھا کہ ”چونکہ چنانچہ اگر مگر لہٰذا آئیں بائیں شائیں......“۔

امریکہ گرین لینڈ اور کینیڈا پر حقِ ملکیت جتانے کے لیے وہی کچھ تو کر رہا ہے جو اس نے یورپ کی سامراجی طاقتوں کی تاریخ سے سیکھا ہے، یعنی دنیا پر کنٹرول کی جنگ میں بین الاقوامی تکلفات برطرف ہو جاتے ہیں۔ یہی تو وہ آئینہ ہے جو مغرب پانچ سو برس سے باقی کمزور دنیا کو دکھاتا رہا اور اب اس آئینے میں اپنا ہی اترا ہوا منہ دیکھنا پڑ رہا ہے۔

ڈنمارک اور اس کے یورپی ساجھے داروں کو اب پتہ چل رہا ہے کہ کسی بھی ریاست کا علاقہ برائے فروخت نہیں ہوتا یا بین الاقوامی قوانین کو ہر ملک پر مساوی لاگو ہونا چاہیے۔ ڈنمارک اور اس کے ساتھیوں کو یہ اصول تب یاد نہ آیا جب اقوامِ متحدہ کی قرار دادوں کے برعکس، وسیع تر تباہی پھیلانے والے افسانوی ہتھیاروں کی تباہی کے لیے، اس نے عراق میں، امریکیوں پر اپنی وفاداری ثابت کرنے کے لیے، تیئس برس پہلے اپنے فوجی دستے تبرکاً دان کیے تھے۔ یہی کارِ خیر ڈنمارک، جرمنی، فرانس، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ نے نائن الیون کے بعد افغانستان میں انجام دیا۔

لیبیا میں کرنل قذافی کی حکومت تتر بتر کرنے کے لیے اقوامِ متحدہ کو جوتے کی نوک پر رکھتے ہوئے ان سب ممالک نے امریکی فضائیہ کی قیادت میں لیبیا کو تباہ کر کے اسے بانٹنے میں حصہ نہیں ڈالا؟ شام کی عوامی مزاحمت کو اپنے مخصوص مقاصد کے تحت ڈھالنے کے کام میں، ڈنمارک سمیت یورپی ممالک نے ہاتھ بٹا کر، شامی ریاست کو علاقائی طاقتوں کے رحم و کرم کے دروازے تک نہیں پہنچا دیا؟ آج وہی شام اپنے ٹکڑے دوبارہ سے جوڑنے کی تگ و دو میں ہے اور مغربی حمایت یافتہ اسرائیل مسلسل گردن پر گرم گرم پھونکیں مار رہا ہے۔

اس وقت ڈنمارک کو گرین لینڈ کے حوالے سے جو براہ راست امریکی خطرہ درپیش ہے وہ ناانصافی نہیں، مکافاتِ عمل ہے۔ ٹرمپ امریکہ کو دوبارہ عظیم بنانے کی جس عالمی پالیسی پر عمل پیرا ہے، وہ بلا امتیاز ہے، مگر یورپ کو اب یہ بات ہضم نہیں ہو رہی کہ بین الاقوامی قوانین و نظائر بلا امتیاز کیسے ہو سکتے ہیں۔ جو توسیع پسندانہ پالیسیاں، بین الاقوامی انتظام کے خوشنما پردے میں، باقی دنیا کو محکوم بنانے کے لیے تشکیل دی گئی تھیں، وہ خود ہم پر کیسے لاگو ہو سکتی ہیں؟ اور یہ کہ گرین لینڈ کا اقتدارِ اعلیٰ تو مقدس ہو، مگر ترقی پذیر دنیا کے اقتدارِ اعلیٰ کی ٹھینگے برابر اہمیت نہ ہو!

(بقیہ صفحہ نمبر ۷۷ پر)

قبلۂ اوّل سے خیانت کی داستان

(عمان)

نعمان حجازی

قبلۂ اوّل سے خیانت کی داستان میں اب تک جن کرداروں کا ذکر ہوا وہ ایسے صلیبی صہیونی غلام تھے جن کے چہروں سے نقاب اتر چکا ہے اور ان کے مکروہ چہرے ساری دنیا کے سامنے واضح ہو چکے ہیں۔ لیکن امت مسلمہ پر مسلط طاغوتی حکمرانوں کی اکثریت اب بھی اپنے چہروں پر مختلف نقاب سجائے بیٹھی ہے اور اپنی اصلیت اپنی مکاری اور چرب زبانی اور اپنے عوام کی سادگی بلکہ اکثر کی عاقبت نااندیشی کی وجہ سے کھل کر سامنے نہیں آنے دیتے۔ ان میں کوئی خود کو حرمین شریفین کا خادم قرار دیتا ہے، کوئی اسلام کے قلعے کا محافظ، تو کوئی خلافتِ عثمانیہ کا وارث۔ کوئی خود کو عالم اسلام کی اسلامی تحریکات کا پشت پناہ ہونے کا تاثر دیتا ہے تو کوئی عالمِ اسلام کے تنازعات میں ثالثی کرنے کے لیے پیش پیش نظر آتا ہے۔ لیکن یہ سب درحقیقت اپنے مفادات کے پجاری ہیں اور انہی مفادات کی خاطر کبھی ایک در پہ ماتھا ٹیکتے ہیں تو کبھی دوسرے پہ، لیکن اپنے چہرے پر سجے نقاب کبھی اترنے نہیں دیتے۔ یہ کھل کر اسرائیل کو تسلیم بھی نہیں کرتے اور اس کے خلاف وقتاً فوقتاً سیاسی بیان بازی بھی کرتے رہتے ہیں لیکن پس پردہ کبھی اسرائیل سے بگاڑنا بھی نہیں چاہتے اور اس سے تعلقات بھی قائم رکھتے ہیں اور موقع آنے پر فلسطینی مسلمانوں کے خلاف اسی اسرائیل کے، کبھی خفیہ اور کبھی کھل کر، دست و بازو بننے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ منافقین بھی ان خائنین کے ساتھ قبلہ اوّل سے خیانت میں برابر کے شریک ہیں جن کے چہروں سے نقاب اتر چکا ہے۔ انہیں میں سے ایک عمان کا حکمران خاندان بھی ہے۔

پس منظر

سلطنتِ عمان عالمِ عرب کی سب سے قدیم آزاد سلطنت ہے اور ۱۷۴۴ء سے ایک ہی خاندان آل بوسعید اس پر حکومت کرتا چلا آرہا ہے۔ اٹھارہویں صدی کے آخر میں سلطنت برطانیہ نے سلطنتِ عمان کے ساتھ معاہدے شروع کیے جن کا مقصد عمان میں اپنے معاشی اور سیاسی مفادات کو فروغ دینا تھا، بدلے میں ان معاہدوں میں سلطنتِ عمان کو عسکری تحفظ دینے کا وعدہ کیا گیا۔ حالانکہ اس دور میں سلطنتِ عمان خطے میں ایک بڑی بحری طاقت تھی اور آنے والے وقتوں نے بھی ثابت کیا کہ ان معاہدوں میں جس عسکری تحفظ کا وعدہ کیا گیا تھا وہ معاہدے کی رو سے تو سلطنتِ برطانیہ کی جانب سے سلطنت عمان کو فراہم کیا جانا تھا لیکن عملی طور پر یہ الٹ ہی رہا اور خطے میں سلطنتِ عمان ہی سلطنت برطانیہ کے مفادات کا تحفظ کرتی رہی، یہاں تک کہ برطانیہ نے اسے معاشی طور پر نچوڑ کر بہت کمزور کر دیا اور پھر وہ واقعی اپنے تحفظ کے لیے سلطنتِ برطانیہ کی محتاج ہو گئی۔[1]

ان میں سب سے پہلا معاہدہ ۱۷۹۸ء میں ہوا جس میں سلطنتِ عمان کی جانب سے معاہدے پر دستخط سعید سلطان بن احمد نے کیے جو کہ اس وقت سلطنتِ عمان کا حکمران تھا جبکہ سلطنتِ برطانیہ کی جانب سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے نمائندے مرزا مہدی علی خان نے کیے۔ اس معاہدے کے تحت سلطنتِ عمان برطانوی حریفوں فرانس اور ہالینڈ کے مقابلے میں برطانوی مفادات کا تحفظ کرے گی اور اپنی حدود میں ان حریفوں کو گھسنے کی اجازت نہیں دے گی اور ایسٹ انڈیا کمپنی بندر عباس[2] پر ایک فیکٹری اور تجارتی پوسٹ بنائے گی جبکہ تاجِ برطانیہ کا ایک نمائندہ مستقل دار الحکومت مسقط میں مقیم رہے گا۔ بدلے میں سلطنت برطانیہ سلطنتِ عمان کی فرانسیسی پیش قدمی سے ''حفاظت'' کرے گی۔ بالفاظ دیگر تاج برطانیہ سلطنتِ عمان کو فرانس کے ساتھ ایسا کوئی معاہدہ کرنے سے ''محفوظ'' رکھے گا جو اس نے تاجِ برطانیہ سے کیا۔[3]

۱۸۵۴ء میں برطانیہ نے سلطنتِ عمان سے پانچ جزائر کا مطالبہ کیا جنھیں کوریا موریا کے جزائر یا جزائر حلانیات کہا جاتا ہے۔ عمان کے سلطان نے یہ جزائر ملکہ وکٹوریہ کو تحفے میں دے دیے، اس طرح یہ عمانی جزائر مکمل برطانوی ملکیت میں چلے گئے۔[4]

افریقہ کے جزائر زنجبار (Zanzibar) اس وقت تک سلطنتِ عمان کے تحت تھے اور عمان کے حکمران سعید بن سلطان نے ۱۸۳۰ء سے ۱۸۴۰ء کے عرصے میں سلطنتِ عمان کا سیاسی و معاشی مرکز جزائر زنجبار کو بنا دیا تھا، یہاں تک کہ سلطنتِ عمان کی معیشت کا زیادہ تر انحصار جزائر زنجبار پر ہو گیا۔ ۱۸۵۶ء میں سلطان بن سعید کی وفات کے بعد حکومت کے معاملے میں اس کے دو بیٹوں ثوینی بن سعید اور ماجد بن سعید کے درمیان اختلاف شروع ہو گیا۔ ماجد بن سعید جزائر زنجبار میں مضبوط تھا جبکہ ثوینی بن سعید مرکزی عمان میں مضبوط تھا۔

سلطنتِ برطانیہ نے اس موقع کو غنیمت جانا اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے لیے خود کو ثالث کے طور پر پیش کر دیا۔ جس کے بعد ہند کے وائسرائے لارڈ چارلس کاننگ

[1] The Oman Question: The Background to the Political Geography of South-East Arabia by J. C. Wilkinson

[2] ایران کی بندرگاہ۔ جب سلطنتِ عمان ایک بحری طاقت تھی تو بندر عباس، گوادر اور مکران سمیت پاکستان اور ایران میں اب موجود یہ پوری ساحلی پٹی سلطنتِ عمان کے قبضے میں تھی۔ عمان نے بندر عباس کو ایران سے اجارے پر لے رکھا تھا۔ ۱۸۶۸ء میں ایران نے یہ بندرگاہ اجارے کا معاہدہ ختم کرتے ہوئے عمان سے واپس لے لی۔ مکران کی ساحلی پٹی ۱۹۵۵ء تک عمان کے تحت رہی اور ۱۹۵۵ء میں اسے پاکستان میں شامل کر دیا گیا جبکہ گوادر کی بندرگاہ کو ۸ ستمبر ۱۹۵۸ء کو پاکستان نے عمان سے تیس لاکھ امریکی ڈالر میں خریدا۔

[3] History of the Imams and Seyyids of Oman by Salil ibn Razik

[4] A Collection of Treaties and Engagements – British National Archives

(Charles Canning) نے سلطنتِ عمان کے دو ٹکڑے کرتے ہوئے علیحدہ سلطنتِ زنجبار تشکیل دے دی جس کا سلطان ماجد بن سعید کو بنایا گیا۔[5]

اس اقدام سے ایک طرف سلطنتِ عمان انتہائی کمزور ہو گئی اور وہ معاشی اور عسکری طور پر مکمل طور پر سلطنتِ برطانیہ کی محتاج بن گئی تو دوسری طرف سلطنتِ زنجبار پر برطانیہ کا اثر و رسوخ بڑھتا گیا اور اس کے قیام کے کچھ ہی سالوں بعد وہ برطانیہ کی باقاعدہ کالونی بن گئی۔[6]

سلطنتِ عمان کے اس ضعف کے باعث ۱۸۹۱ء میں اس وقت کے سلطان فیصل بن ترکی نے سلطنتِ برطانیہ کے ساتھ معاہدہ کیا کہ عمان برطانیہ کی اجازت کے بغیر اپنی زمین کا کوئی ٹکڑا کسی کو نہ کرائے پر دے گا، نہ بیچے گا نہ رہن رکھوائے گا۔ اس کے علاوہ تمام اہم معاملات میں سلطان سلطنتِ برطانیہ سے اجازت کا پابند ہو گا۔[7]

۱۹۲۳ء میں سلطنتِ عمان اور برطانیہ کے درمیان ایک اور معاہدہ طے پایا جس کے تحت سلطنتِ عمان اپنی سرزمین سے تیل نکالنے کے لیے مسقط میں موجود برطانوی نمائندے اور حکومتِ ہند سے اجازت کی پابند ہو گی۔ اس وقت عمان پر سلطان تیمور بن فیصل کی حکومت تھی۔[8]

۱۹۳۱ء کے اختتام پر سلطان تیمور بن فیصل حکومت سے علیحدہ ہو گیا اور حکومت اپنے بیٹے سعید بن تیمور کے حوالے کر دی جس سے برطانی اثر و رسوخ مزید بڑھ گیا۔ اس کے دورِ حکومت میں سلطان کے صرف دو وزیر عمان کے ہوتے تھے جبکہ وزیر دفاع، انٹیلی جنس چیف سمیت سلطان کے تمام مشیر اور دیگر وزراء برطانوی ہوتے تھے۔[9]

برطانوی تسلط کے اس سارے عرصے میں اگرچہ سلطنتِ عمان آزاد نہیں تھی لیکن خود مختار تھی۔ خود مختار ان معنوں میں کہ عمان کا حکمران آل بو سعید کے خاندان کا سلطان ہی رہتا تھا چاہے وہ سلطان جتنا ہی کمزور اور برطانوی احکامات کا پابند کیوں نہ ہو۔

دسمبر ۱۹۵۱ء میں برطانیہ نے سلطنتِ عمان کو ایک آزاد مملکت کے طور پر تسلیم کر لیا۔

سلطان قابوس بن سعید

قابوس بن سعید سلطان سعید بن تیمور کا واحد بیٹا تھا اس کے علاوہ سلطان کی دو بیٹیاں تھیں۔ بیس سال کی عمر میں قابوس نے برطانوی فوج کی رائل ملٹری اکیڈمی (Royal Military Academy Sandhurst) میں داخلہ لیا۔ ستمبر ۱۹۶۲ء میں وہاں سے فراغت کے بعد اس کی پوسٹنگ برطانوی فوج کی ''سکاٹش رائفلز'' میں ہو گئی۔ اپنی فوجی خدمات کے بعد قابوس نے انگلینڈ میں حکومتی امور کی تعلیم حاصل کی اور تعلیم کا اختتام پوری دنیا کے دورے پر کیا، اور ۱۹۶۶ء میں عمان واپس لوٹ گیا۔

قابوس کے عمان لوٹنے سے قبل ۱۹۶۵ء میں عمان کے علاقے ظُفار میں آل بو سعید کی حکومت اور عمان پر برطانوی اثر و رسوخ کے خلاف ایک اشتراکیت پسند انقلابی تحریک کا آغاز ہو چکا تھا جس نے بعد میں گوریلا جنگ کی شکل اختیار کر لی۔

قابوس کے عمان واپس لوٹنے کے بعد سلطان سعید بن تیمور نے اسے اس کے جدت پسند اور آزاد خیال نظریات کے پیشِ نظر محل میں بند کر دیا اور وہاں اسے اسلام اور ملک کی تاریخ پڑھنے پر مصروف کیا۔ وہاں اسے صرف محدود لوگوں سے ہی ملنے کی اجازت تھی اور حکومتی امور سے اسے دور رکھا جاتا تھا۔ لیکن برطانوی فوج میں اپنے دوستوں سے اسے ملنے کی اجازت تھی۔

ظُفار کے علاقے میں جاری اس گوریلا جنگ کا بہانہ کرتے ہوئے برطانوی فوج نے ۱۹۷۰ء میں سلطان سعید بن تیمور کا تختہ الٹ دیا اور اس کی جگہ قابوس بن سعید کو سلطان بنا دیا۔

سلطان قابوس نے تخت سنبھالنے کے بعد فوراً ہی جدید اصلاحات نافذ کیں اور ملک کو جدت پسندی کی طرف مائل کر دیا۔ وہ امریکہ اور برطانیہ کے ساتھ قریبی تعلقات کا خواہاں تھا۔ لیکن اس وقت ظفار کے علاقے میں بغاوت اپنے عروج پر تھی۔ اس بغاوت کو کچلنے کے لیے عمان کو برطانیہ کی طرف سے سپیشل فورسز اور فضائی مدد حاصل تھی، شاہ ایران نے اسے کچلنے کی خاطر ہزاروں فوجی عمان بھیج رکھے تھے اسی طرح اردن بھی اس بغاوت کو کچلنے میں مدد کر رہا تھا۔ لیکن سلطان قابوس نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اسی بغاوت کو بنیاد بناتے ہوئے اسرائیل کے ساتھ خفیہ تعلقات کا آغاز کر دیا۔ اسرائیل نے انٹیلی جنس شیئرنگ اور اسلحے کی ترسیل کے ذریعے سے اس بغاوت کے خلاف عمان کی مدد کی۔ اس بغاوت کو کچلنے کے لیے موساد کا اس وقت کا سربراہ افرائیم ہلیفی خود بھی عمان میں کافی عرصہ موجود رہا۔ یہ بغاوت ۱۹۷۵ء کے اختتام تک مکمل طور پر کچل دی گئی۔ لیکن اس کی وجہ سے عمان کے اسرائیل کے ساتھ تعلقات کی بنیاد ڈل چکی تھی جو مستقل جاری رہے۔

سیکورٹی تعاون کے علاوہ اس عرصے میں اسرائیل نے عمان کو کھارے پانی کو میٹھا بنانے کی ٹیکنالوجی اور ڈرِپ اریگیشن (Drip Irrigation) کا نظام بھی فراہم کیا۔[10]

۱۹۷۹ء میں جب مصر نے کیمپ ڈیوڈ معاہدوں کے ذریعے سے اسرائیل کو تسلیم کیا اور اس کے ساتھ باضابطہ تعلقات کا آغاز کیا تو مراکش کے علاوہ عمان وہ دوسرا عرب ملک تھا جس

---

[5] Family Strife and Foreign Intervention: Causes in the Separation of Zanzibar from Oman: A Reappraisal by M. Reda Bhacker

[6] Historical Dictionary of European Imperialism by James Stuart Olson & Robert Shadle

[7] The Making of The Modern Gulf States by Rosemarie Said Zahlan – Routledge Library Edition: The Gulf

[8] Undertaking by Sultan Taimur Regarding Oil – British National Archives

[9] The Guardian: Britain's secret wars by Ian Cobain

[10] A Diplomatic History of Israel's Relations with Oman: From Clandestine Ties to the Abraham Accords by Dr. Jonathan Ghariani – The Azrieli Institute of Israel Studies – Concordia University

نے اس معاہدے کا خیر مقدم کیا، اس کی حمایت کی اور عمان کے ساتھ کسی قسم کے سفارتی تعلقات منقطع نہیں کیے۔

۱۹۸۰ء کی دہائی میں سلطان قابوس نے موساد کے ساتھ براہ راست روابط قائم کیے اور موساد کے اہلکاروں سے مستقل بنیادوں پر ملاقات کرتا رہا۔

تب سے ۱۹۹۰ء کی دہائی کے آغاز تک عمان کے اسرائیل کے ساتھ تعلقات خفیہ طور پر جاری رہے۔ اس عرصے میں عمان مصر کی عرب لیگ میں واپسی کی اور کیمپ ڈیوڈ کی طرز پر اسرائیل اور عرب ممالک کے درمیان امن عمل کے آغاز کی بھرپور وکالت کرتا رہا۔

۱۹۹۱ء کی میڈرڈ کانفرنس کے بعد عمان اسرائیل کے ساتھ تعلقات میں کھل کر سامنے آنے لگا۔ میڈرڈ کانفرنس سے اوسلو معاہدے کے درمیانی عرصے میں دونوں ملکوں کے وفود کی کئی ملاقاتیں ہوئیں جن میں سے بعض نیو یارک میں اقوام متحدہ کے دفتر میں ہوئیں جبکہ ایک ملاقات اپریل ۱۹۹۳ء میں جنیوا میں ہوئی۔ اس عرصے میں عمان نے دیگر عرب ممالک کی مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اسرائیل کے ساتھ تعلقات آگے بڑھانے میں تیزی لائی۔[۱۱]

اپریل ۱۹۹۴ء میں عمان نے خطے میں پانی کے مسائل کے حوالے سے ایک اجلاس منعقد کیا جس میں خطے کے دیگر ممالک کے ساتھ پہلی بار اسرائیل کو بھی باضابطہ طور پر مدعو کیا گیا تھا۔ اسرائیل کی جانب سے عمان جانے والے وفد کی سربراہی اس وقت کے نائب وزیر خارجہ یوسی بیلن نے کی۔ اس اجلاس میں عمان نے اسرائیل کی سربراہی میں خطے میں کھارے پانی کو میٹھا بنانے کا سنٹر کھولنے کی حمایت کی۔[۱۲]

اکتوبر ۱۹۹۴ء میں جب اردن نے اسرائیل کو تسلیم کر کے باضابطہ تعلقات کا آغاز کیا تو مصر اسرائیل کے تعلقات کی طرح اس اقدام کی بھی عمان نے بھرپور حمایت کی۔

دسمبر ۱۹۹۴ء میں سلطان قابوس کی دعوت پر اسرائیلی وزیر اعظم اسحاق رابن نے عمان کا دورہ کیا۔ یہ کسی اسرائیلی رہنما کا کسی خلیجی عرب ملک کا پہلا باضابطہ دورہ تھا۔[۱۳]

۴ نومبر ۱۹۹۵ء کو جب اسحاق رابن کا قتل ہوا تو عمان کی جانب سے وزیر خارجہ یوسف بن علوی بن عبد اللہ نے ۶ نومبر کو بیت المقدس میں اس کی آخری رسومات میں شرکت کی اور قائم مقام وزیر اعظم شمعون پیریز سے ملاقات کی۔[۱۴]

جنوری ۱۹۹۶ء میں اسرائیل اور عمان کے درمیان اپنے تجارتی نمائندہ دفاتر ایک دوسرے کے ممالک میں کھولنے کا معاہدہ طے پایا۔ اسرائیل کے ساتھ ایسا معاہدہ کرنے والا یہ دوسرا خلیجی ملک تھا۔ اس سے پہلے اس طرح کا معاہدہ قطر اسرائیل کے ساتھ کر چکا تھا۔ اپریل ۱۹۹۶ء میں اسرائیلی وزیر اعظم شمعون پریز نے مسقط میں اپنے تجارتی دفتر کا افتتاح کرنے کے لیے عمان کا دورہ کیا۔ عمان نے اگست ۱۹۹۶ء میں تل ابیب میں اپنے تجارتی دفتر کا آغاز کیا۔[۱۵]

۱۹۹۶ء میں ہی مسقط میں Middle East Desalination Research Centre (MEDRC) کا دفتر قائم ہوا اور اسرائیل نے اس ادارے کے ساتھ مالی تعاون کرنے کی حامی بھری۔[۱۶]

لیکن ۱۹۹۶ء میں نیتن یاہو کے وزیر اعظم بننے کے بعد عمان اور اسرائیل کے تعلقات کچھ سرد مہری کا شکار ہو گئے اور جہاں یہ گمان کیا جا رہا تھا کہ جلد عمان اسرائیل کو تسلیم کر کے باضابطہ سفارتی تعلقات شروع کر دے گا وہ معاملہ رک گیا۔ لیکن اس عرصے میں بھی عمان نے اسرائیل کے دیگر عرب ریاستوں کے ساتھ تعلقات بہتر کرنے کی کوششیں جاری رکھیں اور اسرائیل کے شام کے ساتھ تعلقات بہتر کرنے کی کوششیں کیں۔ سلطان قابوس نے اپنے وزیر خارجہ یوسف بن علوی کو یہ ہدف دیا کہ وہ نیتن یاہو اور شام کے حافظ الاسد کے درمیان ایک معاہدہ کروانے کی کوشش کرے۔ ان امور پر بات چیت کے لیے نیتن یاہو کے سفارتی مشیر اور موساد کے ایک سینئر اہلکار اوزی اراد نے یوسف بن علوی سے یورپ میں ۱۹۹۶ء سے ۱۹۹۸ء کے درمیان تین بار ملاقات کی، جہاں شام کے ساتھ تعلقات بہتر کرنے کے حوالے سے تبادلہ خیال ہوا۔[۱۷]

نیتن یاہو کے دورِ اقتدار میں عمان کے اسرائیل کے ساتھ تعلقات نسبتاً سرد مہری کا شکار رہے اور یورپ میں ان تین ملاقاتوں کے علاوہ کچھ خاص پیش رفت نہ ہوئی۔ لیکن ۱۹۹۹ء کے انتخابات میں جب ایہود بارک وزیر اعظم بنا تو سلطان قابوس نے پھر سے اسرائیل کے ساتھ تعلقات بحال کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اور عمان نے پھر سے عرب اسرائیل امن عمل کو آگے بڑھانے کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ اس سلسلے میں عمان کے وزیر خارجہ یوسف بن علوی بن عبد اللہ نے ستمبر ۱۹۹۹ء میں اسرائیل کے وزیر خارجہ ڈیوڈ لیوی سے نیو یارک میں اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹر میں ملاقات کی اور تمام عالم عرب اور اسرائیل کے

---

[۱۱] History of the Foreign Ministry – Foreign Ministry of Oman

[۱۲] International Scientific Organizations and Israel's Relations with the Arab World by Joseph Dubroff – Foreign Policy Research Institute

[۱۳] Rabin Visits Oman, Taking Step To Widen Link to Gulf Region by Joel Greenberg – The New York Times (December 28, 1994)

[۱۴] Israel and the Gulf states: It's complicated by Raphael Ahren – The Times of Israel

[۱۵] Foreign Ministry Statement on Israel-Oman Agreement – Jewish Virtual Library (January 28, 1996)

[۱۶] A Diplomatic History of Israel's Relations with Oman: From Clandestine Ties to the Abraham Accords by Dr. Jonathan Ghariani – The Azrieli Institute of Israel Studies – Concordia University

[۱۷] The Oman File: Inside the Mossad's Alliance with Muscat, Israel's Window into Iran by Yossi Melman - Haaretz

ساتھ امن عمل کو آگے بڑھانے پر تبادلہ خیال ہوا۔ لیکن ۲۰۰۰ء میں دوسرے انتفاضہ کے آغاز کے بعد جب ستمبر ۲۰۰۰ء میں کیمپ ڈیوڈ مذاکرات ناکام ہو گئے تو عرب لیگ کے دباؤ پر عمان نے اسرائیل کے ساتھ تعلقات پھر سے منقطع کر لیے۔ اور مسقط و تل ابیب میں موجود تجارتی دفاتر بھی بند کر دیے گئے۔

لیکن یہ تعلقات لیکن پوری طرح ختم نہیں ہوئے بلکہ ۱۹۹۱ء سے پہلے کی سطح پر چلے گئے جہاں پس پردہ تعلقات اور تعاون موجود تھا لیکن رسمی طور پر کچھ نہیں تھا۔ MEDRC کا دفتر چلتا رہا اور عمان نے اس کے پس پردہ اسرائیلی سفارتی اہلکاروں کو عمان میں مقیم رہنے کی اجازت بھی دیے رکھی اور اسی کے ذریعے اسرائیل اور عمان کے درمیان تعاون بھی جاری رہا۔[18]

اس کے علاوہ اس عرصے میں سلطان قابوس نے موساد کے ساتھ اپنے روابط بھی جاری رکھے۔ اس عرصے میں عمان اسرائیل کے لیے ایران کے حوالے سے بہت فائدہ مند ثابت ہوا۔ چونکہ عمان کی خارجہ پالیسی ہمیشہ سے کسی ایک فریق کی طرف جھکنے کی بجائے سب کے ساتھ اچھے تعلقات قائم رکھنے کی رہی اس لیے اسرائیل کے ساتھ ساتھ اس کے ایران کے ساتھ بھی اچھے تعلقات تھے۔ اس عرصے میں جب بظاہر عمان کے تعلقات اسرائیل کے ساتھ ختم ہو چکے تھے اس کے ایران کے ساتھ تعلقات بڑھے اور عمان ایران کے اندر کی خبریں موساد کو دیتا رہا۔[19]

۲۰۰۰ء سے ۲۰۱۸ء تک سوائے اس کے کہ عمان کا موساد کے ساتھ پس پردہ تعاون جاری رہا عمان اور اسرائیل کی باضابطہ ایک ہی ملاقات میڈیا پر آئی۔ ۱۴ اپریل ۲۰۰۸ء کو عمانی وزیر خارجہ یوسف بن علوی کی اسرائیلی وزیر خارجہ زپی لیونی سے دوحہ، قطر میں اس کے ہوٹل کے کمرے میں ملاقات ہوئی جہاں ان دونوں نے خطے میں امن و تعاون کے مواقع تلاش کرنے پر بات چیت کی۔[20]

۲۰۱۸ء میں عمان اور اسرائیل کے درمیان تعلقات دوبارہ بحال کرنے کے حوالے سے بات چیت شروع ہوئی۔ جس کے بعد سلطان قابوس نے اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو کو عمان کا دورہ کرنے کی دعوت دی۔ نیتن یاہو نے ۲۶ اکتوبر ۲۰۱۸ء کو موساد کے سربراہ یوسی کوہن اور قومی سلامتی کے مشیر بین شبات کے ساتھ مسقط کا ایک روزہ دورہ کیا اور سلطان قابوس سے اس کے محل میں ملاقات کی۔ اس ملاقات میں پورے عرب خطے کے اسرائیل کے ساتھ تعلقات بہتر بنانے پر بات چیت ہوئی۔ نیتن یاہو کے دفتر نے اس دورے کے حوالے سے بیان جاری کیا کہ یہ دورہ دونوں ملکوں کے درمیان طویل مدت سے جاری روابط کے بعد طے پایا۔[21]

اس ملاقات کے اثرات اگلے ہی دن واضح ہو گئے جب بحرین میں ہونے والی سکیورٹی کانفرنس میں عمانی وزیر خارجہ یوسف بن علوی نے اسرائیل کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس نے ڈونلڈ ٹرمپ کی طرف سے ”صدی کی سب سے بڑی ڈیل“ (Deal of The Century) کے نام سے عرب ممالک کی اسرائیل کو تسلیم کرنے کی کوششوں کی حمایت کی اور کہا:

> ”اسرائیل خطے میں موجود ایک ریاست ہے، اور ہم سب یہ بات سمجھتے ہیں۔ دنیا بھی اس حقیقت سے آگاہ ہے اور شاید اب وقت آ گیا ہے کہ اسرائیل کے ساتھ (دیگر ریاستوں کی طرح) مساوی انداز میں تعامل کیا جائے اور اس پر بھی باقیوں کی طرح وہی ذمہ داریاں عاید ہوں......
> ......ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ راستہ آسان اور پھولوں سے ڈھکا ہو گا، لیکن ہماری ترجیح ہے کہ اب اس تنازع کو ختم کر کے ایک نئی دنیا میں داخل ہوا جائے۔“[22]

فروری ۲۰۱۹ء میں ٹرمپ نے پولینڈ کے دار الحکومت وارسا میں ایران کے خلاف ایک کانفرنس منعقد کی جس میں اسرائیل سے نیتن یاہو نے شرکت کی اور اس کے علاوہ عمان سمیت تمام عرب ممالک کے نمائندوں نے شرکت کی۔ یہ میڈرڈ کانفرنس کے بعد پہلی ایسی کانفرنس تھی جس میں تمام عرب ممالک اور اسرائیل ایک جگہ جمع ہوئے۔ اس کانفرنس کو اگلے سال طے پانے والے ابراہام معاہدوں کا پیش خیمہ قرار دیا گیا۔ اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو نے اس کانفرنس کے دوران عمان کے وزیر خارجہ یوسف بن علوی سے ملاقات کی۔

اس ملاقات کے دو ماہ بعد اپریل ۲۰۱۹ء میں اردن میں ہونے والے عالمی معاشی فورم (World Economic Forum) کے اجلاس سے بات کرتے ہوئے عمان کے وزیر خارجہ نے کہا کہ اسرائیل کو خطے میں اپنے مستقبل کے حوالے سے خوف لاحق ہے اور عربوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسرائیل کو اس خوف سے باہر نکالنے کے لیے اقدامات کریں۔ اس نے کہا:

---

[18] A Diplomatic History of Israel's Relations with Oman: From Clandestine Ties to the Abraham Accords by Dr. Jonathan Ghariani – The Azrieli Institute of Israel Studies – Concordia University

[19] The Oman File: Muscat's Mossad Links by Yossi Melman – Haaretz

[20] Israeli and Omani Foreign Ministers meet in Qatar – Muscat Confidential (April 15, 2008)

[21] The Prime Minister's Visit to Oman – The Institute for National Security Studies – Tel Aviv University (November 15, 2018)

[22] Oman says 'Israel is a state' in the Middle East – Aljazeera (27 Oct 2018)

”مغرب اسرائیل کو سیاسی، معاشی اور عسکری مدد فراہم کر رہا ہے اور اب اس کے پاس طاقت کے ہر طرح کے اسباب موجود ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ چالیس کروڑ عربوں کے درمیان گھرے ہوئے ایک غیر عرب ملک کے طور پر اپنے مستقبل کے حوالے سے خوفزدہ ہے۔
...... میرا ماننا ہے کہ عربوں کو اس مسئلے پر غور کرنا چاہیے اور اسرائیل کے ساتھ حقیقی معاہدوں اور اقدامات کے ذریعے سے اسے اس خوف سے باہر نکالنے کی کوشش کرنی چاہیے۔“

اس سوال کے جواب میں کہ کیا عمان اسرائیل کو تسلیم کرنے جارہا ہے، وزیر خارجہ نے جواب دیا:

”نہیں! تسلیم تو نہیں کر رہے، لیکن ہم چاہتے ہیں کہ وہ (اسرائیل) خود یہ محسوس کرے کہ اب اس کے مستقبل کو کوئی خطرہ لاحق نہیں۔“[۲۳]

اگرچہ ۲۰۱۹ء کے اواخر میں سلطان قابوس کی طرف سے امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کو یہ اشارہ دیا گیا تھا کہ عمان بھی ابراہام معاہدوں میں شمولیت کے لیے تیار ہے، لیکن ابراہام معاہدوں سے چند ماہ قبل ۱۰ جنوری ۲۰۲۰ء کو سلطان قابوس کی موت واقع ہو گئی جس کے بعد اسرائیل سے تعلقات کی بحالی میں تمام پیش رفت رک گئی۔ سلطان قابوس کے مرنے پر نیتن یاہو نے تعزیتی پیغام جاری کیا اور سلطان قابوس کے خطے میں جاری امن عمل میں کردار کو سراہا۔

سلطان قابوس کی نہ تو کوئی اولاد تھی اور نہ ہی کوئی بھائی اس لیے اس نے اپنے بعد اپنے چچازاد بھائی ہیثم بن طارق کو سلطان بنانے کی وصیت کی تھی۔

ہیثم بن طارق کے سلطان بننے کے بعد اسرائیل عمان تعلقات پرانی نہج پر لوٹ گئے۔ سلطان ہیثم نے ابراہام معاہدوں کو سراہا اور اگست ۲۰۲۰ء میں ہونے والے اسرائیل متحدہ عرب امارات کے درمیان معاہدے، ستمبر ۲۰۲۰ء میں اسرائیل اور بحرین کے درمیان ہونے والے معاہدے اور دسمبر ۲۰۲۰ء میں مراکش اور اسرائیل کے درمیان ہونے والے معاہدے کی بھرپور حمایت کی اور ان معاہدوں پر دستخط کی تقریب میں عمانی سفیر نے شرکت بھی کی لیکن خود اس میں شمولیت اختیار نہیں کی۔[۲۴]

۲۳ فروری ۲۰۲۳ء کو عمان نے اسرائیلی جہازوں کے لیے اپنی فضائی حدود کھول دی لیکن اس کے بعد سے اب تک اسرائیل عمان تعلقات میں کوئی خاص تبدیلی دیکھنے میں نہیں آئی۔[۲۵]

نہ تو دیگر عرب ممالک کی طرح عمان نے دوبارہ اسرائیل سے تعلقات کو نارملائز کرنے کا عندیہ دیا اور نہ ہی دو سال تک غزہ میں جاری جنگ کے دوران سیاسی و مذمتی بیانات سے بڑھ کر عمان نے اسرائیل کے خلاف کوئی عملی اقدام کیا۔

ٹرمپ کی جانب سے اعلان کیے گئے ”بورڈ آف پیس“ کے حوالے سے عمان نے ہمیشہ کی طرح اپنی بھرپور حمایت کا اعلان کیا اور اس عمل کو خوش آئند قرار دیا۔ اگرچہ عمان نے ابھی تک ”بورڈ آف پیس“ میں باضابطہ شمولیت کا اعلان نہیں کیا لیکن میڈیا رپورٹس کے مطابق اس حوالے سے سلطان ہیثم کی جانب سے مثبت اشارے مل رہے ہیں۔[۲۶]

اختتامیہ

عمان کے اسرائیل کو تسلیم نہ کرنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ صرف پچاس لاکھ کی آبادی والے اس ملک کی ۸۰ فیصد عوام اسرائیل سے تعلقات قائم کرنے کی مخالف ہے اس لیے عمان کے حکمران خواہش کے باوجود یہ اقدام اٹھا کر اپنے پاؤں پر کلہاڑا مارنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔

عمان کے حکمران خاندان کی تاریخ واضح کرتی ہے کہ وہ بھی ان بہت سے مسلم ممالک کے حکمرانوں میں سے ایک ہیں جن کا واحد نظریہ اپنے مفادات ہوتے ہیں اور وہ کسی ایک فریق کی جانب جھکاؤ اختیار کر کے دوسرے فریق سے بگاڑنے اور خود کو مشکل میں ڈالنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ نہ تو ان میں اتنا دم خم ہے کہ کسی مخالفت کی پرواہ کیے بغیر اسرائیل کو تسلیم کرنے کے جس اقدام کا وہ پچھلے پچاس سال سے دوسرے عرب ممالک کے لیے خیر مقدم کرتا آرہا ہے اور اس کی حمایت کرتا آرہا ہے اور اسے خطے میں امن کا واحد ذریعہ قرار دیتا آرہا ہے وہی قدم خود بھی اٹھالے اور نہ ہی اتنی اخلاقی جرأت کہ تقریباً اسّی سال سے جاری مسلمان عرب سرزمین پر موجود ناجائز صہیونی وجود کے ساتھ خفیہ تعلقات ختم کرے اور اس کے خلاف کوئی عملی اقدام اٹھائے۔ ریڑھ کی ہڈی کے بغیر زمین پر رینگنے والی مخلوق جیسے ان حکمرانوں کو اپنے اقتدار اور اپنے مفادات کی حدود سے آگے کچھ نظر نہیں آتا اور وہ کبھی ایسا کوئی قدم اٹھانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے جس سے ان کے ہاتھ سے اقتدار چھن جانے کا خطرہ پیدا ہو جائے۔

اور یہی قبلۂ اوّل سے خیانت کرنے والے اس قبیل کے تمام خائنین کی داستان ہے!

☆☆☆☆☆

[۲۳] Oman calls on Arabs to ease Israel's 'fear for its future' – Aljazeera (7 April 2019)

[۲۴] Israel Oman relations – Jewish Virtual Library

[۲۵] Oman Allows Israeli Flights Into Airspace, FM Praises 'Historic Decision' – Haaretz (February 23, 2023)

[۲۶] Oman welcomes US-led peace efforts for Gaza – Muscat Daily (22 January 2026)

کہ اُن کے واسطے تو نے کیا خودی کو ہلاک

محترمہ عامرہ احسان صاحبہ

ہفتے بھر کا جائزہ لینے بیٹھیں تو سبھی شہ سرخیوں پر ایک ہی شخص کے مچائے فتنے، فتور، دنگے، فساد، بلوے، غدر اتنے بے پناہ ہوتے ہیں کہ پورا کالم اسی کی نذر ہو جاتا ہے۔ ٹرمپ کے عنوان سے تاریخِ عالم میں بہت سے محاورے، اصطلاحیں، ادب میں بے ادبی کے بہت سے شاہکار تصنیف ہوں گے۔ ہلاکو، چنگیز خان اس کے سامنے خود کو بونا پائیں گے۔ یوں بھی ان کے پاس 'ٹرمپ سوشل'...... معاف کیجیے 'ٹروتھ سوشل' تو نہ تھا! زبان، قلم، دو انگلیوں کی زد میں پوری دنیا۔ رہی سہی کسر ہر آن بگڑتے چہرے کے تاثرات جو بچوں کو ڈرانے کے کام آ سکتے ہیں اور کبھی ہنسانے کے بھی۔ قربِ قیامت کی ہولناک نشانیوں میں کتنا کچھ ہو گا ہمیں اتنا اندازہ نہ تھا۔ بیک وقت بے شمار کٹے کھولے بیٹھا ہے۔ لاطینی، جنوبی امریکہ، وینزویلا کا قضیہ، ٹیرف کا قصہ، غزہ/اسرائیل (اعصاب شکن)، امریکہ میں امیگریشن کے جھگڑے اور عین ٹرمپی نوعیت کی پولیس 'ICE'، گرین لینڈ، یورپ سے نیٹو پر فساد، غزہ پر امن بورڈ کا فسانہ، جس سے ضمناً اقوامِ متحدہ کا خاتمہ کرنے کا عزم کر بیٹھا، کینیڈا کو چھیڑ دیا کھری کھری اس سے سننے کے بعد......! امریکہ کو خود بحران در بحران کا سامنا ہے۔

اس وقت تو ٹرمپ کے مذکورہ اٹھائے گئے سیٹیاں بجاتے طوفانوں، جھکڑوں، گرد بادوں نے عملاً بر سرِ زمین اللہ کی گرفت دکھا دی۔ برفانی ہواؤں، یخ بستہ تیز بارشوں، برف باریوں نے بیس ریاستوں کو گھیر رکھا ہے۔ اموات مسلسل بڑھ رہی ہیں، ہزاروں پروازیں منسوخ، زمینی آمد و رفت و کاروبارِ زندگی معطل، لاکھوں گھر بجلی سے محروم، ٹیکساس تا نیویارک شدید برف باری سے مفلوج ہو گیا، موسمیاتی ایمر جنسی جا بجا نافذ، رائٹر کے مطابق سب کچھ منجمد، قطب شمالی کی طرح برفانی ہو چکا! تم گرین لینڈ پر قبضہ چاہتے تھے؟ لو! تمہیں یہیں بیٹھ کر قطب شمالی کا ہمسایہ گرین لینڈ بنا دیا، میکائیلی کارکنانِ الٰہی نے بحکمِ ربی۔ گلیشیرز کی سی سرزمین! قوم کی قلفی جما دی، مگر اس گلیشیر تلے معدنیات نہ ہوں گی جس کے تم در پے تھے! منی سوٹا، مینا پولس میں کار فرما حکومتی غنڈوں، ICE کی طرح اب ہر شہر میں منجمد کرنے اور پھسل کر خدانخواستہ ہڈیاں تڑوانے والی آئس آ گئی۔ تم نے دو بے گناہوں کو قتل کیا، پورے امریکہ میں آئس پولیس کے قتل اور درندگی (روتے چلاتے بچے قید خانوں میں ماؤں سے جدا کر کے) پر مظاہرے شروع ہیں۔ اللہ نے گویا از خود نوٹس لے کر تمہیں اپنی ڈال دی۔ اب بورڈ آف پیس کی جگہ تم جا بجا لخت لخت، ٹکڑوں میں بکھرتی اپنی حکمرانی اور معیشت سنبھالو۔ امریکی قرضے پہلے ہی دو لاکھ انیتس ہزار ڈالر فی گھرانہ ہیں، اب جو تباہی ملک بھر میں اس طوفانِ عظیم سے آ رہی ہے، مزید مقروض کرے گی۔ (پاکستان اور امریکہ قرض شریک بھائی ہیں، ہمارا بھی ہر بچہ مقروض ہے۔) اب تک سو ارب ڈالر کا نقصان ہو چکا جو مزید بڑھ رہا ہے۔

اب آیئے غزہ امن پلان کی حقیقت پہ، جواب پرت در پرت کھل کر سامنے آ گئی ہے۔ ایک بھاری امتحان پوری انسانیت اور ضمیر عالم کے سامنے سات اکتوبر ۲۰۲۳ء سے آیا۔ آخرت پر ایمان تینوں بڑے مذاہب کا بنیادی عقیدہ ہے، ان کے پیغمبروں اور آسمانی کتب کی رو سے (جس میں بھرپور جھوٹ کی آمیزش سے زمینِ غزہ ادھیڑ ڈالی گئی، اسرائیل اور ٹرمپ کی ملی بھگت سے)، یہ کہ ہر انسان زمین پر امتحان دینے آتا ہے، فرشتے اعمال (Guardian Angels) ریکارڈ کرتے ہیں، قبر، یا جنت کا باغ یا دوزخ کا گڑھا بنتی ہے اعمال کی بنیاد پر، آخرت آنی ہے، حضورِ رب تعالیٰ پیشی، سوال جواب، حساب کتاب ہو گا، جس کے مطابق ابدی ٹھکانہ بنے گا۔ یہی کچھ چرچوں، کنیساؤں میں کسی نہ کسی صورت پڑھایا جاتا ہے۔ اس وقت جو بھاری قتل عام، نسل کشی پوری دنیا نے دیکھی، وہ ایک مذہبی جنگ ہے، جسے یہود نے اپنے 'خداداد حق' کے نام پر دیوانہ وو حشیانہ وار نہتی آبادی پر مسلط کیا۔ کمال یہ ہے کہ پوری دنیا اس پر ہلا ماری گئی۔ کوئی ایک ملک بھی یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کسی براعظم سے اسرائیل کے ساتھ کھڑا نہ ہوا بلکہ وہ پوری دنیا سے تمام تر نفرت اور ملامت کا نشانہ ہی بنا۔ کوئی بھی یہودی، عیسائی نہ ہوا (ٹرمپ کو دیکھ کر!) بلکہ فلسطینیوں کو دیکھ کر بے حساب نے ہر جا اسلام قبول کیا، نوکریاں، ڈگریاں بہت کچھ داؤ پر لگایا۔ اب بالآخر اس جنگ کے تصفیے کو ٹرمپ نے امن بورڈ بنایا ہے۔ ہر مسلمان پر یہ واضح رہے کہ قبلۂ اول (تیئس لاکھ فلسطینیوں کی بے بہا قربانیوں کے ساتھ) کے تقدس اور شہداء ولواحقین کے ساتھ مبنی بر انصاف فیصلے میں فرد، فرد کا حصہ اور عند اللہ جواب دہی ہے۔ حکمرانوں، سیاست دانوں، سرمایہ کاروں، نوجوانوں، صحافیوں، عوام الناس ہر ایک کا اخروی مستقبل اس سے نتھی ہے۔ یہ سیاسی نہیں ایمانی معرکہ تھا اور ہے۔ تاریخ ساز بین الاقوامی احتجاجوں، مظاہروں، قربانیوں کے بعد یہ مرحلہ آیا۔ یہ امن بورڈ (BoP) ایک تنظیمی ڈھانچہ ہے جو بظاہر یو این سکیورٹی کونسل کی قرارداد ۲۸۰۳ کے تحت غزہ میں قیام امن کے لیے بنایا گیا، مگر عملاً اب غزہ کا نام بھی غائب ہے اور یو این کو بھی یہ ہڑپ کرنا چاہتا ہے! بورڈ کا سربراہ ٹرمپ ہے، مکمل آمرانہ اتھارٹی ویٹو پاور کے ساتھ، ایگزیکٹو بورڈ میں امریکی وزیر خارجہ مارکو روبیو، وٹ کاف، کشنر، بلیئر اور اسی نوع رقماش کے دیگر صہیونی، صہیونی نواز حضرات موجود ہیں۔ مکمل اسرائیلی کنٹرول!

کمال یہ ہے کہ سوا دو سال قیامتوں سے گزرنے والا غزہ، آخر میں ایک کمزور کمی کمین، مزدور، کارکن کی حیثیت میں کھڑا ہے۔ جسے بارات کا دولہا ہونا تھا، اس کی قسمت کا فیصلہ دنیا کے بڈھے چودھری نے یک طرفہ چکا دیا۔ عملاً اس پورے فسانے میں — جس سے یورپ، روس، چین سبھی قابل ذکر قوتیں اور ممالک باہر ہیں — دنیا بھر سے چھوٹے ممالک،

ڈکٹیٹروں، بادشاہوں، غیر مقبول آمریتوں کے اکٹھ سے اعداد و شمار تو بن گئے مگر حماس اسے قبول کرنے کو تیار نہیں، کٹنے مرنے پر رضامند، مگر بے ہتھیار ہونے کا سوال نہیں۔

پلان رفح سے شروع ہو چکا۔ اطالوی صحافی نے تلخ حقائق بیان کیے ہیں، رفح میں بلڈوزروں سے ملبہ صاف کر کے اجسادِ خاکی کے ٹکڑوں سمیت، ایک تعمیراتی مقام بنانا ہے۔ پروگرام عین وہی ہے جس کا ٹرمپ نے ارادہ ظاہر کیا تھا، یعنی غزہ کے ساحل سمندر پر ایک زبردست سیاحتی مرکز، عشرت گاہ بنانے کا۔ لوگوں نے اسے محض سہانا رڈراؤنا خواب سمجھا، اب اس کی تعبیر تیار ہے، مقتولین پر زمین پاٹ کر خواب پورا کرنے کا یہ پلان ہے۔ اہل غزہ پر بھوک، محاصرہ، سردی، کیچڑ، پھٹے ٹینٹ، فاقہ زدگی کے سارے ہتھیار آزما لیے گئے۔ ’اختیار‘، ’انتخاب‘ اہل غزہ کا حق ہے، چاہو تو اس جہنم سے یہ سمجھ کر نکل جاؤ کہ دوبارہ کبھی نہ آؤ گے، کیونکہ تمہارا لُوٹا ہوا گھر اب رئیل اسٹیٹ کا ایک (قیمتی) پلاٹ بن چکا ہے، مقبروں پر اب تعمیرِ نو ہو گی۔

رہی مسلمان ممالک کی بین الاقوامی استحکام فورس (ISF)، جس پر ہماری پارلیمنٹ میں شدید تنقید کی بوچھاڑ ہوئی، اس کی حقیقت خود اسرائیل کے چینل ۱۱ نے بتادی۔ کریات کمانڈ سینٹر تل ابیب میں امریکی ملٹری نے تصاویر (ویڈیوز بھی) پوسٹ کیں جو مصر کی درخواست پر ہٹا دی گئیں (مصری فوجی اسرائیلی سینٹر میں ان کے شانہ بشانہ ISF کی تربیت لے رہے ہیں!)، مصری فوج کی وہاں موجودگی کا ثبوت مشکل کھڑی کر دیتا۔ مگر بہر طور بلی تھیلے سے باہر آ چکی، ویڈیوز موجود ہیں، جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستین کا۔ دنیا سے چھپنے کے سامان یہاں کام نہیں آئے تو اللہ کے ہاں تو یہ مناظر سکرینوں پر چلیں گے۔ انجام اسی کے ساتھ ہو گا (حدیث کے مطابق) جس سے محبت کرو گے ر شانہ بہ شانہ چلو گے! مخفی کچھ بھی نہیں، نہ آج نہ کل!

سپین تو بورڈ کا ممبر بننے سے انکاری ہو کر نکل گیا، کیا ہم قدس کے محافظوں کے سر پر ISF کا حصہ بن کر کھڑے ہوں گے؟ اسرائیل کے علاوہ آگے بڑھ کر بورڈ ممبری کے دستخط کرنے والے ہم ہی تو تھے۔

ٹرمپ کے ساتھ کشنر کا کردار اور جس طرح اس نے شاہی استعماری انتظامات کی سلائیڈیں دکھائیں۔ واضح رہے کہ بورڈ میں ایک بھی فلسطینی شامل نہیں۔ دیواروں اور بند گیٹوں کے پیچھے صنعتی زونز کو اپارتھائیڈ نظام کے مزدور فراہم کریں گے۔ لیبل بدل کر صدیوں پرانا نظام اسی غلامی کو رائج کرے گا۔ کشنر صہیونیت کا مایہ ناز سپوت، گریٹر اسرائیل کے تخلیق کاروں میں سے ایک، امریکہ میں اسرائیل کا وائسرائے، ہر مسلمان پر حقائق واضح رہنا ضروری ہیں۔ فیصلے سوچ سمجھ کیے جائیں!

ترے بلند مناصب کی خیر ہو یا رب
کہ ان کے واسطے تو نے کیا خودی کو ہلاک

[یہ مضمون ایک معاصر روزنامے میں شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

ربّانی مجاہد کا عقیدہ

ربّانی مجاہد کا عقیدہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں واضح راستے پر چھوڑا ہے جس کی رات بھی اس کے دن کی طرح روشن ہے اور جس سے وہی انحراف کرتا ہے جو خود حق سے منحرف ہو۔

اس لیے جب ایک ربّانی مجاہد موجودہ دور میں جہاد سے منسوب گروہوں کی طرف سے اپنائے جانے والے راستے کے بارے میں اپنے بھائیوں کو ابہام اور الجھن میں دیکھتا ہے کہ ان میں سے کون زیادہ صحیح اور مؤثر راستے پر ہے جس کے حصول کے لیے انہوں نے ہتھیار اٹھائے تھے، تو اسے اپنے منہج میں مضبوطی اور اپنے رب کی شریعت اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کے فہم کی بنا پر اس کا جواب آسان اور سادہ ملے گا۔ تخت اور اقتدار پر قابض ہونے کے لیے ہتھیار اٹھانا، اقامتِ دین کے لیے اسلحہ اٹھانے جیسا نہیں ہے، کیونکہ اللہ کا دین قیمتی ہے اور یہ جہادی پگڑیاں باندھنے والے ہر ایرے غیرے کے ذریعے قائم نہیں ہو گا۔ اسی طرح ہمارے زمانے میں جبکہ صہیونی صلیبی دشمن اور اس کے اتحادیوں نے ہم پر اور ہماری سرزمینوں پر اس طرح حملہ کیا ہے جیسے بھوکے لوگ کھانے پر حملہ کرتے ہیں، نبوی منہج پر مبنی ایک صالح اسلامی نظام کی تشکیل ایک، دو یا تین نسلوں میں ممکن نہیں ہے۔ بلکہ ہماری امت کو اس کے ڈھانچے کی تکمیل کے لیے، اس کے ستونوں کو قائم کرنے کے لیے اور جس قدر ممکن ہو اس کی مضبوطی کے لیے، کئی نسلیں درکار ہیں۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مخلص اہلِ جہاد کو نہ صرف اپنی نسل کے لیے بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی جہادی راستے کی حفاظت کے لیے کوشاں رہنا چاہیے اور صحیح جہادی راستے کے نشانات اور منہجِ سلیم کی بنیادیں قائم کرنی چاہئیں۔

تاہم یہ ضروری ہے کہ احتیاط سے ایسے رجالِ کار اور ایسی قیادت کا انتخاب کیا جائے جو جہادی علَم کو یکے بعد دیگرے اٹھائیں تاکہ امت ان کے نقشِ قدم پر چل سکے۔

استاذ عبد العزیز الحلاق

شہ سرخیوں سے چھپی اسرائیل کی ایک اور جنگ

مریم برغوثی

جس عرصے میں امریکہ جنگ بندی کے ڈرامے کے ذریعے غزہ پر اسرائیلی جارحیت کو طول دینے پر توجہ مرکوز کیے ہوئے ہے، اسی عرصے میں مغربی کنارے (ویسٹ بینک) میں ایک اور جنگ بھی جاری ہے۔

گزشتہ دو برسوں میں اسرائیل نے مغربی کنارے میں اپنی ''انسدادِ بغاوت کارروائیوں'' (Counter Insurgency Operations) میں نمایاں اضافہ کیا ہے، جن کا مقصد بقول اس کے، ''فلسطینی دہشت گردی'' کو ناکام بنانا ہے۔ ''انسدادِ بغاوت کارروائیاں'' جیسی اصطلاحات کا استعمال اتفاقی نہیں۔ اسرائیل فوجی اصطلاحات کو اپنے ارادوں پر پردہ ڈالنے اور ایک من گھڑت حقیقت قائم کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ آپریشن آئرن وال (Operation Iron Wall) سے لے کر آپریشن سمر کیمپس (Operation Summer Camps) اور آپریشن فائیو اسٹونز (Operation Five Stones) تک، اور حال ہی میں الخلیل (ہیبرون) میں ہونے والی ''انسدادِ دہشت گردی'' کارروائی تک، ان سب کو عارضی، محدود اور ردِ عمل پر مبنی اقدامات کے طور پر پیش اور رپورٹ کیا جاتا ہے۔

لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ فوجی جارحیت میں اضافہ، جس کے ساتھ آبادکار ملیشیاؤں کا تشدد، انفراسٹرکچر کی تباہی، گھروں کی مسماری، اور سڑکوں پر بڑھتی ہوئی رکاوٹیں اور چیک پوسٹوں کی بڑھتی ہوئی تعداد، کا مقصد زمین پر ایسے حقائق پیدا کرنا ہے جو فلسطینیوں کے لیے زندگی کو ناممکن بنادیں، بالکل غزہ کی طرح۔

مغربی کنارے کے جنگی علاقے

۲۰۲۵ء میں مغربی کنارے میں اسرائیلی فوجی یلغار کے نتیجے میں فلسطینیوں کو ۱۹۶۷ء کے بعد سب سے بڑی جبری بے دخلی کا سامنا کرنا پڑا، جس میں تقریباً پچاس ہزار فلسطینیوں کو تشدد کے ذریعے اپنے گھروں سے نکال دیا گیا۔

اسرائیلی فوج نے جنین اور طولکرم کے مہاجر کیمپوں کو تباہ کر دیا اور ان کے رہائشیوں کو واپس آنے کا حق دینے سے انکار کر دیا۔ اب ان دونوں کیمپوں کو شمال میں اپنے فوجی ہیڈ کوارٹرز میں عملاً تبدیل کر دیا گیا ہے۔

اسرائیلی فوج نے سڑکوں، نکاسیٔ آب کے نظام اور پاور گرڈ سمیت انفراسٹرکچر کو تقریباً مکمل طور پر تباہ کیا۔ جنین شہر کی کم از کم ستر فیصد سڑکیں بلڈوز کر دی گئیں، اور چند ہی ہفتوں میں جنین اور طولکرم میں پانی کی بیشتر پائپ لائنیں اور سیوریج نیٹ ورک تباہ ہو گئے، جس سے لاکھوں ڈالر کا معاشی نقصان ہوا۔

پورے ضلع میں ہزاروں گھرانوں کا پانی اور بجلی دونوں منقطع کر دیے گئے۔ آج بھی بے دخل خاندان ایسے علاقوں میں رہنے پر مجبور ہیں جہاں پہنچنا مشکل ہے اور شہری بنیادی سہولیات تقریباً ناپید ہیں۔

اسی کے ساتھ اسرائیلی فوج نے اپنے تشدد کے دائرۂ کار کو وسیع کر دیا ہے۔ اب اسرائیلی فوج مغربی کنارے کے وسطی شہروں، مثلاً رام اللہ اور اریحا (جریکو)، اور جنوب میں الخلیل (ہیبرون) اور بیت لحم میں بھی باقاعدہ چھاپے مارتی ہے۔ ان حملوں میں فلسطینیوں کو محاصرے میں لیا جاتا ہے، خوف زدہ کیا جاتا ہے اور بعض اوقات اسرائیلی فوج مکمل استثنا کے ساتھ کام کرتے ہوئے انہیں بے دریغ قتل بھی کر دیتی ہے۔

اسی ہفتے اسرائیلی فوج نے قانون و نظم قائم کرنے کے بہانے الخلیل (ہیبرون) میں بڑے پیمانے پر آپریشن شروع کیا۔ پورا شہر لاک ڈاؤن کے تحت ہے، اسرائیلی ٹینک سڑکوں پر گشت کر رہے ہیں، جبکہ مردوں اور لڑکوں کو حراست میں لے کر موقع پر تفتیش کی جا رہی ہے اور ان سے نہایت ظالمانہ سلوک روا رکھا جا رہا ہے۔

لیکن اسرائیلی تشدد صرف فوجی چھاپوں اور آپریشنز تک محدود نہیں۔ جہاں فوج جاتی ہے، وہاں آبادکار اس کے پیچھے پیچھے آتے ہیں۔ استعماری آبادکارانہ سوچ کے تحت فوج راستہ ہموار کرتی ہے تاکہ اسرائیلی آبادکار ملیشیائیں فلسطینی عوام اور ان کی املاک پر حملے کر سکیں اور زمین کے الحاق کو آگے بڑھایا جا سکے۔ گزشتہ دو برسوں میں مغربی کنارے میں غیر قانونی طور پر رہنے والے اسرائیلیوں کو امریکی ساختہ ایم-۱۶ رائفلوں سے لے کر پستولوں اور ڈرونز تک فوجی درجے کے ہتھیار فراہم کیے گئے ہیں، اور وہ انہیں کھلے عام استعمال کر رہے ہیں۔

اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اسرائیل کی ''انسدادِ بغاوت کارروائیاں'' میدانِ جنگ میں فتح حاصل کرنے کے لیے نہیں ہیں۔ یہ آبادکاروں کے ساتھ مل کر مغربی کنارے کے جغرافیائی اور معاشرتی ماحول کو از سرِ نو تشکیل دینے کی ایک مربوط کوشش ہے، تاکہ کسی بھی قسم کے اختلافِ رائے یا مزاحمت کی گنجائش باقی نہ رہے۔

جب ایک قابض طاقت شہری آبادی پر انسدادِ بغاوت کی منطق لاگو کرتی ہے تو گھر، گلیاں اور روزمرہ معمولات سب کنٹرول کے آلات میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

خوف کا انفراسٹرکچر

گزشتہ جنوری میں اسرائیلی آبادکاروں نے مغربی کنارے کی مرکزی سڑکوں پر بڑے بڑے بل بورڈز نصب کیے۔ موٹے اور نمایاں حروف میں لکھا تھا: ''فلسطین میں کوئی مستقبل

نہیں"۔ فلسطینیوں نے اسے سمجھ لیا کہ یہ جنگ کا اعلان ہے۔ اور اب ہم اسی جنگ کے عین درمیان ہیں۔

ہر ہفتے اوسطاً ۹ فلسطینی شہید کیے جاتے ہیں، ۸۸ زخمی ہوتے ہیں، ۱۸۰ گرفتار کیے جاتے ہیں، اور درجن بھر افراد کو موقع پر تفتیش کے دوران تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اوسطاً ۱۰۰ اسرائیلی آبادکار حملے، ۳۰۰ فوجی چھاپے اور حملے، اور ۱۰ فلسطینی گھروں اور املاک کو مسمار کیا جاتا ہے۔ یہ سب محض ایک ہفتے کی کارگزاری ہے۔

یہ اعداد و شمار صرف تشدد کی شدت ہی نہیں بلکہ اس کی تکرار کو بھی ظاہر کرتے ہیں۔ اس شدت کا مقصد فلسطینیوں کی زندگی سے معمول کے ہر احساس کو ختم کرنا ہے۔

ایک سال کے دوران ہزاروں چھاپے، بستیوں کی توسیع، نئی بائی پاس سڑکیں، سیکڑوں نئی فوجی چیک پوسٹیں، اور منظم نگرانی، یہ سب وقتی واقعات نہیں، بلکہ انہوں نے تشدد کو استثنا کے بجائے معمول بنادیا ہے، اور خلل کو حکمرانی کا معمول بنادیا ہے۔

استعماری نوآبادیاتی تشدد فلسطینیوں کی زندگیوں کا تعین کرتا ہے۔ یہ طے کرتا ہے کہ لوگ کب سوتے ہیں، بچے کہاں کھیلتے ہیں، وہ کب اسکول جاسکتے ہیں، کاروبار کھلیں گے یا نہیں، اور مستقبل کا تصور کیسے کیا جائے۔ یہ مسلسل از سرِ نو منصوبہ بندی کی ضرورت مسلط کرتا ہے جو انسان کو نچوڑ ڈالنے اور تھکا دینے والا عمل ہے۔

پورے مغربی کنارے میں فلسطینی روزمرہ زندگی، پر تشدد رکاوٹوں کے گرد منظم ہو چکی ہے۔ اسرائیل صرف عملی الحاق کے ذریعے نقشہ از سرِ نو نہیں بنا رہا، بلکہ خوف کو ایک انفراسٹرکچر کے طور پر استعمال کر کے یہ بھی طے کر رہا ہے کہ فلسطینیوں کے لیے کہاں رہنا محفوظ ہے۔

اس کا اثر زندگی کے ہر پہلو پر پڑتا ہے۔ ایک فلسطینی صحافی کی حیثیت سے، جب بھی میں سڑک پر نکلتی ہوں تو ایک مانوس مگر مفلوج کر دینے والی بے چینی میرا استقبال کرتی ہے کہ کیا ہو سکتا ہے۔ میں شاذ ہی ایک ہی راستہ دوبارہ اختیار کرتی ہوں۔ ایک دن کوئی گاؤں بند ہوتا ہے، اگلے دن پورا شہر۔ ایک گھنٹے کا سفر تین، کبھی چار گھنٹوں میں بدل جاتا ہے۔ میں بار بار پہاڑوں کے راستوں سے مڑتی ہوں، کیونکہ ہر فلسطینی گاؤں اور قصبے کے ہر داخلے اور اخراج پر اسرائیلی دروازے اور چیک پوسٹیں نمودار ہو جاتی ہیں۔

مغربی کنارے میں ہماری زندگی چکروں اور متبادل راستوں میں ناپی جاتی ہے۔ یہ صرف اسرائیل کی منظم اور تیز رفتار، زمین اور زندگی برقرار رکھنے والے وسائل کی چوری کو نمایاں نہیں کرتے، بلکہ وقت چھین لیتے ہیں اور سماجی و معاشی صلاحیت کو ختم کر دیتے ہیں۔ اسرائیل نے نہ صرف مغربی کنارے کے علاقائی تسلسل کو توڑا ہے، بلکہ سماجی زندگی، نفسیاتی استحکام اور سیاسی امکانات کو بھی تباہ کر دیا ہے۔

یوں، جہاں کچھ فلسطینیوں کو بندوق کی نوک پر نکالا جا رہا ہے، وہیں باقیوں کو خوف کے اس انفراسٹرکچر کے ذریعے آہستہ آہستہ باہر دھکیلا جا رہا ہے۔

اسرائیل نے کامیابی سے ایسا معاندانہ ماحول پیدا کر لیا ہے جہاں چند ہی منٹوں میں گھر بھی میدانِ جنگ بن سکتے ہیں۔ اسی دوران مسلح اسرائیلی ملیشیاؤں کا تشدد اور آؤٹ پوسٹس کی بڑھتی ہوئی تعداد نابلس، رام اللہ، بیت لحم اور الخلیل (ہیبرون) جیسے شہری علاقوں کا گلا گھونٹ رہی ہے۔

اسرائیلی فوج نے کرنسی ایکسچینج کی دکانوں میں منظم لوٹ مار اور گھروں سے سونا چاندی جیسی قیمتی اشیا چرانا بھی شروع کر دیا ہے۔ یہ روزمرہ دہشت جتنا ہی اہم ہے، کیونکہ اسرائیل صرف طبعی انفراسٹرکچر کو تباہ نہیں کر رہا بلکہ بحالی اور تعمیر نو کو بھی ناممکن بنا رہا ہے۔

ایک قوم کی تقسیم

منقطع زمین، منقطع قوم کو جنم دیتی ہے۔ مغربی کنارے کے فلسطینی شہر سکڑ رہے ہیں اور ایک پھیلتی ہوئی اسرائیلی نوآبادیاتی ریاست میں نگلے جا رہے ہیں۔

گزشتہ سال اسرائیل نے غیر قانونی E1 بستی کے منصوبے کو باضابطہ شکل دی، اور اس سال بیت المقدس کے نزدیک، وادیٔ اردن میں اور پورے رام اللہ کے اطراف بستیوں کی توسیع کے منصوبوں کو آگے بڑھانے کا امکان ہے۔ یہ پیش رفت عملی طور پر مقبوضہ مشرقی بیت المقدس کو مغربی کنارے سے اور شمال کو جنوب سے کاٹ دے گی۔ اسرائیلی آبادکار اب فلسطینی سڑکوں اور گھروں پر فتح کی علامت کے طور پر اسرائیلی پرچم لگا رہے ہیں۔

مغربی کنارہ یہ سمجھنے کے لیے مرکزی حیثیت رکھتا ہے کہ جنگ ہمیشہ بموں کے ساتھ نہیں آتی، بعض اوقات یہ چیک پوسٹوں، اجازت ناموں، زوننگ پابندیوں، ریاستی سرپرستی میں تشدد، اور زندگی برقرار رکھنے والے وسائل کو فلسطینیوں سے موڑ کر آبادکار بستیوں کی طرف منتقل کرنے کی صورت میں آتی ہے۔ یہ صرف نوآبادیات کی تیاری میں زمین کی تقسیم نہیں، بلکہ مقامی آبادی کی اجتماعی طور پر وجود برقرار رکھنے کی صلاحیت کو آہستہ آہستہ کھوکھلا کرنا ہے۔

مغربی کنارہ وہ جگہ ہے جہاں جنگ سرخیوں کی حد سے نیچے، بغیر کسی واضح محاذ کے، اپنی گرفت مضبوط کرتی ہے۔

[یہ مضمون ایک معاصر روزنامے میں شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

ایپسٹین فائلز سازش نہیں مغربی سامراج کی فطرت کا اظہار ہیں

راجہ عبدالحق

ایپسٹین سے متعلق تازہ فائلوں کے اجرا نے سوشل میڈیا کو ہلا کر رکھ دیا ہے، جہاں فہرست میں شامل اور خارج ناموں کی اخلاقی حیثیت جانچنے کی ایک دوڑ لگی ہوئی ہے۔

یہ جنون کہ ''فائلوں میں کون ہے'' دراصل امریکی اداروں کو بری الذمہ ٹھہراتا ہے اور اصل مسئلے کو فرد کے انفرادی انحراف کے پردے میں چھپا دیتا ہے۔ ایپسٹین نیٹ ورک کو بلیک میل کے ذریعے سیاسی طور پر مفلوج کیے گئے برے کرداروں کے ایک خفیہ گروہ کے طور پر پیش کر کے یہ بیانیہ اس حقیقت کو نظر انداز کرتا ہے کہ ہم طاقت کے کسی استثنائی حادثے کا مشاہدہ نہیں کر رہے، بلکہ طاقت کی بنیادی فطرت کے ظہور کو دیکھ رہے ہیں۔

نتیجتاً، سیاسی تقسیم کے دونوں جانب غالب بیانیہ یہ بتاتا ہے کہ واشنگٹن کی اسرائیل کے لیے غیر متزلزل حمایت، اور غزہ میں نسل کشی میں اس کی براہِ راست شراکت داری، سیاست دانوں پر بیرونی خفیہ اداروں کے دباؤ کا نتیجہ ہے۔ یہ فریم ورک تجزیاتی طور پر ناقص ہے، کیونکہ یہ اس غلط مفروضے پر قائم ہے کہ امریکی سیاسی طبقہ کسی لبرل اخلاقی قطب نما سے رہنمائی لیتا ہے، اور یہ کہ اجتماعی قتلِ عام کی اس کی حمایت، اس کے دیگر نیک نیتی پر مبنی اقدار سے انحراف ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مغربی استعماری اور سرمایہ دار اشرافیہ کو فلسطینی زندگی کی تباہی میں اپنی شرکت کے جواز کے لیے بلیک میل کیے جانے کی ضرورت نہیں۔ امریکی صہیونی اتحاد مادی اور نظریاتی تقاضوں میں جڑا ہوا ہے، جہاں اسرائیل خطے میں امریکی بالادستی کا ایک کلیدی اڈہ اور اسٹریٹیجک ملٹری انڈسٹریل لیبارٹری کا کردار ادا کرتا ہے۔

۱۴۹۲ء میں اپنے آغاز سے ہی امریکی سلطنت کی شناخت یورپی سرمائے کی توسیع کے لیے مقامی آبادیوں کی منظم بے دخلی، غلامی اور نسل کشی سے رہی ہے۔ غزہ میں جاری نسل کشی اسی تاریخی ورثے کا معاصر اظہار ہے۔ یہ کہنا کہ فلسطین پر تسلط کے لیے امریکی حمایت سیاسی بلیک میلنگ کا نتیجہ ہے، دنیا بھر میں صدیوں پر محیط امریکی مظالم کو نظر انداز کرنا ہے۔ صہیونی آبادکار استعماری منصوبے کے ساتھ امریکی وابستگی مستقل رہی ہے قطع نظر اس کے کہ اقتدار کس کے پاس ہو، کیونکہ سامراج کے اسٹریٹیجک مفادات یہی تقاضا کرتے ہیں۔

''انسانی جانور''

یہ سامراجی فریم ورک مسلسل انسانوں کو غیر انسانی بنانے کے عمل (dehumanization) پر انحصار کرتا ہے، ایسا عمل جو ریاستی سرپرستی میں نسل کشی اور جنسی سمگلنگ، دونوں کو ممکن بناتا ہے۔ دونوں صورتوں میں انسان کو سیاسی اور اخلاقی اختیار سے محروم کر کے محض ایک شے یا مال میں بدل دیا جاتا ہے۔

غزہ میں فلسطینیوں کی غیر انسانی تصویر کشی نسل کشی کی پیشگی شرط ہے۔ جب پوری آبادی کو ''آبادیاتی خطرہ'' یا ''انسانی جانور'' قرار دیا جائے تو ان کا خاتمہ جرم نہیں رہتا، بلکہ آبادکار استعماری ریاست کی ''سلامتی'' کے لیے ایک انتظامی ضرورت بنا دیا جاتا ہے۔

ایپسٹین کے سمگلنگ نیٹ ورک میں بھی متاثرین کو قابلِ استعمال اشیاء بنا دیا گیا، جنہیں اشرافیہ کے مفادات اور لذتوں کے لیے خریدا، بیچا اور استحصال کیا جا سکتا تھا۔

یہ محض اتفاق نہیں کہ وہی سیاسی اور معاشی طبقہ جو غزہ میں بیس لاکھ افراد کی نسلی تطہیر میں سہولت کار ہے، جنسی درندوں کی فہرست میں بھی نظر آتا ہے۔ یہ کسی خفیہ سوسائٹی کی بات نہیں جس نے ریاست کو اغوا کر لیا ہو، یہ اس طبقے کی بات ہے جس کا نظریاتی اور مادّی عالمی نظریہ دوسروں کے مطلق استحصال پر قائم ہے۔

سامراجی طاقتوں کے نزدیک جسم، خواہ محصور علاقے میں ایک فلسطینی بچے کا ہو یا کسی نجی جزیرے پر اسمگل کیے گئے فرد کا، محض سیاسی بالادستی کی بقا اور جنسی درندگی کی تسکین کے لیے ایک شے ہے۔

ایپسٹین فائلوں میں نظر آنے والی اخلاقی گراوٹ، انہی اشرافیہ کی جانب سے عالمی جنوب (Global South) کو برآمد کی گئی بدعنوانی کا داخلی تسلسل ہے۔ ان کے نجی جنسی جرائم، ان کے عوامی اور پُرتشدد سیاسی جرائم کے ساتھ اسی سامراجی منطق کے عین مطابق ہیں۔

درحقیقت، ان کی جنسی مجرمانہ سرگرمیاں ان کے نسلی برتری کے عالمی نظریے سے پوری طرح ہم آہنگ ہیں۔ اگر اشرافیہ جغرافیائی سیاسی فوائد کے لیے بچوں کے قتلِ عام کی منظوری دینے میں مطمئن ہے، تو جنسی سمگلنگ میں اس کی شمولیت پر حیرت نہیں ہونی چاہیے۔

ہمیں اس فکری کاہلی کو بھی رد کرنا ہو گا جو اس سامراجی اور سرمایہ دارانہ بدکاری کو سازشی نظریات کی عینک سے دیکھتی ہے۔ ایسے نظریات اکثر مغربی یہود مخالف سانچوں پر انحصار کرتے ہیں تاکہ کرپشن اور برائی کی وضاحت کی جا سکے۔

یہ ملغوبہ مغربی فیصلہ سازوں کے لیے فائدہ مند ہے، کیونکہ اس سے ایک ''بفر کلاس'' پیدا ہوتی ہے جس پر دنیا بھر میں سامراجی منصوبوں کے نتائج کا الزام ڈال دیا جاتا ہے۔ سامراج کے ڈھانچوں میں، سرکاری اہلکار، ان کی مذہبی یا نسلی شناخت سے قطع نظر، سامراج کے ایجنٹ ہوتے ہیں۔ ان کی بنیادی وفاداری اور مقصد عالمی سرمایہ دارانہ نظام کو برقرار رکھنا ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۰۷ پر)

صہیونی کمپنی Nestlé پاکستان میں مزید ۶۰ ملین ڈالر (۱۶ ارب روپے) کی سرمایہ کاری کرے گی۔

صہیونیوں نے اپنے معاشی اثر ورسوخ کے ذریعے ہمارے اخلاق، تہذیب اور تمدن کی سمت متعین کر کے ہماری ترجیحات تبدیل کرنے کی کوشش جاری رکھی ہے، اوراُن کی کمپنیوں نے ہم سے نفع حاصل کر کے ہمارا ہی خون بہانے اور ہماری ہی عزت اورآزادی کو پامال کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رکھی۔ اِن کمپنیوں میں سے ایک سرِ فہرست کمپنی نیسلے (Nestlé) بھی ہے۔ اپنے دین کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے اپنی ترجیحات تبدیل کیجیے، اور ایسی تدابیر اختیار کیجیے جو اِنہیں نفع پہنچانے کے بجائے اِنہیں تباہ وبرباد کرنے کا سبب بنیں، اور اس کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ......

صہیونی مصنوعات کا......

#بائیکاٹ_کیجیے!

قسط ۱۳

عمرِ ثالث

امارت اسلامیہ افغانستان کے مؤسس

عالی قدر امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ کی مستند تاریخ

مصنف: قاری عبدالستار سعید

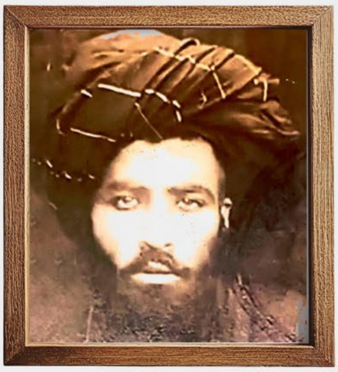

شمالی اور مرکزی صوبوں کی فتح

دارالحکومت کابل کی فتح کے باوجود ملک کے شمال، شمال مشرق اور بعض مرکزی علاقے بدستور مخالف قوتوں کے زیرِ تسلط رہے۔ بلخ، سمنگان، جوزجان، سرپل اور فاریاب پر جنرل عبدالرشید دوستم کی گرفت مضبوط تھی، جبکہ بادغیس میں اس کے بالمقابل امارتِ اسلامیہ کے مجاہدین برسرپیکار تھے۔ بامیان اور دیگر ہزارہ اکثریتی علاقوں پر حزبِ وحدت کا اثر و رسوخ قائم تھا، اور شمال مشرقی صوبے ربانی اور مسعود کے کنٹرول میں تھے۔

اپریل، مئی ۱۹۹۷ء میں، جنبش پارٹی کے نائب جنرل عبدالمالک نے جنرل دوستم سے اختلافات کے باعث خفیہ طور پر طالبان سے رابطے استوار کیے۔ چند امور پر مجموعی اتفاقِ رائے کے بعد وہ طالبان سے جاملا۔ یہ اتفاق کن نکات پر ہوا اور اس کے نتائج کیا نکلے؟ اس کی تفصیل بابِ پنجم میں قلم بند کی جائے گی۔ فی الحال اتنا ذہن نشین رہے کہ جنرل مالک کے ساتھ طالبان کے معاہدے کا بنیادی مقصد ملک کے شمالی صوبوں کو جنرل دوستم کے قبضے سے آزاد کر کے امارتِ اسلامیہ کے زیرِ انتظام لانا تھا، تاکہ کمیونسٹ رجیم کی سرپرستی میں پروان چڑھنے والی دوستم ملیشیا کے مظالم کا خاتمہ کیا جاسکے، جو ان علاقوں میں عام ہو چکے تھے۔

اسی سال مئی کے دوسرے عشرے کے آخری ایام میں طالبان نے جنرل مالک کے تعاون سے جنرل دوستم کے خلاف عملی کارروائیوں کا آغاز کیا۔ فاریاب، سرپل اور جوزجان پر قبضہ حاصل کر لیا گیا، اور ۲۳ مئی ۱۹۹۷ء کو مزارِ شریف بھی دوستم کے تسلط سے آزاد ہو گیا۔

اس وقت دارالحکومت کابل کے شمال میں واقع جبل السراج تک کے علاقے امارتِ اسلامیہ کے زیرِ نگیں آ چکے تھے، چنانچہ اسی محاذ سے شمال کی سمت پیش قدمی کا آغاز کیا گیا۔ ۲۴ مئی کو ضلع سالنگ اور اس سے گزرنے والی مرکزی شاہراہ پر مکمل قبضہ حاصل کر لیا گیا، اور اسی علاقے میں احمد شاہ مسعود کے معروف کمانڈر، بصیر سالنگی، طالبان سے آملے۔

اس کے ایک دن بعد طالبان کا ایک عظیم الشان لشکر، جس میں قرغہ (علاقے کا نام) کی چوبیسویں ڈویژن کے کمانڈر امیر خان حقانی بھی شامل تھے، ملا داد اللہ کی قیادت میں سالنگ کی سرنگ عبور کرتا ہوا بغلان کی سمت روانہ ہوا۔ اس لشکر نے پیش قدمی کرتے ہوئے پلِ خمری تک کے تمام علاقے کو اپنے قبضے میں لے لیا۔

تاہم اسی دوران جنرل مالک نے حزبِ وحدت (شیعہ تنظیم) کے ساتھ مل کر ایک بار پھر اپنی وفاداری تبدیل کر لی اور مزار شریف میں طالبان کے خلاف محاذ کھول دیا۔ چند ہی دنوں کے اندر اندر بلخ، جوزجان، سرپل اور فاریاب کے صوبے دوبارہ اس کے کنٹرول میں چلے گئے۔

اسی اثنا میں احمد شاہ مسعود نے پنج شیر کی جانب سے سالنگ اور جبل السراج پر شدید حملہ کر دیا، اور چاریکار و جبل السراج کے درمیان کابل مزار شریف کی مرکزی شاہراہ پر بہنے والے دریائے غوربند پر قائم پل، المعروف پلِ مٹک، کو بارود سے اڑا دیا۔ یوں سالنگ کے راستے شمال کی طرف پیش قدمی کرنے والے طالبان کے لیے واپسی کا راستہ مکمل طور پر مسدود ہو گیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ملا صاحب شدید مصروفیت کے ساتھ ساتھ گہری تشویش کا شکار بھی تھے۔ ایک طرف مزارِ شریف میں طالبان کی بڑی تعداد محاصرے میں پھنس چکی تھی، جن کے انجام کے بارے میں کوئی یقینی صورتِ حال معلوم نہ تھی، اور دوسری طرف سالنگ کے راستے بغلان کی جانب پیش قدمی کرنے والا طالبان کا وہ عظیم لشکر، جس کی تعداد ہزاروں میں تھی، خود بھی محاصرے کی زد میں آ چکا تھا۔

بغلان میں محصور طالبان کے نکلنے کا صرف ایک ہی راستہ ممکن تھا، وہ یہ کہ طالبان دریائے غوربند عبور کر کے جبل السراج اور ضلع سالنگ کو دوبارہ اپنے قبضے میں لے لیں، تاکہ بغلان میں گھرا ہوا لشکر اسی راستے سے بحفاظت واپس آ سکے۔ لیکن اس منصوبے کو عملی شکل دینے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ دریائے غوربند پر قائم پلِ مٹک کو احمد شاہ مسعود کی جانب سے بارودی مواد کے ذریعے مکمل طور پر تباہ کر دیا گیا تھا۔

ملا صاحب نے راستے کھلوانے اور پل تعمیر کرنے کی غرض سے اپنے دفتر کے چند افراد کو علاقے میں بھیجا، تاکہ وہ موقع پر جا کر حالات کا جائزہ لیں اور راستہ کھولنے اور پل کی تعمیر کے تمام ممکنہ پہلوؤں پر غور کریں۔ ملا صاحب کے رفقاء کے مطابق، ہم نے کابل میں عسکری ذمہ داران، مثلاً وزیرِ دفاع ملا عبید اللہ اخند اور چیف آف آرمی اسٹاف ملا فاضل اخند سے ملاقاتیں کیں۔ اسی طرح وزارتِ فوائدِ عامہ کے حکام سے بھی مشاورت کی گئی اور ملا صاحب کی ہدایت ان تک پہنچائی گئی کہ راستوں کی بحالی اور پلِ مٹک کی مرمت کے لیے فوری اقدامات کیے جائیں۔

لیکن جب ہم پل کے مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ مسعود کی جانب سے پل کو مکمل طور پر تباہ کر دیا گیا تھا، اور دریا کی چوڑائی اس قدر زیادہ تھی کہ اس جنگی ماحول میں نیا پل تعمیر کرنا آسان نہ تھا۔ اس کے بعد ہم دریا کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ غوربند کی سمت بڑھے۔ درۂ غوربند کے قریب ایک ایسی جگہ ملی جہاں پانی نسبتاً کم اور ہموار انداز میں بہہ رہا تھا۔ اسی مقام سے طالبان نے ملا خان محمد کی قیادت میں پیدل دریا عبور کر کے مخالفین پر حملہ کیا تھا، جس کے نتیجے میں کچھ علاقوں پر کنٹرول بھی حاصل کر لیا گیا تھا۔

یہیں طالبان نے لوہے کے گارڈر استعمال کرتے ہوئے ایک عارضی پل تعمیر کیا، جو اتنا تنگ تھا کہ اس پر ایک وقت میں صرف ایک ہی شخص گزر سکتا تھا۔ بعد ازاں درۂ غوربند کی سمت پل کی مستقل تعمیر کے لیے ایک مقام منتخب کیا گیا، اور بعد میں اسی جگہ پل بنا دیا گیا، جس کے ذریعے طالبان دریا پار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

اسی دوران دار الحکومت کابل کے دفاع کو مضبوط بنانے اور زمینی حالات کا قریب سے جائزہ لینے کے لیے ملا محمد عمر مجاہد پہلی مرتبہ قندھار سے کابل تشریف لائے۔ انہوں نے یہاں مختلف عسکری اور سول ذمہ داران سے ملاقاتیں کیں، موجودہ حالات پر مشاورت کی اور چند دن کابل میں قیام کیا۔

انہی دنوں طالبان نے پل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جبل السراج تک پیش قدمی کی اور ایک بار پھر متعدد علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ تاہم بعد ازاں پروان اور چاریکار کے علاقوں میں مسعود کے اہلکاروں نے شدید حملے شروع کر دیے۔ طالبان سالنگ تک پورے علاقے پر کنٹرول حاصل کرنے میں ناکام رہے، اور یوں بغلان کی جانب گئے ہوئے طالبان محاصرے میں آ گئے۔

بغلان میں محصور طالبان نے مرکزی بغلان کے باہمت باشندوں کے سہارے مسعود، حزبِ وحدت اور سید منصور نادری کے جتھوں کے مقابل ڈٹ کر مزاحمت کی۔ یہ مرحلہ طالبان کے لیے سخت ترین آزمائشوں میں سے تھا، خصوصاً اس وقت جب پلِ خمری شہر بھی ان کے ہاتھ سے نکل گیا اور وہ مرکزی بغلان کے چند مخصوص علاقوں تک محدود ہو کر رہ گئے۔

ایسے نازک حالات میں طالبان نے بعض مقامی جنگی کمانڈروں، جیسے عارف خان، ارباب ہاشم، مرزا ناصری اور دیگر سے رابطہ قائم کیا۔ ان کے تعاون سے طالبان نے صوبۂ قندوز پر یلغار کی اور بالآخر پورے شہر پر قبضہ جما لیا۔ اس معرکے کے نتیجے میں قندوز ایئرپورٹ کے ذریعے محاصرے میں گھرے طالبان تک کمک پہنچنے لگی۔ یوں شدید محاصرے کے باوجود طالبان نے اگلے برس جولائی تک، قریب چودہ ماہ تک، نہایت شاندار اور پوری استقامت کے ساتھ مزاحمت کا مظاہرہ کیا۔

ربیع الاول ۱۴۱۹ھ (جون، جولائی ۱۹۹۸ء) میں طالبان نے ملا برادر اخند کی قیادت میں فاریاب کے علاقے غورماچ کو فتح کیا، اس کے بعد فاریاب کے مرکز میمنہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ مجاہدین نے پیش قدمی کرتے ہوئے جمعہ بازار کے علاقے تک رسائی حاصل کی۔ جمعہ بازار میں عبد الرشید دوستم نے سخت مزاحمت کی، جس کے نتیجے میں کئی ہفتوں تک شدید اور خونریز لڑائیاں جاری رہیں۔

ان معرکوں کے دوران طالبان کے دو اہم جنگی کمانڈر، ملا فاضل اخند اور ملا داد اللہ اخند، معمولی طور پر زخمی ہوئے۔ کچھ عرصے بعد امیر المؤمنین ملا صاحب کے حکم پر ملا فاضل اخند کو اس جنگی خط کا امیر مقرر کیا گیا۔ ہرات سے مجاہدین کی کمک پہنچنے کے بعد دوستم کی افواج کے خلاف ایک بڑی اور منظم عسکری تشکیل تیار کی گئی۔ اس تشکیل میں ملا فاضل اخند، ملا برادر اخند اور ملا داد اللہ اخند کے علاوہ ملا خیر اللہ خیر خواہ، ملا دوست محمد اخند، ملا عبد السلام آغا، ملا جانان اخند، ملا محمد صدیق آغا، ملا غلام نبی جہادیار، ملا عبد الحق، حاجی ملا عبد السلام کے رفقاء اور جہادی مدرسے کے کثیر تعداد میں طلبہ شامل تھے۔

جمعہ بازار کے جنگی محاذ پر بھرپور حملے کے بعد دوستم کی افواج کو شکست فاش ہوئی اور مجاہدین نے متعدد علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ ان لڑائیوں کے مجموعی ذمہ دار ملا فاضل اخند اس مرحلے کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں:

> ”دشمن کا جنگی خط توڑنے کے بعد ہم نے ضلع دولت آباد پر حملہ شروع کیا۔ ایک جانب سے ہماری پیش قدمی تھی اور دوسری جانب سے ملا برادر اخند کی قیادت میں مجاہدین آگے بڑھ رہے تھے۔ چند گھنٹوں کی شدید لڑائی کے بعد ہم نے اس ضلع پر بھی قبضہ کر لیا۔ دولت آباد کے بعد ایک بڑا فوجی کیمپ تھا، جہاں خود دوستم بھی آیا ہوا تھا۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ اپنی گاڑیاں اسی کیمپ تک پہنچائیں گے، چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے یہ کیمپ بھی ہمارے قبضے میں آ گیا، لیکن افسوس کہ ہمارے حملے سے محض بیس منٹ قبل دوستم ہیلی کاپٹر کے ذریعے وہاں سے فرار ہو چکا تھا، یوں ہم اسے گرفتار نہ کر سکے۔
>
> مذکورہ کیمپ پر قبضے کے بعد ہم دولت آباد سے اندخوئی کی سمت روانہ ہوئے۔ اندخوئی میں بغیر کسی بڑی مزاحمت کے داخل ہو گئے۔ ابتدا میں معمولی جھڑپیں ہوئیں، مگر ان پر جلد ہی قابو پا لیا گیا۔ ہمارا ارادہ تھا کہ اندخوئی ہی میں رات گزاریں، تاہم رات گئے ملا صاحب کا پیغام موصول ہوا، جس میں انہوں نے ہدایت فرمائی کہ پیش قدمی جاری رکھی جائے اور کسی قسم کا توقف نہ کیا جائے۔
>
> ملا صاحب کے فرمان کے مطابق سورج طلوع ہونے سے قبل ہی ہم نے دوبارہ پیش قدمی شروع کر دی۔ راستے میں غالباً خواجہ دوکوہ کے علاقے میں دشمن نے ہم پر گھات لگائی، لیکن مجاہدین نے غیر معمولی جرات اور ثابت قدمی کے ساتھ دشمن کے ٹینکوں اور ہیلی کاپٹروں کا مقابلہ کیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے کی شدید لڑائی کے بعد ہم شبرغان پہنچے اور شہر کے ہوائی اڈے میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگئے۔

ہوائی اڈے میں دو دن قیام کے بعد ہم صوبہ سرپل کی جانب روانہ ہوئے۔ معمولی جھڑپ کے بعد سرپل کی فتح بھی نصیب ہوئی۔ اس کے بعد ہم بلخ کی طرف بڑھے، جہاں دشمن سے ایسی حالت میں آمنا سامنا ہوا کہ وہ گولیوں کی پیٹیاں کھول کر اپنے مسلح افراد میں تقسیم کر رہے تھے۔ ہم نے اچانک حملہ کیا اور انہیں اسی حالت میں گرفتار کر لیا۔ یہاں ہم نے اپنا محاذِ جنگ قائم کیا۔ دیگر طالبان بھی وہاں پہنچ گئے اور قلعہ زینی کو اپنے قبضے میں لے لیا۔

بلخ میں شدید جنگ چھڑ گئی۔ محقق کے مرکز پر، جو ایک بہت بڑے قلعے میں قائم تھا، طالبان نے نہایت سخت معرکہ آرائی کی، یہاں تک کہ ٹینک کی توپ کی نالیاں قلعے کی دیواروں کے اندر داخل کر کے فائر کیے گئے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے دشمن کو شکست ہوئی۔ بعد ازاں انہوں نے صحرا میں دوبارہ حملہ کرنے کی کوشش کی، مگر انہیں سخت ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور ان میں سے بہت سے مارے گئے۔

یکم اگست ۱۹۹۸ء کو مزارِ شریف کی فتح کے بعد ہم تاشقرغان پہنچے۔ اسی دوران کسی نے امیر المؤمنین کو اطلاع دی کہ دوستم حیرتان پہنچ چکا ہے۔ ملا صاحبؒ نے ہمیں فوراً حیرتان جانے کا حکم بھیجا۔ ہم حکم کی تعمیل کرتے ہوئے رات ہی کو وہاں پہنچ گئے، لیکن دوستم کے کسی حملے کا کوئی سراغ نہ ملا۔

جب ہم حیرتان جا رہے تھے تو قندوز بغلان کی مرکزی شاہراہ بھی ہمارے قبضے میں آچکی تھی۔ اسی بنا پر ہم قندوز اور بغلان کی طرف گئے، پھر رباطک پہنچے۔ یہاں حزبِ اسلامی کے مشہور کمانڈر بشیر خان ہم سے آملے اور یہ کہتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا کہ انہوں نے آج تک طالبان کی جنگ جیسی جنگ نہیں دیکھی۔

رباطک کی جنگ کے بعد ہم صوبہ سمنگان کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں شیخ سلطان کے نام سے ایک ضلع ہے، جہاں معمولی جھڑپ کے بعد ہم تاشقرغان پہنچ گئے۔ اس طرح یہاں سے مزارِ شریف کی جانب جانے والی مرکزی شاہراہ مکمل طور پر کھل گئی۔

سمنگان سے پلِ خمری کی طرف روانہ ہوئے اور درہ کیان پر حملہ کیا۔ ہمارے چند ساتھیوں نے ڈنڈ غوری کی طرف سے حملہ کیا، جبکہ ہم دوشی کی طرف سے درے کی جانب بڑھے۔ راستے میں زخمی بھی ہوا، لیکن الحمدللہ آخرکار ہم اپنے مقصد تک پہنچے اور درہ فتح کر لیا۔"

درہ کیان پر حملے کے وقت مجاہدین کے امیر ملا فاضل اخند کے زخمی ہونے کے بعد ملا صاحب نے ملا برادر کو امیر جنگ مقرر کیا، جنہوں نے ۲۳ اگست کو درہ کیان پر قبضہ کر لیا، ۹ ستمبر کو طالبان نے ملا برادر کی قیادت میں صوبہ بغلان کی جانب سے صوبہ بامیان پر حملہ کیا، تین روزہ جنگ کے بعد افغانستان کے اس مرکزی صوبے کو بھی فتح کر لیا گیا۔

اس طرح افغانستان کے مرکزی اور شمالی علاقے طالبان کے تسلط میں آگئے۔ صرف صوبہ بدخشان آخری وقت تک مخالفین کے قبضے میں رہا، اور رقبے کے لحاظ سے امارتِ اسلامیہ افغانستان نے نوے فیصد سے زائد علاقے پر حکمرانی قائم کر لی۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

محبت اور عشق کے ساتھ صحبت کامل ضروری ہوتی ہے!

"نری محبت اور عشق سے کام نہیں چلتا، جیسے انجن کہ اس میں نری آگ ہونے سے کام نہیں چلتا، انجن میں آگ تو رہے مگر یہ بھی شرط ہے کہ اس کو پیچھے کو نہ لے جائے سیدھا آگے کو لے جائے اسی کے لیے صحبت کامل کی ضرورت ہے۔ وہ اس فن کا ماہر ہوتا ہے مشتبہ مواقع میں حقیقت کو جانتا ہے۔ حضرت عمر فاروق ﷛ کے سامنے جس وقت فارس کے خزائن پیش کیے گئے تو آپ نے حق تعالیٰ سے عرض کیا آپ کا ارشاد ہے: زین للناس حب الشهوات الخ۔ تو ان چیزوں کی محبت فطری ہے۔ اے اللہ ہم اس کا ازالہ نہیں چاہتے، اور ان کا یہ قول بڑے عارف ہونے کی دلیل ہے کیونکہ جب یہ فطری ہے تو اس کے پیدا کرنے میں مصلحت ہے تو اس کا ازالہ خلاف حکمت ہو گا۔ اس لیے گو وہ محبت رہے مگر اے اللہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہ محبت آپ کی محبت میں معین ہو جاوے۔ کتنے بڑے کام کی بات ہے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب ﷫ فرمایا کرتے تھے کہ اخلاقِ رذیلہ امور فطریہ ہیں ان کے ازالہ کی ضرورت نہیں امالہ کی ضرورت ہے، مثلاً بخل ہے تو یہ اپنی ذات میں مذموم نہیں، اگر مصرفِ صحیح میں اس کا استعمال ہو تو محمود بھی ہے مثلاً کسی نے زکوۃ دینے میں بخل کیا تو یہ مذموم ہے اور اگر معصیت کے لیے کسی نے روپیہ مانگا اور اس کو نہ دیا تو یہ بھی لغت بخل ہی ہے مگر محمود ہے کیونکہ غیر مصرف میں صرف نہیں کیا۔"

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نوّر اللہ مرقدہ

(ملفوظات حکیم الامت، ج ۳)

پاکستان امریکہ تعلقات تاریخ کے آئینے میں

اریب اطہر

پاکستان آج جن معاشی حالات سے گزر رہا اس میں پاکستان کے بڑھتے قرضوں اور ان پر دیئے جانے والے سود کی بازگشت بار بار سنائی دیتی ہے۔ ایک عرصہ تو قوم کو یہی بتایا بلکہ رٹایا گیا کہ چونکہ سویلین قیادت، سیاستدان اور بیوروکریسی چور ہے، کرپٹ ہے اس لیے ایسا ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ جرنیلوں نے جنہیں اس قوم پر باری باری مسلط کیا ہے اور ری سائیکل کر کے مسلط کیا وہ کرپٹ تھے۔ جرنیلوں کو ضرورت بھی ایسے افراد اور رہنماؤں کی رہی جو کرپشن کریں، اور اسی کرپشن کی وجہ سے وہ جرنیلوں کے احتساب سے باز رہیں، جرنیلوں کے فیصلوں پر کسی قسم کی روک ٹوک نہ لگائیں اور اس پالیسی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل کی ذمہ داری بھی خود اٹھائیں اور عوام کی گالیاں سہیں۔ لیکن ایک بنیادی حقیقت جو تاریخ کی کتب میں موجود تو رہی لیکن نظر انداز ہوئی وہ یہ کہ جس وقت پاکستان بنا اس وقت اگرچہ عوام کی معاشی حالت ٹھیک نہیں تھی، لاتعداد مسائل تھے لیکن اس وقت بھی ان مسائل کی درستگی کے نام پر قرضوں کے حصول کی ابتدا نہیں کی گئی تھی بلکہ قرضوں کی ابتدا کا بنیادی سبب یہی تھا کہ اتنی بڑی فوج کے اخراجات کو کیسے پورا کیا جائے یعنی اس فوج کو سنبھالا کیسے جائے؟ صاف لفظوں میں اس وقت فوج کے اخراجات پورے کرنے کی فکر سب فکروں پر غالب تھی۔

قیوم نظامی لکھتے ہیں::

> ”قیام پاکستان کے وقت مالی مسائل کی سخت کمی تھی ڈھاکہ میں جی ایچ کیو ہائی کورٹ کی بلڈنگ میں قائم کرنا پڑا راولپنڈی میں جی ایچ کیو مالی مشکلات کا شکار تھا فوج کے اخراجات کے لیے ۳۵ سے ۵۰ ملین روپے ماہانہ کی ضرورت تھی۔ مالی حالات اس قدر دگرگوں تھے کہ پاکستان کے وزیر خزانہ چوہدری محمد علی نے گورنر جنرل پاکستان قائداعظم کی کار ری کنڈیشن کرانے کے لیے فنڈز مہیا کرنے سے انکار کر دیا تھا کیونکہ خزانہ خالی تھا۔“[1]

برائن کلوگلے اپنی کتاب "A history of Pakistan Army" میں لکھتا ہے:

> ”پاکستان کے پاس فوج کے لیے مناسب وسائل نہیں تھے، اکتوبر میں پاکستان نے امریکہ سے دو بلین ڈالر قرضے کی درخواست کی۔ ابتدا میں امریکہ نے پاکستان کے غیر یقینی مستقبل کی بنا پر قرضہ دینے سے گریز کیا۔ کشمیر پر پاکستانی فوج کی ناکامی کے بعد پاکستان کی سیکورٹی کا مسئلہ اس قدر اہمیت اختیار کر گیا کہ ابتدائی سالوں میں پاکستان کو اپنے بجٹ کا ستر فیصد دفاع پر خرچ کرنا پڑا۔“

کشمیر کے نام پر فوج کے لیے بھاری بجٹ مختص کرنے کی جو ابتدا کی گئی وہ دہائیوں تک قوم اپنا پیٹ کاٹ کر برداشت کرتی رہی تاوقتیکہ پاکستانی جرنیلوں نے کشمیر سے دستبرداری کا رسمی طور پر اعلان بھی کر ڈالا۔ لیکن سوال تو سادہ سا ہے کہ قیام پاکستان کے فوراً بعد کشمیر پر بھارتی قبضے کی وجہ پاکستان کے پاس وسائل کا نہ ہونا تھا یا کچھ اور؟ ایک وجہ تو یہ بتائی جاتی ہے کہ اس وقت کے کمانڈر ان چیف جنرل گریسی نے جناح کے احکامات ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

قیوم نظامی لکھتے ہیں:

> ”جنرل شیر خان کی ہدایت پر قدرت اللہ شہاب نے ۱۹۴۷-۴۸ کی کشمیر جنگ کے بارے میں تحقیقات کیں تو یہ راز فاش ہوا کہ کشمیر کی جنگ کے دوران میجر جنرل یحییٰ خان اور لیفٹیننٹ کرنل اعظم خان محاذ سے بھاگ گئے تھے اور انہوں نے اپنی رجمنٹ کے جوانوں کو بھی اعتماد میں نہیں لیا تھا۔“

ایک جگہ وہ یہ بھی لکھتے ہیں:

> ”پاکستان کی فوج برطانوی انڈین فوج کی وارث ہے، اس کو روایات و رسومات ورثے میں ملی ہیں۔ پاک فوج کے رینک فارمیشن اور ٹریننگ کے اصول وہی ہیں جو برطانوی فوج کے تھے اس کے پروٹوکول اور یونیفارم کا ڈیزائن بھی وہی ہے اور اس پر برطانوی ماڈل کے بیج سجائے جاتے ہیں۔ اسلحہ کے ڈیزائن بھی روایتی ہیں۔ پاک فوج فکر، ذہن و فطرت کے لحاظ سے برطانوی فوج کی روایات کی امین ہے، اسے مزاج، فطرت اور سٹرکچر کے اعتبار سے اسلامی اور پاکستانی فوج بنانے کی سنجیدہ کوشش ہی نہیں کی گئی۔“

یہاں مصنف کی رائے سے اختلاف کرنا پڑے گا۔ سچ یہ ہے کہ فوج اپنے معاملات میں کسی بھی قسم کی مداخلت کو آہنی ہاتھوں سے نمٹتی اور کچلتی ہے۔ اگرچہ یہ مداخلت یا اصلاح کی کوشش سو فیصد جائز، قانونی اور ضابطہ اخلاق اور اصولوں کے عین مطابق ہی کیوں نہ ہو۔

الطاف گوہر لکھتے ہیں:

[1] جرنیل اور سیاست دان تاریخ کی عدالت میں ص ۳۳

"سٹیٹ بنک کے گورنر عبد القادر نے اگست ۱۹۵۸ء میں کہا کہ افراط زر کو کنٹرول کرنے کے لیے دفاعی بجٹ اور امریکن ایڈ کم کرنا ضروری ہے۔ ایوب خان نے وزیر اعظم کو خط لکھ کر گورنر سٹیٹ بینک کے خلاف سخت الفاظ استعمال کیے اور اس کی ناپسندیدہ سرگرمیوں کو روکنے کی ہدایت کی۔"[2]

عائشہ جلال لکھتی ہیں:

"حسین سہروردی جو مشرقی و مغربی پاکستان کے پاپولر لیڈر تھے ان کو وزیر اعظم ان شرائط پر قبول کیا گیا تھا کہ مغرب نواز خارجہ پالیسی جاری رکھیں گے اور فوج کے امور میں مداخلت نہیں کریں گے۔"[3]

بھارتی جہاز گرانے کے منصوبہ ساز، تمغہ امتیاز حاصل کرنے والے اور ائیر مارشل کے رینک تک ترقی پانے والے جواد سعید ہیں جنہوں نے ریٹائرمنٹ کے بعد ائیر چیف کی مبینہ کرپشن کے حوالے سے تنقید کی جس کے بعد ان پر غداری کے الزامات لگا کر ان کا کورٹ مارشل کر دیا گیا۔ اب وہ قید میں ہیں۔ کرنل ریٹائرڈ انعام رحیم ایک انٹرویو میں ذکر کرتے ہیں کہ این ایل سی کے ایک افسر میجر اکرم نے تیل کی یومیہ دو کروڑ کی چوری پکڑی جس میں این ایل سی اور فوج کے بڑے بڑے افسران ملوث تھے۔ ایف آئی آر کٹوائیں اور کیس کو منطقی انجام تک پہنچانا چاہتے تھے لیکن ان کو اٹھا کر لا پتہ کیا گیا، اتنا تشدد کیا گیا کہ وہ ذہنی توازن کھو بیٹھے پھر انہیں نیم مردہ حالت میں پھینک دیا گیا۔ ان کی حالت کچھ بحال ہوئی اور انہوں نے جب اس ظلم کے متعلق شکایت اعلیٰ افسران تک پہنچانے کی کوشش کی تو انہیں دوبارہ لا پتہ کر دیا گیا۔ اس ذہن اور نفسیات کی حامل فوج کی لیڈر شپ کسی قسم کی اصلاح اور درستگی کی اجازت کسی کو کیسے دے سکتی ہے؟

سابق آئی ایس آئی چیف حمید گل اپنے ایک انٹرویو میں یہ اعتراف کرتے ہیں کہ پاکستان میں آرمی چیف کی نامزدگی کہیں اور سے ہوتی ہے، ہمیں آزادی برائے نام ہی ملی ہے۔ یہ صورتحال قیام پاکستان سے ہی چلی آرہی ہے۔ ایوب خان کو مہاجرین کی آباد کاری کے سلسلے میں سردار عبد الرب نشتر کی معاونت کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ انہوں نے جناح کو رپورٹ پیش کی کہ ایوب خان نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی اور اس کا رویہ پیشہ ورانہ نہیں تھا۔ جناح نے ایوب کے مشرقی پاکستان ٹرانسفر کے احکام جاری کیے اور فائل پر لکھا کہ وہ ایک سال تک کسی کمانڈ پوزیشن پر کام نہیں کرے گا اور اس مدت کے دوران بیج نہیں لگائے گا۔

اسلم منہاس ڈان میں ۱۰ نومبر ۲۰۰۲ء کے اپنے مضمون "Politics and the army" میں لکھتے ہیں کہ ایوب خان کو کمانڈر ان چیف بنانے کی سفارش جنرل گریسی نے اپنی مدت ملازمت ختم ہونے پر کی تھی۔

ایم ایس کوریجو اپنی کتاب "Soldiers of misfortune" میں لکھتے ہیں کہ "قائد اعظم زندہ ہوتے تو ایوب فور سٹار جنرل بننے سے پہلے ریٹائر ہو جاتے۔"

چوہدری محمد علی جو پاکستان کے پہلے وزیر اعظم رہے لکھتے ہیں:

"قومی وسائل جن کی معاشی تعمیر نو اور ترقی کے لیے بہت ضرورت تھی دفاع کی جانب منتقل کیے گئے جس پر نصف اور بعض اوقات قومی بجٹ سے بھی زیادہ صرف کرنا پڑا۔ عوام نے بڑی خوشی کے ساتھ ان اخراجات کو برداشت کیا۔ لیاقت علی خان نے کہا ہم ایک دن بھوکے رہ سکتے ہیں مگر ہم ایک منٹ کے لیے بھی غلام بننے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔"[4]

آج ۷۸ سال گزرنے کے باوجود بھی دفاع کے نام پر بجٹ بڑھاتے رہنے کو حب الوطنی کی سند سمجھا جاتا ہے۔ اور جو فوج کے مالی احتساب کی بات کرتے ہیں یا بجٹ کم رکھنے کی بات کرتے ہیں غدار قرار پاتے ہیں۔ ایسا اس وجہ سے بھی ہے اور تھا کیونکہ یہ جرنیل بخوبی جانتے تھے کہ ان کے اقتدار کو تحفظ امریکہ و برطانیہ جیسے مالک دے سکتے ہیں۔ امریکہ و برطانیہ قیام پاکستان کے بعد سے ہی پاکستان کی خارجہ اور معاشی پالیسی مانیٹر اور کنٹرول کرتے رہے اور اس میں فوجی حکمران براہ راست ملوث رہے۔

عائشہ جلال لکھتی ہیں:

"۱۹ مئی ۱۹۵۸ء تک سکندر مرزا اور ایوب خان نے امریکہ کو اپنی رائے سے مطلع کر دیا تھا کہ پاکستان میں صرف ڈکٹیٹر شپ کام کرے گی۔"[5]

الیگزینڈر سائمن جو کراچی میں برطانوی ہائی کمشنر تھے انہوں نے ایک خط (ریفرنس DO/35/8943) لندن ارسال کیا جس میں تحریر کیا:

"سابقہ خط میں جن خدشات کا اظہار کیا تھا وہ بالکل درست تھے صدر (اسکندر مرزا) کے لیے اگر ممکن ہوا تو وہ انتخابات نہیں ہونے دیں گے۔ ان کے ذہن میں فوج کی حمایت سے انقلاب کے ذریعے ذاتی اقتدار حاصل کرنے کی خواہش ہے۔ اس نے خصوصی طور پر مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں مسٹر میکیملن کو اس بارے میں مطلع کروں۔

[2] ایوب خان، پاکستان کا پہلا فوجی حکمران ص ۱۴۴

[3] The state of martial rule ص ۲۵۳

[4] The emergence of Pakistan ص ۳۷۶

[5] The state of martial rule ص ۲۷۳

اس نے کہا ہے کہ اسے امید ہے کہ مسٹر میکمیلن اس بات کا ادراک کریں گے اور وہ جو اقدام اٹھانا چاہتے ہیں اس کی حمایت کریں گے۔"[6]

اس خط و کتابت سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ ابتدا ہی سے پاکستانی جرنیل پاکستان کے حساس اور اہم معاملات میں فیصلے انہی کی مشاورت اور اجازت سے کرتے۔ اگر یہ حال ایوب و سکندر مرزا کے دور میں تھا تو آج یہ صورتحال اس سے بھی زیادہ بدتر ہو گی۔ لیفٹیننٹ جنرل عتیق الرحمن جنرل ایوب کے متعلق لکھتے ہیں:

"کچھ سینئر جرنیلوں کی رائے تھی کہ ان کا کمانڈر ان چیف فوج کا اعلیٰ ترین منصب حاصل کرنے کے باوجود خواہشات کا اسیر ہے اور اکثر معاملات میں اپنا ذاتی مفاد پیش نظر رکھتا ہے۔"[7]

جرنیلوں کے امریکہ سے اتنے قریبی روابط اور تعلق کے باوجود ۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران امریکہ کا کیا رویہ رہا؟ قیوم نظامی لکھتے ہیں:

"امریکہ جس کے ساتھ جرنیلوں نے قربت کے رشتے استوار کیے تھے اس نے پاکستان کے ساتھ دفاعی معاہدوں کے باوجود مشکل گھڑی میں کوئی تعاون نہ کیا، یہاں تک کہ جنگ کے دوران فاضل پرزے دینے سے بھی انکار کر دیا، بلکہ پاکستان پر معاشی اور دفاعی پابندیاں عائد کر دیں۔ فوج کے جرنیلوں کے امریکہ کے ساتھ روابط ان کے اپنے اقتدار کے لیے تھے اور ان روابط میں حب الوطنی کا جذبہ پہلا عامل نہ تھا۔ عوامی سطح پر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں پاکستان کی کامیابی کے بارے میں تاثر پیدا کیا گیا مگر جب تاشقند میں ایوب خان نے کشمیر کو نظر انداز کر کے معاہدے کی شرائط تسلیم کر لیں تو پاکستان کی کمزوری کا راز کھلا۔"[8]

۶۵ء کی جنگ میں امریکہ کے اس کردار کے باوجود پاکستانی جرنیلوں کا امریکہ سے عشق ختم نہ ہوا۔ سٹیفن کوہن لکھتا ہے:

"صدر ایوب نے اپنے دور میں پاک فوج کو عملی اور فکری طور پر امریکہ کی فوج بنایا پھر اس کے بعد امریکہ نے اپنی خواہش اور مفاد کے مطابق پاک فوج سے کام لیا۔ صدر ایوب نے امریکی میل کی وجہ سے فوج کے سٹرکچر کو تبدیل کر دیا۔ امریکن ٹریننگ اور تکنیک کے ساتھ امریکن نظریہ بھی فوجی تعلیم کا حصہ بنا۔"[9]

جنرل ایوب کے بعد جنرل یحییٰ نے بھی امریکیوں سے ذاتی تعلقات استوار کرنے کو ترجیح دی۔ ایف ایس اعجاز الدین لکھتے ہیں:

"جنرل یحییٰ نے یکم اگست ۱۹۶۹ء کو لاہور میں امریکہ کے صدر نکسن سے علیحدگی میں ملاقات کی اور وزارت خارجہ کو اعتماد میں نہ لیا۔"[10]

یہ بھی تاریخ کا حصہ رہے گا کہ وہ امریکہ جو دنیا بھر میں جمہوری نظام کا خواہاں رہتا ہے پاکستان میں عملی طور آمرانہ نظام کو ہی وقتاً فوقتاً مسلط کرواتا رہا۔ ڈینس ککس لکھتا ہے:

"امریکہ کے سول حکومت کی نسبت پاک فوج سے تعلقات گرم جوش رہے۔ نواز شریف نے امریکی دورے کی خواہش کا اظہار کیا مگر انہیں امریکہ سے دعوت نہ ملی جبکہ فوج کے جرنیل امریکہ کے دورے پر جاتے رہے۔ امریکہ کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کا خیال تھا کہ پاکستان خلیج میں امریکی مفادات کا تحفظ کر سکتا ہے۔"[11]

پاکستان امریکہ تعلقات کو جرنیل جس سطح تک لا چکے تھے نائن الیون کے مبارک حملوں کے بعد ان تعلقات کا ایک نیا سیاہ دور شروع ہوا۔ حسین حقانی لکھتے ہیں:

"جنرل مشرف نے اقتدار سنبھالنے کے بعد امریکہ سنٹرل کمانڈ کے جنرل انتھونی زینی کو فون کر کے ان وجوہات سے آگاہ کیا جن کی بنا پر انہیں اقتدار سنبھالنا پڑا۔"[12]

گیارہ ستمبر کے مبارک حملوں کے بعد بننے والی صورتحال میں پاکستان کی فوجی قیادت اور امریکہ کے مابین کیا اور کس طرح طے پایا اس کی تفصیل مشہور امریکی مصنف باب وڈورڈ نے اپنی کتاب بش ایٹ وار میں بیان کی ہے جس کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔

"جو بھی کر سکتے ہو کرو، بش نے پاول سے کہا۔
ان لوگوں کو کس طرح قابو کیا جائے؟ پاول نے آرمٹیج سے کہا۔
ہمیں ترجیحات کا تعین کرنا ہو گا:

۱. پاکستان میں القاعدہ کی سرگرمیوں کو روکنے کی کوشش کی جائے۔ پاکستان کے ذریعے افغانستان میں ہتھیاروں کی ترسیل بند کی جائے۔ اور اسامہ بن لادن کو پاکستان کے راستے ہر طرح کی اخلاقی اور مادی اعانت رکوائی جائے۔
۲. امریکہ پاکستان میں تمام پروازوں اور ہوائی اڈوں وغیرہ پر اترنے کے حقوق حاصل کرے۔
۳. پاکستان کے تمام عسکری بحری فضائی اڈوں، فوجی مراکز اور سرحدوں کو استعمال کرنے کا حق حاصل کر لیا جائے۔
۴. انٹیلی جنس اور نقل مکانی کی معلومات کو بہتر بنایا جائے۔

[6] روئیداد خان-The british papers ص ۱۳
[7] Back to pavilion ص ۱۲۵
[8] جرنیل اور سیاست دان: تاریخ کی عدالت میں، ص ۷۶
[9] The idea of Pakistan ص ۱۰۲.

[10] The white House & Pakistan ص ۲۱
[11] The United States and Pakistan, 1947-2000 : disenchanted allies.
[12] "Pakistan between Mosque and Military" ص ۲۵۶

۵.	امریکہ میں گیارہ ستمبر کے حملوں کے حوالے سے ایک مذہبی مہم چلائی جائے۔ امریکہ کے خلاف تخریب کاری کی حمایت میں (پاکستان میں) مقامی طور پر اظہار خیال کو سختی سے کچل دیا جائے۔

۶.	طالبان کو ہر قسم کے ایندھن کی فراہمی مکمل طور پر بند کی جائے اور پاکستان سے رضاکاروں کی طالبان کی حمایت میں روانگی پر پابندی لگوائی جائے۔

۷.	اس مطالبے کا مقصد پاکستان کی حکومت اور پرویز مشرف کے ہاتھ باندھنا ہے۔ اسامہ بن لادن اور القاعدہ کے خلاف ایسی مضبوط شہادتیں سامنے لائی جائیں اور طالبان کے سرپرست ہونے کے تعلق سے پاکستان پر غیر معمولی دباؤ ڈالا جائے کہ وہ طالبان کی مدد اور حمایت سے بالکل ہاتھ اٹھالیں اور اس کے بعد اسامہ بن لادن اور القاعدہ نیٹ ورک کو تباہ کرنے کے لیے امریکہ کی کھلی حمایت اور مدد کرے۔"

آرمیٹج نے پاکستانی انٹیلی جنس کے سربراہ جنرل محمود کو سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ میں طلب کیا اور کہا:

> "یہ ہمارے سات مطالبات ہیں جن میں کسی کمی کی کوئی گنجائش نہیں ہے آپ کو یہ سارے مطالبات من و عن قبول کرنے ہوں گے۔ ڈیڑھ بجے دوپہر پاول نے جنرل مشرف سے بات کی۔"

ایک جنرل دوسرے جنرل سے مخاطب ہے۔ پاول نے کہا ہم اپنے خلاف جنگ میں مدد چاہتے ہیں امریکی عوام یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ پاکستان اس جنگ میں امریکہ کا ساتھ نہ دے۔

پرویز مشرف نے پاول کو یہ جواب دے کر حیران کر دیا کہ پاکستان امریکہ کے ساتوں مطالبات تسلیم کرتا ہے اور وہ امریکہ کی ہر کارروائی کی حمایت کرتا ہے۔ اسی دوپہر کو نیشنل سکیورٹی کونسل کا اجلاس سچویشن روم میں ہوا۔ بش نے کہا وہ افغانستان کے اندر خفیہ آپریشن کو وسعت دینے اور شمالی اتحاد کو مالی اور نیم فوجی امداد کی فراہمی کے لیے سی آئی اے کی تجاویز کی منظوری دے رہا ہے۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہوں گا کہ ہم نے آج پاکستانیوں سے کیا کہا۔ پھر اس نے سات امریکی مطالبات کی کاپی نکالی اور اسے اجلاس کے سامنے پیش کیا۔ اسے معلوم تھا کہ بش لمبی تحریروں کو پسند نہیں کرتا لیکن اس نے نہایت فخر کے ساتھ یہ مطالبات بلند آواز سے پڑھے۔ جب اس نے انہیں ختم کیا تو بش نے بتایا کہ جنرل مشرف پہلے ہی ان مطالبات کو قبول کر چکا ہے، ایسا لگتا ہے کہ ہم نے سب کچھ حاصل کر لیا ہے۔[13]

گیارہ ستمبر کے بعد دہشت گردی کے خلاف جنگ میں شمولیت کی وجہ سے پاکستان کی معیشت کو شدید نقصان پہنچا ہے۔ پاکستانی حکام کے مطابق، ۲۰۰۱ء سے ۲۰۲۱ء تک اس جنگ کے نتیجے میں ملک کو ۱۵۰ بلین ڈالر سے زائد کا معاشی نقصان ہوا ہے، جو کہ سکیورٹی آپریشنز، انفراسٹرکچر کی تباہی، برآمدات میں کمی، غیر ملکی سرمایہ کاری کی کمی اور دیگر عوامل کی وجہ سے ہے۔ اس دوران امریکہ کی جانب سے ملنے والی امداد تقریباً ۲۰ بلین ڈالر تھی، جو نقصان کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ مشرف کے بعد ہر آنے والے جرنیل نے پہلے سے بڑھ کر امریکی غلامی کی۔ اور تقریباً ہر آرمی چیف کی ریٹائرمنٹ کے بعد اثاثوں اور کاروبار کی تفصیلات ہوش اڑا دینے والی ہوتی ہیں۔

☆☆☆☆☆

آج کل کے مہمان اور میزبان

"آج کل معاشرت تو اس درجہ خراب ہو گئی ہے کہ قطعاً اس کی پرواہ نہیں کی جاتی کہ ہماری اس بات یا کام سے دوسرے کو تکلیف ہو گی یا اس کی پریشانی کا سبب ہو گا۔ اب مہمان داری ہی کو دیکھ لیجیے، گاڑیاں چھکڑے بھر بھر کر میزبان کے گھر پہنچ جاتے ہیں۔ نہ یہ خبر کہ اس غریب کے یہاں کھانے کو ہے یا نہیں، خصوصاً کسی کی بیماری یا موت کے موقع پر تو ایسا کرنا نہایت ہی ظلم اور بے رحمی کی بات ہے۔ گھر والے اس کی تیمارداری کو چھوڑ کر ان کی تیمارداری میں لگ جاتے ہیں۔ مردے کے رونے کو چھوڑ کر ان کا رونا شروع کر دیتے ہیں۔ مشہور ہے کہ مہمانوں کا کھایا ہوا گھر اور چڑیوں کا چگا ہوا کھیت اور چلموں کا مارا ہوا چولہا کبھی پنپ ہی نہیں سکتا۔ مگر مہمانوں کا کھایا ہوا گھر وہ مراد ہے کہ جس کھانے میں تکلف و غلو ہو، باقی جس میں تکلف نہیں وہ مراد نہیں۔

سمرقند میں حضرت شیخ سعدیؒ کسی کے یہاں پہنچے، میزبان نے بہت تکلفات کیے جب کھانا سامنے آیا تو فرمایا کہ آہ دعوت شیراز۔ میزبان نے اور زیادہ تکلف کیا پھر بھی یہی فرمایا۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ کیا شیراز میں سونا چاندی کھاتے ہیں۔ ایک مرتبہ یہ شخص حضرت سعدی کے یہاں مہمان ہوا پہنچتے ہی ہاتھ دھلوا کر اور جو کچھ دال روٹی تھی لا کر سامنے رکھ دی۔ وہ سمجھا کہ اس وقت نہیں ملا شام کو تکلف ہو گا مگر شام کو بھی وہی۔ پھر دوسرے دن بھی یہی۔ آخر اس شخص نے پوچھا حضرت وہ دعوت شیراز کہاں ہے؟ فرمایا یہی ہے وہ دعوت شیراز۔ اس نے کہا اس میں کیا بات ترجیح کی ہے فرمایا ترجیح یہ ہے کہ اگر تم میرے پاس چار مہینہ بھی ٹھہرے رہو تو مجھ پر گرانی نہ ہو گی اور تم چار ہی روز میں دل میں کہنے لگتے کہ خدا کرے جلدی دفع ہو کہاں سے بلا سر پڑی۔"

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (نور اللہ مرقدہ)

(ملفوظاتِ حکیم الامت، ج ۲)

---

[13] باب وڈورڈ۔ بش ایٹ وار (اردو ترجمہ) ص ۷۳۔۶۹

پاکستان کی ’بورڈ آف پیس‘ میں شمولیت: نسل کشی کا انتظامی تسلسل

جنید احمد

جسے ’’بورڈ آف پیس‘‘ کا نام دیا گیا ہے وہ سفارت کاری نہیں، یہ نسل کشی کے بعد کا انتظامی تسلسل ہے۔ اس کا وجود اجتماعی قتلِ عام کو ضابطہ بنا کر دھونے، تباہی کو حکومت میں بدلنے، اور اسرائیل کے غزہ کو ملبے میں تبدیل کر دینے کے بعد نہ ختم ہونے والی فلسطینی مزاحمت کو رام کرنے کے لیے ہے۔ اس لغت میں امن قتل کے خاتمے کا نام نہیں، یہ اس کے بعد کے مرحلے کے مؤثر انتظام کا نام ہے۔ ملبہ، مگر منظم۔ بھوک، مگر مربوط۔ نسلی تطہیر، مگر میٹنگز اور میموز کے ساتھ۔

اس ڈھانچے کے مرکز میں اسرائیل کھڑا ہے، نہ اپنا بچاؤ کرتے ہوئے، نہ پریشان، اور قطعاً کسی طرح سے پابند بھی نہیں۔ اسرائیل بہک کر غلطی سے نسل کشی نہیں کرنے لگا، اس نے اسے پورے طریقہ کار، اعتماد اور دہائیوں پر محیط سزا سے استثناء کی وجہ سے حاصل شدہ استحقاق کے احساس کے ساتھ انجام دیا ہے۔ غزہ کو منظم انداز میں تباہ کیا گیا، آبادیاں مٹادی گئیں، ہسپتال مقتل بنا دیے گئے، بھوک کو ہتھیار بنایا گیا، جبری نقل مکانی کو معمول بنا دیا گیا۔ یہ جنگ نہیں نو آبادیاتی صفایا تھا۔

معاصر بیوروکریٹک شکل میں صہیونیت کا مسئلہ تحفظ نہیں بلکہ فیصلہ کن خاتمہ ہے۔ مقصد بقائے باہمی نہیں بلکہ بطور سیاسی حقیقت فلسطینی وجود کا مکمل خاتمہ ہے۔ تشدد نظم کے بکھرنے کا نتیجہ نہیں، بلکہ یہ وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے نظم مسلط کیا جاتا ہے۔ اسرائیلی معاشرے نے بڑی حد تک اس منطق کو اپنے اندر جذب کر لیا ہے۔ فنا کی زبان معمول بن چکی ہے، اخلاقی دہشت کی جگہ انتظامی سکون نے لے لی ہے۔ واحد مسئلہ جو باقی بچا ہے وہ مزاحمت ہے، اور مزاحمت کو ہمیشہ بمباری سے مٹایا نہیں جا سکتا۔

یہیں سے ’’بورڈ آف پیس‘‘ منظر نامے میں داخل ہوتا ہے۔ اس کا مقصد فلسطینیوں کا تحفظ نہیں بلکہ انہیں سیاسی طور پر غیر مؤثر بنانا ہے۔ مزاحمت کو غیر مسلح کرنا ہے، مطیع ثالثوں کی نشاندہی کرنا ہے، اور ایک ایسا طرزِ حکمرانی قائم کرنا ہے جو اسرائیلی بالادستی کو اس طرح جاری رکھ سکے کہ جس میں ساکھ کم سے کم متاثر ہو۔ یہ انسان دوستی کے لباس میں انسدادِ بغاوت ہے۔ بموں کے بعد اب نظم و نسق کے ذریعے۔ اجتماعی موت کے بعد ’’استحکام‘‘ کے ذریعے۔ غزہ کو زندہ معاشرے کے طور پر نہیں بلکہ ایک سیکورٹی مسئلے کے طور پر چلایا جائے گا جو خود کو فنا کر دینے کی کوشش میں بچ گیا۔

پاکستانی حکمرانوں نے اس کردار کے لیے جوش و خروش کے ساتھ خود کو رضاکارانہ طور پر پیش کیا، اور ان کا یہ جوش بذاتِ خود ایک فردِ جرم ہے۔ بورڈ میں شامل ہونے کا فیصلہ، جو کسی پارلیمانی بحث، عوامی رضامندی، حتیٰ کہ جمہوری مشاورت کے ڈرامے کے بغیر کیا گیا، اس حقارت کو ظاہر کرتا ہے جس کے ساتھ وہ حکومت کرتے ہیں۔ پاکستان کے ننانوے فیصد عوام اسرائیل کی نسل کشی، نسلی تطہیر اور قبضے کی سخت مذمت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ فیصلہ خاموشی سے کیا گیا۔

اسٹیبلشمنٹ حسبِ معمول دعویٰ کرے گی کہ اس میں شامل ہونے سے پاکستان نتائج پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ یہ ایک رسمی جھوٹ ہے۔ اثر انداز ہونے کے لیے لیوریج درکار ہوتی ہے، اور لیوریج کے لیے مخالف فریق کو اپنے کیے کی قیمت چکانے پر مجبور کرنے پر آمادگی درکار ہوتی ہے۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں، سرے سے، کہ پاکستانی حکمرانوں نے کبھی واشنگٹن یا تل ابیب کو اپنے کیے کی قیمت چکانے پر مجبور کیا ہو۔ ان کا ریکارڈ ہمیشہ پیشگی اطاعت کا رہا ہے۔ وہ طاقتور پر کبھی دباؤ نہیں ڈالتے، بلکہ وہ اس کے مطابق خود ڈھل جاتے ہیں۔

یہ حقیقت پسندی نہیں ملی بھگت ہے۔ اسرائیلی مفادات کی خاطر خدمات انجام دینے کے لیے پاکستان کو اسرائیل کو تسلیم کرنے کی ضرورت نہیں۔ جب ہم آہنگی ہی کارآمد ہو تو رسمی طور پر تسلیم کرنا غیر ضروری ہو جاتا ہے۔ بورڈ میں شامل ہو کر اسلام آباد یہ اشارہ دیتا ہے کہ وہ جدید سامراجی گرامر کو سمجھتا ہے۔ نسل کشی کی زبانی مخالفت کرو جبکہ انتظامی طور پر اسے ممکن بناؤ۔ امن کی بات کرو، اور اس کے برعکس کے انتظام میں ہاتھ بٹاؤ۔

جس نظام میں پاکستان شامل ہوا ہے وہ اس فریب کو کھل کر ظاہر کرتا ہے۔ ’’بورڈ آف پیس‘‘ ایک استعماری منصوبہ ہے جو اقوام متحدہ کو بائی پاس کرنے اور بین الاقوامی قانون کو کھوکھلا کرنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ اس کا چارٹر اُن اداروں سے ’’انحراف کرنے‘‘ پر فخر کرتا ہے جو ’’ناکام‘‘ ہو چکے، یعنی وہ ادارے جو کبھی کبھار سامراجی تشدد میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ ان کی جگہ ایک پھرتیلا کلب آتا ہے جہاں قانونی حیثیت کی جگہ صوابدیدی اختیار لے لیتا ہے اور پیسہ جائز حیثیت کا متبادل۔

اس کے سر پر ڈونلڈ ٹرمپ بیٹھا ہے، شاہانہ اختیارات کے ساتھ۔ وہ ارکان مقرر کرتا ہے، جب چاہے ہٹا دیتا ہے، طے کرتا ہے کہ بورڈ کب ملے، کیا بحث ہو، اور مکمل ویٹو اختیار رکھتا ہے۔ کوئی حفاظتی بندوبست نہیں، کوئی قدغن نہیں، اجتماعی حکمرانی کا کوئی ڈھونگ نہیں۔ مستقل نشستوں کے لیے ایک ارب ڈالر کی قیمت شامل کر لیں تو تصویر بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ یہ دوسروں کے کھنڈرات کی انتظامیہ کے لیے ایک امیر آدمی کا کارٹیل ہے۔

ٹرمپ کی شراکت جدت نہیں بلکہ عریاں دیانت داری ہے۔ وہ سامراج سے استعارے نوچ لیتا ہے اور تسلط کو سودے بازی کے طور پر بیچتا ہے۔ ’’بورڈ آف پیس‘‘ رئیلٹی ٹی وی (Reality TV) جیسی حکومت ہے۔ وفاداری کو نوازا جاتا ہے، اختلاف کا صفایا کیا جاتا ہے، تباہی کی منافع بخش بنایا جاتا ہے اور نسل کشی سے انکار نہیں کیا جاتا بلکہ اسے از سرِ نو منظم کیا جاتا ہے۔

قریب ہی متحدہ عرب امارات منڈلا رہا ہے، نارملائزیشن کا مخملی دستانہ۔ امارات نے ملی بھگت کو نفاست کا روپ دینے کا فنکمال تک پہنچا دیا ہے۔ وہ چیختا نہیں، سرمایہ کاری کرتا ہے۔ دھمکی نہیں دیتا، ترغیب دیتا ہے۔ غزہ ایک لاجسٹک مسئلہ بن جاتا ہے، ہڈیوں پر کھڑا تعمیرِ نو کا بازار۔ دباؤ جبر کی صورت میں نہیں آتا بلکہ موقع بن کر آتا ہے۔ ہم آہنگ ہو جاؤ، سرمایہ بہے گا۔ تعاون کرو، دروازے کھلیں گے۔

دیگر خلیجی اور مغربی ایشیائی آمریتیں بھی یہی اسکرپٹ دہرا رہی ہیں۔ بادشاہتیں عوامی رائے سے نہیں ڈرتیں، وہ سرپرستوں کو ناراض کرنے سے ڈرتی ہیں۔ تشویش کے بیانات جاری کرتی ہیں مگر اس بات کو یقینی بناتی ہیں کہ قتلِ عام کی مشینری میں کوئی خلل نہ پڑے۔ فلسطین بطور جذبہ یاد کیا جاتا ہے، لیکن کبھی بطور ذمہ داری نہیں۔

اس پورے منظرنامے میں "بورڈ آف پیس" کا ایک ہی کام ہے، جو کچھ بم عسکری طور پر نہ کر سکے، اسے سیاسی طور پر مکمل کرنا۔ مزاحمت کو ناجائز ٹھہرانا، معاونین کی نشاندہی، اور فلسطینی زندگی کو قابلِ انتظام باقیات کی حد تک سمیٹ دینا۔ تباہی کے بعد "تعمیرِ نو"۔ نسلی تطہیر کے بعد "استحکام"۔ قتلِ عام کے بعد "امن"۔ یہ غیر جانبدارانہ الفاظ نہیں، ہتھیار ہیں۔

اسرائیل قتل کرتا ہے، پاکستانی حکمران انتظام سنبھالتے ہیں۔ ٹرمپ برانڈ بناتا ہے۔ امارات مالی معاونت کرتا ہے اور آمریتیں نارملائز کرتی ہیں۔ انہوں نے مل کر ایک ایسا ڈھانچہ کھڑا کیا ہے جس میں نسل کشی ہنگامی کیفیت نہیں بلکہ ایک مرحلہ ہے۔

تاریخ اس کوریوگرافی سے دھوکہ نہیں کھائے گی۔ وہ چارٹرز یا کمیٹیوں سے متاثر نہیں ہو گی۔ وہ یہ نوٹ کرے گی کہ جب غزہ کی مجوزہ تباہی ہماری آنکھوں کے سامنے تھی، تو کسی نے گولی چلائی، کسی نے پیسے دیے، کسی نے انتظام کیا، اور کسی نے کھنڈرات کی حکمرانی میں رضاکارانہ حصہ لیا۔

امن ان بورڈوں سے نہیں آتا جن کی صدارت سامراجی تخریب کار کریں یا جن میں خوش آمد کرنے والے معاونین بیٹھے ہوں۔ امن تب آتا ہے جب نسل کشی کا نام لیا جائے، اس کے آگے مزاحمت کی جائے، اور اسے روکا جائے۔ اور وہ تمام حکومتیں جنہوں نے اسے دفتری کاغذی کارروائی میں دھویا، فائلوں کے پیچھے سے گھسیٹ کر نکالی جائیں اور ان کے الفاظ سے نہیں، اُن لاشوں سے پرکھا جائے جن کا انتظام انہوں نے چنا۔

[یہ مضمون ایک معاصر آن لائن جریدے میں شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)

☆☆☆☆☆

نئی کتاب

مختصر فضائلِ جہاد

المستفاد من

مشارع الأشواق

للإمام الشهيد ابن النحاس رحمه الله

مقدمہ: مولانا محمد مثنّیٰ حسّان

مرتب: مولانا محمد خبیب حجازی

ادارۂ حطّین

کشمیر اور بھارت میں بے دخلی کو معمول بنانے کا عمل

جواد خالد

ہندتوا کا سایہ آہستہ آہستہ کشمیر پر پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ مساجد اور مدارس کی حالیہ پروفائلنگ، اور ایک میڈیکل کالج کی اس بنیاد پر بندش کا فیصلہ کہ اس میں داخلہ پانے والے زیادہ تر طلبہ مسلمان تھے، اسی تلخ حقیقت کی عکاسی کرتا ہے۔ کشمیر میں جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں وہ الگ تھلگ واقعات نہیں، بلکہ سرکاری سرپرستی اسلاموفوبیا کے ذریعے بھارت کے مسلمانوں کی منظم انداز میں بے دخلی اور انہیں "غیر" بنانے کے وسیع تر نظام کا حصہ ہیں۔ ہندتوا کے پنجے اب بھارت کے سیاسی ڈھانچے اور سماجی ساخت میں گہرائی تک پیوست ہو چکے ہیں۔

بھارت کی سیکولر جمہوریہ کو زعفرانی رنگ دینے کی کوششیں نئی نہیں، مگر بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) کی اقتدار پر مضبوط گرفت اور میڈیا کے بڑے حصوں پر کنٹرول حاصل کرنے کے بعد، ان کوششوں میں غیر معمولی تیزی آئی ہے۔ زعفرانیت یا ہندوآئزیشن اسلاموفوبیا، اور بھارتی مسلمانوں کو بے دخل کرنے اور گھیٹوائزیشن (Ghettoization) سے الگ نہیں کی جا سکتی۔ بارہا واضح کیا جا چکا ہے کہ ملک کی سب سے بڑی اقلیت کے لیے پُرامن بقائے باہمی اب کوئی سیاسی ترجیح نہیں رہی۔ مسلمان ہندوتوا کی نفرت انگیز مشینری کا اولین ہدف بن چکے ہیں، چاہے وہ گاؤ رکھشا کے نام پر غنڈہ گردی ہو، "لو جہاد" اور "لینڈ جہاد" جیسے سازشی بیانیے ہوں، مساجد کی شہادت، ماب لنچنگ، یا غریب مسلم محلّوں میں گھروں پر بلڈوزر چلانا۔

اب کشمیری مسلمان اس منصوبے کی بھاری قیمت ادا کر رہے ہیں۔ بھارت کے دیگر حصوں کے برعکس، کشمیر میں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ اس کے باوجود ہندتوا کی خوف، دھمکی اور بے دخلی کی سیاست مسلسل انہیں ایک مشکوک قابو میں رکھی جانے والی اور حاشیہ نشین آبادی میں تبدیل کرنے پر تُلی ہوئی ہے۔

حالیہ ہفتوں میں جموں و کشمیر پولیس نے وادی بھر میں مساجد اور مدارس کو نشانہ بناتے ہوئے ایک جارحانہ پروفائلنگ مہم شروع کی ہے۔ رپورٹس کے مطابق کثیر الصفحاتی فارم تقسیم کیے گئے جن میں ائمہ، دینی اساتذہ اور مسجد کمیٹیوں سے ذاتی اور مالی تفصیلات طلب کی گئیں۔ حکام اسے انسدادِ دہشت گردی کا اقدام قرار دیتے ہیں، مگر کشمیر میں بہت سے لوگوں کے لیے یہ مشق سکیورٹی سے زیادہ اجتماعی طور پر مشتبہ ٹھہرائے جانے کا احساس دیتی ہے، جہاں روزمرہ دینی زندگی بھی پولیس کی نگرانی کا موضوع بن گئی ہے۔

دینی رہنماؤں، سول سوسائٹی گروپوں اور منتخب نمائندوں نے اس اقدام کو مذہبی آزادی اور پرائیویسی کی آئینی ضمانتوں پر حملہ قرار دیتے ہوئے اس کی مذمت کی ہے۔ دینی اداروں کی نگرانی پوری برادری کو یہ پیغام دیتی ہے کہ اس کے ایمان اور عبادت گاہوں کو ریاست شک کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

جموں میں شری ماتا ویشنو دیوی انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل ایکسی لینس کی بندش بے دخلی کی ایک اور، یکساں تشویشناک جہت کو بے نقاب کرتی ہے۔ اس کے پہلے ایم بی بی ایس بیچ (batch) میں داخلہ پانے والے ۵۰ میں سے ۴۲ طلبہ مسلمان نکلے، جو بھارت کے قومی داخلہ امتحان کے ذریعے خالصتاً میرٹ پر منتخب ہوئے تھے، تو دائیں بازو کے ہندو گروہوں نے یہ کہہ کر احتجاج شروع کر دیا کہ مسلمانوں کا ایک ہندو مزار سے منسلک ادارے سے فائدہ اٹھانے کا "کوئی حق نہیں"۔ اس کے فوراً بعد نیشنل میڈیکل کمیشن نے کالج کی منظوری واپس لے لی، اور انفراسٹرکچر کی کمیوں کا حوالہ دیا، جنہیں طلبہ اور آزاد مبصرین کے مطابق یا تو بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا یا وہ سرے سے موجود ہی نہیں تھیں۔

ان واقعات کو یکجا دیکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ مسلم زندگی اور کامیابی کو ایک مسئلہ سمجھ کر قابو میں رکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کشمیر میں یہ سب ایک ایسے ماحول میں ہو رہا ہے جو پہلے ہی چھاپوں، چیک پوسٹوں اور مستقل نگرانی سے تشکیل پایا ہے۔

نومبر ۲۰۲۵ء میں اقوامِ متحدہ کے انسانی حقوق کے ماہرین نے جموں و کشمیر میں بھارت کی انسدادِ دہشت گردی کی کارروائیوں پر خطرے کی گھنٹی بجائی۔ اپریل ۲۰۲۵ء کے پہلگام حملے کے بعد تقریباً دو ہزار آٹھ سو افراد کو حراست میں لیا گیا، جن میں صحافی اور انسانی حقوق کے کارکن بھی شامل تھے۔ رپورٹس میں من مانی گرفتاریاں، تشدد، بغیر مقدمے کے طویل حراست، مواصلاتی بلیک آؤٹ، تادیبی طور پر گھروں کی مسماری، اور پورے بھارت میں کشمیری طلبہ کو ہراساں کیے جانے کے واقعات درج کیے گئے۔ ماہرین نے خبردار کیا کہ ایسے اقدامات اجتماعی سزا کے مترادف ہیں اور بھارت کے آئین اور بین الاقوامی قانون دونوں کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

کشمیر کوئی استثنائی صورتحال نہیں بلکہ ایک قومی رجحان کی عکاسی کر رہا ہے۔ آج کا بھارت فرقہ وارانہ تشدد اور نفرت انگیز تقاریر کے بے مثال بحران سے دوچار ہے۔ سینٹر فار دی اسٹڈی آف سوسائٹی اینڈ سیکولرزم (Center for the Study of Society & Secularism) کی رپورٹ کے مطابق ۲۰۲۴ء میں فرقہ وارانہ تشدد میں ۸۴ فیصد اضافہ ہوا، اور ہلاکتوں کی اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ اسی سال ریکارڈ ہونے والے ۵۹ فرقہ وارانہ فسادات میں سے ۴۹ بی جے پی کے زیرِ اقتدار ریاستوں میں ہوئے۔ ۲۰۰۹ء سے ۲۰۱۹ء کے درمیان مذہب کی بنیاد پر ہونے والے نفرت انگیز جرائم میں سے تقریباً ۹۰ فیصد ۲۰۱۴ء میں بی جے پی کے اقتدار میں آنے کے بعد پیش آئے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۰۴ پر)

شام میں جہاد کا مستقبل

استاذ ابو اسامہ عبد العزیز الحلاق | مترجم: ڈاکٹر نیک محمد

النازعات: خطۂ شام کے اندر اور باہر بہت سے نوجوان مجاہدین اس وقت شام میں رونما ہونے والی تبدیلیوں سے مایوس اور الجھن کا شکار ہیں۔ جبکہ اس کے برعکس کچھ مجاہدین شام پر جہادی کنٹرول کی بین الاقوامی قبولیت کی حد سے حیران ہیں، حتیٰ کہ بعض نے تو یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ شمالی مغربی افریقہ اور صومالیہ کے مجاہدین کے لیے شام کے انقلاب اور اس کے معزز مجاہدین کے منتخب کردہ طریقے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے۔ آپ کے خیال میں ۸ دسمبر ۲۰۲۴ء کو ہونے والی فتوحات سے متاثر ہونے والے شام کے اندر یا باہر کے مجاہدین کو کیا موقف اختیار کرنا چاہیے، جو صحیح و صواب ہو؟ آپ کا ان کو کیا مشورہ ہے؟

استاذ عبد العزیز الحلاق: اس کا جواب، اللہ کے فضل سے، جزوی طور پر گزشتہ دو حصوں میں دیا جا چکا ہے اور میں نے اس میں شام میں تبدیلی کی وسعت، اس کی شکل، اس کے مستقبل اور اللہ کی مدد سے حاصل ہونے والی فتح کی مقدار کا ذکر کیا ہے، لیکن آپ کے سوال کے جواب میں، میں یہاں یہ اضافہ کرتا ہوں کہ صحیح موقف، جو مجھے یقین ہے کہ ہر باشعور مجاہد کو اپنانا چاہیے، یہ ہے کہ وہ ایسا مضبوط نظریاتی، منہجی اور شرعی طریقۂ کار اختیار کرنے پر یقین رکھے، جسے اللہ تعالیٰ فتح و نصرت کے حصول کے لیے پسند کرتا ہے۔ اگر منہج اور طریقۂ کار کو اس طرح مضبوط کیا جائے تو آپ کو کوئی ایسا حقیقی ربّانی مجاہد نہیں ملے گا جو ٹیڑھے طریقوں سے حاصل ہونے والے نتائج کی رفتار سے، یا جو راستہ صہیونی صلیبی مغرب نے ہمارے لیے ہموار کیا ہے، اس سے حیران ہوا ہو۔

مایوسی، الجھن اور حیرانی تب ہی ہوتی ہے جب ایک متذبذب مجاہد کا ذہن اپنے منہج پر استقامت سے محروم ہو جاتا ہے اور پھر اس کے نزدیک، منہجِ حق اور اچانک پیش آنے والے واقعات کے درمیان، ایک فکری تضاد پیدا ہوتا ہے۔ تاہم، آپ کو کبھی کوئی ایسا، قرآنی طریقۂ کار کو سمجھنے والا ربانی مجاہد نہیں ملے گا جو اپنے منہج اور فکری استقامت پر مضبوطی سے قائم ہو اور پھر ناگہانی واقعات کے نتیجے میں کسی مایوسی، الجھن یا حیرانی سے مغلوب ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے اپنے رب پر بھروسہ اور پختہ یقین ہے کہ ایمانی اور شرعی طور پر جائز طریقوں سے جو نتائج برآمد ہوتے ہیں، خواہ ان کا وقت طویل ہو اور ان پر عمل کرنے والوں کی تعداد قلیل ہو اور دشمن ان کو ناکام بنانے اور ان سے لڑنے کی سازشیں کرتے ہوں، وہ سنت کے مطابق مؤثر ترین، شریعت کے موافق ترین اور اللہ کی رضا کے قریب ترین ہیں۔

ربانی مجاہد کا عقیدہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں واضح راستے پر چھوڑا ہے، جس کی رات بھی اس کے دن کی طرح روشن ہے اور جس سے وہی انحراف کرتا ہے جو خود حق سے منحرف ہو۔ میری یہ بات اس صحیح حدیث کے مطابق ہے جس میں ہمارے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا لَا يَزِيغُ عَنْهَا بَعْدِي إِلَّا هَالِكٌ، وَمَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ، فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِمَا عَرَفْتُمْ مِنْ سُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ.[1]

> ”میں نے تم کو ایک ایسے صاف اور روشن راستے پر چھوڑا ہے، جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے، اس راستے سے، میرے بعد، صرف ہلاک ہونے والا ہی انحراف کرے گا، تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت سارے اختلافات دیکھے گا، لہٰذا میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت سے جو کچھ تمہیں معلوم ہے اس کو لازم پکڑنا۔“

اس لیے جب ایک ربّانی مجاہد، موجودہ دور میں جہاد سے منسوب گروہوں کی طرف سے اپنائے جانے والے راستوں کے بارے میں اپنے بھائیوں کو ابہام اور الجھن میں دیکھتا ہے کہ ان میں سے کون زیادہ صحیح اور مؤثر راستے پر ہے جس کے حصول کے لیے انہوں نے ہتھیار اٹھائے تھے، تو اسے اپنے منہج میں مضبوطی اور اپنے رب کی شریعت اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کے فہم کی بنا پر اس کا جواب آسان اور سادہ ملے گا۔ تخت اور اقتدار پر قابض ہونے کے لیے ہتھیار اٹھانا، اقامتِ دین کے لیے اسلحہ اٹھانے جیسا نہیں ہے، کیونکہ اللہ کا دین قیمتی ہے اور یہ جہادی پگڑیاں باندھنے والے ہر ایرے غیرے کے ذریعے قائم نہیں ہوگا۔ اسی طرح ہمارے زمانے میں، جبکہ صہیونی صلیبی دشمن اور اس کے اتحادیوں نے ہم پر اور ہماری سرزمینوں پر اس طرح حملہ کیا ہے جیسے بھوکے لوگ کھانے پر حملہ کرتے ہیں، نبوی منہج پر مبنی ایک صالح اسلامی نظام کی تشکیل ایک، دو یا تین نسلوں میں ممکن نہیں ہے، بلکہ ہماری امت کو اس کے ڈھانچے کی تکمیل کے لیے، اس کے ستونوں کو قائم کرنے کے لیے اور جس قدر ممکن ہو اس کی مضبوطی کے لیے، کئی نسلیں درکار ہیں۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مخلص اہلِ جہاد کو نہ صرف اپنی نسل کے لیے بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی جہادی راستے کی حفاظت کے لیے کوشاں رہنا چاہیے اور صحیح جہادی راستے کے نشانات اور منہجِ سلیم کی بنیادیں قائم کرنی چاہئیں۔ تاہم، یہ ضروری ہے کہ احتیاط سے ایسے رجالِ کار اور ایسی قیادت کا انتخاب کیا جائے جو جہادی عَلَم کو یکے بعد دیگرے اٹھائیں تاکہ امت ان کے نقشِ قدم پر چل سکے۔

[1] ابن ماجہ (۴۳) اور احمد (۱۷۱۴۲)۔

ایک ثابت قدم ربانی مجاہد، حقائق و واقعات کے ساتھ دیانت داری سے معاملہ کرنے میں الجھن یا ہچکچاہٹ کا شکار نہیں ہوتا اور وہ حق بات کو چھپاتا نہیں، چاہے غالب جماعت عادل اور مہربان ہو یا وہ ایک قوی جماعت ہو جب کہ وہ خود کمزور ہو اور اس کی مخالفت کرنے سے قاصر ہو۔ اس کے باوجود اس کے پاس ایک قرآنی ذہن ہے جو جہادی لوگوں کی اقسام کو بے نقاب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اس لیے وہ جانتا اور پہچانتا ہے کہ جہاد کے تناظر میں، ''معذور'' کون ہیں اور ''سستی کرنے والے''، ''روکنے والے'' کون ہیں، ''ڈرانے والے''، ''منافق'' اور ان جیسے ان کے دوسرے ہم نوا کون ہیں۔ ان لوگوں کے برعکس جو جانتے بوجھتے حق کو چھپاتے ہیں اور اپنے لیے جو وہ دیکھتے ہیں اس حقیقت کا جواز پیش کرتے ہیں تاکہ اگر ان کے لیے حالات مشکل ہو جائیں تو انہیں عارضی صورت حال کے ساتھ گزارا کرنے کا موقع مل سکے۔ ایسے ڈگمگانے والے لوگوں کو، الجھن اور ہچکچاہٹ کی لہریں، اچھال کر دائیں بائیں پھینک دیں گی اور وہ ایک دن اپنے آپ کو ہدایت کے بغیر بھٹکتے ہوئے پائیں گے اور یہ کہ انہوں نے اپنے آپ کو اندھیروں میں ڈال دیا ہے جس میں وہ اپنے قدموں کو بھی نہیں دیکھ سکتے کہ کہاں پڑ رہے ہیں۔ جبکہ ثابت قدم اور مخلص مجاہدین کا صحیح موقف، قرآن اور احادیث کے سچے وعدوں، ان کے پورا ہونے کے مکمل یقین اور اللہ اور یومِ آخرت پر ان کے گہرے ایمان سے پیدا ہوتا ہے۔ اس سب کے باوجود وہ لوگوں میں حق کو قائم کرتے ہیں، اس کا اعلان کرتے ہیں اور اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

ہاں، ان کی نسل کے ربانی مجاہدین شاید وہ چیز حاصل نہ کر سکیں جس کے لیے انہوں نے جہاد کیا تھا اور وہ سب کے سب اپنے خوابوں اور امیدوں کو پورا ہوتے دیکھے بغیر فنا ہو سکتے ہیں، لیکن اس میں کوئی حرج اور نقصان نہیں ہے۔ کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ انہوں نے دو بہترین چیزوں میں سے ایک ضرور حاصل کی ہے۔ داعیانِ دین اور ان کے مدعیان کے لیے، اصحاب الأخدود (خندق والوں) کی کہانی، ایمان کا ایک ایسا نمونہ پیش کرتی ہے جس میں ان لوگوں کے لیے مکمل تسلی اور ایک جامع اطمینان ہے جنہوں نے اس دنیا میں اپنی محنت کا پھل نہیں دیکھا یا جنہوں نے اپنے ایمان کے سائے میں زندگی بسر کی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب ہر اس شخص کے لیے ہے جو قربانی دیتا ہے، نیک ہے اور صبر کرتا ہے۔ جہاں تک اپنے لیے اور راہِ جہاد اور منہجِ حق پر چلنے والے بھائیوں کے لیے نصیحت کا تعلق ہے تو میں کہتا ہوں کہ آج کا اہم ترین فریضہ یہ ہے کہ جن باتوں میں لوگوں میں اختلاف ہوا ہے ان میں حق و صواب راستے کو تلاش کیا جائے اور اللہ تعالیٰ سے ہدایت اور حق راستے پر قائم رہنے کی دعا مانگی جائے، پھر مضبوطی کے ساتھ اس پر قائم رہا جائے۔ میں اپنے تمام بھائیوں کو صبر کرنے اور جلد بازی نہ کرنے کا مشورہ دیتا ہوں اور انہیں صبر کرنے، حوصلہ رکھنے، پُرسکون اور پُریقین رہنے کی نصیحت کرتا ہوں، کیونکہ معاملات اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق ہی چلتے ہیں اور اس کی قضا و قدر نافذ ہو کر رہتی ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ انتظار کریں اور دیکھتے رہیں کہ خدا نے اُن کے لیے اپنے لطیف فیصلوں میں کیا مقدر کیا ہے۔ کچھ عرصہ قبل، اپریل ۱۹۹۲ء میں کابل کی پہلی فتح کے بعد، خاص طور پر برہان الدین ربانی کی قیادت میں مجاہدین کی حکومت کے قیام کے بعد، افغانستان میں نوجوان مجاہدین اسی طرح کی الجھن اور تذبذب کا شکار تھے۔ جہادی دھڑوں کے درمیان اقتدار کی تقسیم پر اختلافات نے مہاجرین و انصار دونوں قسم کے مجاہدین کو ان کے ذہنوں، تصورات اور منہج کی کمزوری کے مطابق اپنی پوزیشنوں اور صف بندیوں میں تقسیم کر دیا۔ اس دوران آپ نے گلبدین حکمت یار کے ساتھ عرب مجاہدین کو، عبد الرب الرسول سیاف کے حامی عرب مجاہدین سے لڑتے ہوئے دیکھا۔ پریشانی اور ہچکچاہٹ کا شکار بے خبر نوجوانوں نے سات جہادی دھڑوں کے رہنماؤں، خاص طور پر حکمت یار اور سیاف کا ساتھ دیا۔ ہر ایک نے اس لیڈر کی حمایت کی جسے وہ پسند کرتا تھا اور ہر ایک اس کے بارے میں جنونی تھا جسے وہ ''فاتح قائد'' سمجھتا تھا۔ لہٰذا وہ فاتح رہنماؤں کی حمایت میں بے گناہ خون کے فتنے میں مبتلا ہو گئے حالانکہ یہ فاتحین اس لائق نہیں تھے کہ ان کے اقتدار کی بقا کے لیے جانیں قربان کی جاتیں۔ انہوں نے اس بات کا انتظار نہیں کیا کہ خدا نے ان کے لیے کیا چھپا رکھا ہے، کیونکہ جنگجو ذہن کا غالب مروجہ نظام یہ ہے کہ وہ صرف وہی دیکھتا ہے جو اس کے پاؤں کے نیچے ہے، اور جنگجو ہر وقت اور جگہ پر، فوری فتح کے لیے بے چین رہتا ہے۔ آج بدقسمتی سے تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔ ہم بعض سے سنتے ہیں کہ ''القائد الفاتح'' ان سب میں بہتر ہے جو موجود ہیں، گویا اہلِ جہاد کے لیے لکھ دیا گیا ہے کہ انہوں نے تاریخ سے سبق نہیں سیکھنا اور عبرت نہیں حاصل کرنی۔ میری نصیحت کا خلاصہ یہ ہے کہ مجاہدین کے درمیان تصورات کو درست کرنے، منہجِ حق کو پھیلانے اور اللہ کی طرف دعوت دینے کے ساتھ ساتھ اس کی شریعت، اس کے نفاذ کی ضرورت اور ان متبادلات کو واضح کرنے کی ضرورت ہے جو ہماری معاصر حقیقت کے لیے موزوں ہیں، یہ اس مرحلے پر ربانی مجاہد کا کام ہے۔

النازعات: بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ فتح و کامیابی، ہر لحاظ سے، اس اختیار کردہ منہج کی درستگی کی علامت ہے، مثلاً برادر جہادی جماعتوں پر قابو پانے کے جواز کے لحاظ سے، ہمسایہ ممالک کے ساتھ اتحاد اور ان کے ساتھ انتہا پسندوں اور سخت گیر عناصر کے خلاف تعاون کرنے کے جواز کے لحاظ سے، صلیبیوں کی طرف سے دہشت گردی کی فہرست میں شامل گروہوں کے ساتھ ''تعلقات منقطع'' کرنے کے جواز کے لحاظ سے اور صہیونی صلیبی تسلط سے نمٹنے میں عقلیت پسندی کے لحاظ سے، غرض ہر لحاظ سے اس منہج کی درستگی کی علامت ہے۔ پس چونکہ یہ فتح و کامیابی اسی منہج سے حاصل کی گئی ہے، لہٰذا اسے دوسرے میدانوں اور محاذوں پر بھی اسی طرح کے نتائج کے حصول کے لیے نافذ کیا جانا چاہیے۔ کیا آپ اس تجویز سے متفق ہیں؟

استاذ عبد العزیز الحلاق: پیارے بھائی! مجھے یقین ہے کہ یہ تجویز ہمارے بہت سے نوجوانوں اور سرزمینِ شام میں ہمارے مجاہد بھائیوں کے درمیان منہجی اضطراب اور فکری بگاڑ کا ایک مظہر ہے۔ میں نے اپنے پچھلے جواب میں بالکل یہی مطلب بیان کرنے کا ارادہ کیا تھا جب میں نے ٹیڑھے طریقوں سے حاصل شدہ نتائج کی رفتار سے پیدا ہونے والے صدمے کی وجہ سے فکری تضاد کے مسئلے کا ذکر کیا تھا، خاص طور پر وہ جو ہنگامی سیاسی حالات کے وقوع

پذیر ہونے کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ جب صہیونی صلیبی ارادہ، ہمارے شرعی جہادی ارادے سے ہمکنار ہو جائے، پھر عالمی کفر یہ دیکھتا ہے کہ اسے اپنے دوسرے بڑے مفادات کی خاطر، جہادیوں کو ان کے کچھ اہداف حاصل کرنے کا موقع فراہم کرنا ہو گا، اس کے بعد یہاں اچانک وقوع پذیر ہونے والے واقعات کے ساتھ تضاد اور اتار چڑھاؤ آتا ہے جو اس کے تمام سابقہ مستقل امور اور ثوابت پر شک پیدا کرتا ہے۔

لیکن جس کے پاس قرآنی ذہن ہے، اس کے پاس ایک منہجی اور فکری قوتِ مدافعت اور ربانی ذہانت ہے جس سے وہ واقعات کو چھان سکتا ہے، ان میں فرق کر سکتا ہے اور ان کے رازوں کو واضح طور پر ظاہر کر سکتا ہے۔ ہر فتح و کامیابی، منہج اور راستے کی درستی کی علامت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ہمارے لیے ایک عظیم مثال پیش کی ہے، ہمیں چاہیے کہ ہم اسے سمجھیں اور فہم و شعور کے ساتھ اس کا احاطہ کریں، یہ قارون کی مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ۤ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ○ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ○ (سورۃ القصص: ۷۶، ۷۷)

> ”قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا اور ان پر تعدّی کرتا تھا۔ اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیے تھے کہ اُن کی کنجیاں ایک طاقت ور جماعت کو اُٹھانی مشکل ہوتیں۔ جب اس سے اس کی قوم نے کہا کہ اِتراؤ مت کہ خدا اِترانے والوں کو پسند نہیں کرتا، اور جو (مال) تم کو خدا نے عطا فرمایا ہے اس سے آخرت کی بھلائی طلب کرو اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلاؤ اور جیسی خدا نے تم سے بھلائی کی ہے (ویسی) تم بھی (لوگوں سے) بھلائی کرو۔ اور ملک میں طالبِ فساد نہ ہو۔ کیونکہ اللہ فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔“

پس غور کریں کہ قارون کی پہلی وابستگی کیسی تھی، پھر ان کے خلاف اس کی سرکشی کو دیکھیں، پھر ان خزانوں اور کامیابیوں پر غور کریں جو اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی قوم اور بھائیوں پر سرکشی کے باوجود آزمائش اور فتنے کے طور پر عطا فرمائی تھیں۔ اپنی قوم کی طرف سے اس کی سرکشی پر انکار اور ان کی طرف سے کی گئی نصیحت و ہدایت پر غور کریں۔ آج کتنے ہی لوگ ہیں جو نصیحت و ہدایت کو نظر انداز کرتے ہیں!

پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ کس طرح قارون اپنی سوچ، عقل اور ہنر میں ظالم تھا اور جب وہ اپنی قوم کے سامنے زیب و زینت کے ساتھ آیا تو کتنا مغرور و متکبر تھا اور لوگ اس کی کامیابیوں کے بارے میں موقف قائم کرنے میں دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے، پختہ عقیدے والے ثابت قدم لوگ اور دنیا پرست ڈگمگانے والے۔

> قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ۭ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ۭ وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ○ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ○ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ○ (سورۃ القصص: ۷۸، ۷۹، ۸۰)

> ”بولا کہ یہ (مال) مجھے میری دانش (کے زور) سے ملا ہے، کیا اس کو معلوم نہیں کہ خدا نے اس سے پہلے بہت سی اُمتیں، جو اس سے قوت میں بڑھ کر اور جمعیت میں بیشتر تھیں، ہلاک کر ڈالی ہیں، اور گناہ گاروں سے اُن کے گناہوں کے بارے میں پوچھا نہیں جائے گا؟ تو (ایک روز) قارون (بڑی) آرائش (اور ٹھاٹھ) سے اپنی قوم کے سامنے نکلا۔ جو لوگ دنیا کی زندگی کے طالب تھے، کہنے لگے کہ جیسا (مال و متاع) قارون کو ملا ہے کاش ایسا ہی ہمیں بھی ملے۔ وہ تو بڑا ہی صاحبِ نصیب ہے، اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہنے لگے کہ تم پر افسوس! مومنوں اور نیکوکاروں کے لیے (جو) ثواب اللہ (کے ہاں تیار ہے وہ) کہیں بہتر ہے اور وہ صرف صبر کرنے والوں ہی کو ملے گا۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے اس تمام فتح، کامیابی اور طاقت کے بعد قارون کے انجام کا ذکر کیا، تب اس کے پیروکار اور حامی پانی میں نمک کی طرح پگھل گئے، پس اس دن شکست خوروں کی کیا حیثیت ہو گی؟

> فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۣ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۤ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ○ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۭ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ○ (سورۃ القصص: ۸۱، ۸۲)

> ”پس ہم نے قارون کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا تو اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مددگار نہ ہو سکی، اور نہ وہ بدلہ لے سکا۔ اور وہ لوگ جو کل اُس کے رتبے کی تمنا کرتے تھے، صبح کو کہنے لگے، ہائے شامت! اللہ ہی تو اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے۔ اگر اللہ ہم پر احسان نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا۔ ہائے خرابی! کافر نجات نہیں پا سکتے۔“

یہاں، ہر مومن کو اس عظیم قرآنی تمثیل کے آخر میں بیان کردہ الٰہی نصیحت پر غور کرنا چاہیے، کیونکہ اس میں اللہ کی سنت اور خدائی قانون کا بیان ہے جو کبھی تحویل یا تبدیل نہیں ہو گا:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ مَنْ جَاۗءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَاۗءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (سورۃ القصص: ۸۳، ۸۴)

”وہ (جو) آخرت کا گھر (ہے) ہم نے اُسے اُن لوگوں کے لیے (تیار) کر رکھا ہے جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے اور انجام (نیک) تو پرہیز گاروں ہی کا ہے۔ جو شخص نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے اس سے بہتر (صلہ موجود) ہے اور جو برائی لائے گا تو جن لوگوں نے برے کام کیے ان کو بدلہ بھی اسی طرح کا ملے گا جس طرح کے وہ کام کرتے تھے۔“

النازعات: محترم ابو اسامہ! اب اس موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں جسے ہم نے عجلت میں مختصراً سابقہ قسط میں چھوا تھا، جو اصحابِ ”طوفان الاقصیٰ“ اور اصحابِ ”ردع العدوان“ کے درمیان انضمام کا موضوع ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ اتفاق رائے اور انضمام مستقبل قریب میں ممکن ہے، خاص طور پر حماس کے رہنما اسامہ حمدان کے قابل تعریف بیانات کے بعد؟ اور وہ کون سے طریقہ ہائے کار ہیں جن کے ذریعے یہ جہادی اتفاق رائے اور انضمام عظیم تر شام میں ہو سکتا ہے؟

استاذ عبد العزیز الحلاق: جی ہاں! مجھے یقین ہے کہ ایسا ممکن ہے اور ایسا ہونے کا بہت امکان ہے، لیکن صرف اس شرط پر کہ دونوں جماعتیں امت کے مفادات اور اس کی امنگوں کو ترجیح دیں تاکہ خلافت علی منہاج النبوۃ کے مقصد کو حاصل کیا جا سکے۔ اس کے لیے رابطے کے پُل تعمیر کرنے اور برادرانہ ملاقاتوں کا اہتمام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ پورے ادب اور نرمی کے ساتھ اس حقیقت کا جائزہ لیا جائے اور اس بات پر بحث کی جائے جو اس انضمام پر منطبق ہو سکے اور امتِ مسلمہ کے لیے اسٹریٹیجک گہرائی اور وفادار حلیف ثابت ہو سکے اور ساتھ ساتھ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں وسیع تعاون بھی ہو۔ تاہم، اگر یہ ابتدائی بنیاد حاصل نہیں کی جاتی ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے عزائم اور خواب پورے ہوں گے، خصوصاً مشرقی اور مغربی کیمپوں میں پیدا شدہ قطبیت (پولرائزیشن) کی موجودگی میں۔ پس آج، مشرقی محور، اپنے ایرانی اتحادی کے ذریعے، اپنے کیمپ کے اندر اصحابِ ”طوفان الاقصیٰ“ کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہا ہے، اگرچہ صرف رسمی طور پر ہی ہو۔ جبکہ مغربی محور اپنے ترک اتحادی اور اس کے چھوٹے بھائی ”قطر“ کے ذریعے اپنے کیمپ کے اندر اصحابِ ”ردع العدوان“ کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہا ہے، خصوصاً چونکہ ان کے پاس مشرقی کیمپ کے خلاف نیزے ہیں، جیسے حزبِ اسلامی ترکستان کے ہمارے مجاہدین بھائی اور روس کی سرحد سے متصل اسلامی ممالک (چیچنیا، داغستان وغیرہ) کے ہمارے مجاہدین بھائی۔ لہٰذا صہیونی صلیبی مغرب، ترکستانی اور چیچن مجاہدین کو شام میں کچھ وقت تک محفوظ رکھنا چاہتا ہے تاکہ اگر موقع ملے تو وہ ان مجاہدین سے، چین اور روس کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کا کام لے سکیں۔ پس ”طوفان الاقصیٰ“ اور ”ردع العدوان“ کے معمار مجاہد بھائیوں کو اس سے بچنا چاہیے کہ وہ مشرق یا مغرب کے قابو میں آکر ان کے منصوبوں کا حصہ بنیں۔ انہیں مشرقی اور مغربی دونوں محوروں سے یکساں طور پر اپنے تعلقات منقطع کر دینا چاہئیں اور ہندوستان اور پاکستان سے لے کر مالی اور شمال مغربی افریقہ میں اسلامی مغرب تک، اسلامی جہادی محور تک پہنچنے کے لیے اپنی امتِ مسلمہ، اس کے عظیم لوگوں اور اس کے ہراول جہادی دستے یعنی مخلص مجاہدین کے ساتھ قریبی تعلقات استوار کرنے چاہئیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ ہم انہیں کبھی بھی شدید تصادم اور اندھی لڑائی میں نہ دیکھیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان دونوں کو اور ہم سب کو ظاہری و باطنی فتنوں سے محفوظ رکھے اور ہمیں اور ان کو صفوں میں اتحاد اور کلمہ توحید کے تحت اتفاق عطا فرمائے اور بکھرے ہوئے اور منتشر لوگوں کو اکٹھا کرے، کیونکہ وہی اس پر نگہبان اور ایسا کرنے پر قادر ہے۔

النازعات: استاذِ محترم! ہم اس سلسلۂ انٹرویو اور اس کی آخری قسط میں آپ کے ساتھ آخری سوال کے دہانے پر ہیں۔ شاید میں اس وقت آپ کی توقعات کے بارے میں پوچھوں گا کہ ملکِ شام اور مجموعی طور پر عظیم تر شام میں مستقبل قریب میں کیا ہو گا؟ کیا آپ غزہ میں جنگ کی واپسی کی توقع رکھتے ہیں، خاص طور پر رمضان کے مہینے میں؟ اور غزہ میں اپنے بھائیوں کی حمایت کے لیے شامی موقف میں کیا تبدیلی ضروری ہے؟ اور اس سلسلے میں باقی امت کے مجاہدین کی ذمہ داری کیا ہے؟

استاذ عبد العزیز الحلاق: واللہ، پیارے بھائی! مجھے یقین ہے کہ یہ غزہ ہمارے لیے، تمام مجاہدین کے لیے، ہماری پوری ملتِ اسلامیہ کے لیے اور درحقیقت پوری انسانیت کے لیے ایک مشکل امتحان ہو گا۔ جی ہاں! میں توقع کرتا ہوں کہ لڑائی غزہ میں نہ صرف واپس آئے گی بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ شدت کے ساتھ لوٹے گی۔[۲] اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ غزہ اور فلسطین میں ہمارے لوگوں کو ثابت قدم رکھے اور تمام مجاہدین کو جان و مال سے ان کی مدد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں واقعی امید کرتا ہوں کہ ملکِ شام جنگ کے دائرے سے باہر ہی رہے گا تاکہ وہ خود کو دوبارہ تعمیر کر سکے، کیونکہ فلسطین کو ایک مضبوط، مربوط، اسلامی، جہادی شام کی ضرورت ہے جو اس کا پشت پناہ ہو۔ تاہم، میں دیکھ رہا ہوں کہ غزہ کے حوالے سے، خدا ہمارا اور ہر ایک کا امتحان لینا چاہتا ہے اور دیکھنا چاہتا ہے کہ ہم کیا کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ گویا اس وقت اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال کی یہ آیات ہمارے لیے ہی نازل فرمائی ہیں:

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّاۗىِٕفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ

[۲] یہ انٹرویو گزشتہ رمضان سے قبل لیا گیا تھا اور استاد حلاق کی یہ پیشن گوئی بھی پوری ہوئی (مترجم)

الْكٰفِرِيْنَ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ۝ (سورۃ الانفال:۷،۸)

”اور (اس وقت کو یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ (ابوسفیان اور ابوجہل کے) دو گروہوں میں سے ایک گروہ تمہارا (مسخر) ہو جائے گا۔ اور تم چاہتے تھے کہ جو قافلہ بے (شان و) شوکت (یعنی بے ہتھیار) ہے وہ تمہارے ہاتھ آ جائے اور اللہ چاہتا تھا کہ اپنے فرمان سے حق کو قائم رکھے اور کافروں کی جڑ کاٹ کر (پھینک) دے۔“

پس جنگ غزہ کی طرف لوٹتی ہے یا نہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ دونوں صورتوں میں، علماء و فقہائے کرام کا اجماع ہے کہ قابلِ شرف اہلِ غزہ کی حمایت و مدد اور حملہ آور غاصب صہیونی دشمن کو پسپا کرنے کی جنگ میں ان کے ساتھ شریک ہونا ہر مسلمان پر بقدرِ استطاعت فرضِ عین ہے۔ جہاں تک شام کا تعلق ہے تو یہ فرضِ عین دوسروں سے زیادہ اس پر عائد ہوتا ہے کیونکہ اس کے جنوبی علاقوں پر بھی اسی صہیونی دشمن کا قبضہ ہے۔ مزید بر آں، آج وہ صہیونیوں کے ساتھ سرحدی اتصال میں آ چکے ہیں، اس لیے کسی بھی صورت میں جارح صہیونیوں کے خلاف جنگ ترک کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ ان کا فرض ہے کہ وہ اللہ سے مدد طلب کریں، اس کی رسی کو مضبوطی سے پکڑیں اور اپنی پوری طاقت اور ذمہ داری کے ساتھ جنگ لڑیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ امت کے نوجوان، ان کے ساتھ اور ان کے پیچھے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کے ذریعے فتح عطا فرمائے اور انہیں متقی مجاہدین کا امام بنائے۔ جہاں تک امت کے باقی مجاہدین کا تعلق ہے تو ان کا فرض ہے کہ وہ صہیونیوں اور ان کے امریکی اتحادیوں کو دنیا بھر میں نشانہ بنائیں، کیونکہ مسئلۂ فلسطین کا حل ’عالمی جہاد‘ کے علاوہ کہیں نہیں ہے، اور یہ امت کا، آئندہ آنے والا، مقدر ہے اور عالمی کفر کے سرغنہ امریکہ سے لڑنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے تاکہ اسرائیل کی مدد و حمایت کی شریان کو کاٹا جا سکے۔ اس کے بعد اہلِ جہاد، یہودیوں کو پورے خطۂ شام سے نکال باہر کریں گے اور پھر ہم ان شاء اللہ، اپنے پیارے نبی ﷺ کے مقامِ اسراء و معراج کو فتح کریں گے اور مسجدِ اقصیٰ کو اور اسیران کو صہیونیوں کے قبضے سے آزاد کرائیں گے۔ اس لیے ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں اور ہماری امت کے نوجوانوں کو، صہیونیوں اور صلیبیوں کو دنیا بھر میں نشانہ بنانے کی توفیق عطا فرمائے، ہمارے تیروں کو نشانے پر لگائے اور اللہ ہی سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے۔

النازعات: بارک اللہ عزیز استاذ عبد العزیز! اور اللہ تعالیٰ ہمارے لیے وقت نکالنے میں آپ کی مہربانی اور سخاوت کا آپ کو اجر دے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس مکالمے کو نفع بخش بنائے اور اس میں ہمارے اور تمام مسلم نوجوانوں کے لیے ہدایت، نصیحت اور رہنمائی شامل کرے۔ میں آپ سے معذرت خواہ بھی ہوں کہ میں نے آپ کے ساتھ بے تکلف سوالات میں بے باکی کا مظاہرہ کیا، لیکن اللہ جانتا ہے کہ اس کا مقصد ہمارے حالات، ہمارے نظریات اور ہمارے مروجہ افکار کے بارے میں کچھ بے تکلفی اور حقیقت کے بارے میں کھلے پن کے ساتھ گفتگو کو تقویت دینا تھا۔ بہر حال، اللہ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمیں یہ مکالمہ کرنے کا موقع دیا اور میں اپنے اور آپ کے لیے مزید کامیابی اور رہنمائی کے لیے دعا گو ہوں۔ آمین۔

استاذ عبد العزیز الحلاق: ایسا نہیں ہے پیارے بھائی! دراصل اللہ تعالیٰ کے بعد آپ کا شکریہ کہ آپ نے مجھے آپ سے بات کرنے اور اپنے سوالات کے ساتھ مجھے خیالات کا اظہار کرنے کا موقع دیا۔ بارک اللہ، اللہ تعالیٰ آپ کے حسنِ ظن اور مہمان نوازی کا اجر دے۔

اس کے ساتھ ساتھ میں ’ادارہ النازعات‘ میں اپنے معزز بھائیوں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے امت میں بیداری پیدا کرنے، مسلم نوجوانوں میں نیکی پھیلانے اور انہیں صحیح منہج کی طرف دعوت دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ میں خدائے بزرگ و برتر، عرش عظیم کے مالک سے دعا گو ہوں کہ جو کچھ کہا گیا ہے اسے ہمارے حق میں حجت بنائے، نہ کہ ہمارے خلاف، اور مجھے اور آپ کو اس دین کے لیے خلوص نیت سے کام کرنے والوں میں شامل فرمائے اور ہمیں اور آپ کو اپنے نیک بندوں میں شامل فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

☆☆☆☆☆

کشمیر اور بھارت میں بے دخلی کو معمول بنانے کا عمل

نفرت انگیز تقاریر نے بھی یہی رخ اختیار کیا ہے۔ انڈیا ہیٹ لیب کے مطابق صرف ۲۰۲۵ء میں تیرہ سو سے زائد نفرت انگیز تقاریر کے واقعات ریکارڈ کیے گئے، جن کی بھاری اکثریت بی جے پی کے زیرِ حکومت ریاستوں میں تھی، اور ان کا ہدف مسلمان اور بتدریج عیسائی بھی بنتے جا رہے ہیں۔ گاؤ رکھشا کے جتھے، ”بلڈوزر انصاف“، اور شہریت و مذہب میں تبدیلی سے متعلق امتیازی قوانین نے اجتماعی سزا اور استثنیٰ (impunity) کو معمول بنا دیا ہے۔

کشمیر میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ بے دخلی اور خوف پر پنپنے والے ہندُتوا منصوبے کا منطقی تسلسل ہے۔ مسلمان جو پہلے ہی مستقل محاصرے اور نگرانی میں زندگی گزار رہے ہیں، انہیں اب مذہب کی بنیاد پر سماجی اور ادارہ جاتی طور پر مزید کنارے لگایا جا رہا ہے۔

موجودہ حالات میں بھارت کے مسلمانوں کا مستقبل روشن دکھائی نہیں دیتا۔ پروجیکٹ ہندُتوا بیک وقت خاموشی سے اور بے رحمی کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے، اداروں اور ذہنوں پر قبضہ کرتا جا رہا ہے۔ ایسے میں امید کی کرن کہیں نظر نہیں آتی۔

[یہ مضمون ایک معاصر آن لائن جریدے میں شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

غزوۂ ہند کی فکری بنیادیں

تاریخ کے آئینے میں

ڈاکٹر محمد سربلند زبیر خان

ڈاکٹر محمد سربلند زبیر خان شہید مجاہدینِ پاکستان وبرِّ صغیر کے درمیان کسی تعارف کے محتاج نہیں اور ان کے یہاں ڈاکٹر ابو خالد کے نام سے معروف ہیں۔ پیشِ تر ان کی کتاب 'عصرِ حاضر کے جہاد کی فکری بنیادیں' زیورِ اشاعت سے آراستہ ہو کر عام و خاص قارئین تک آج سے گیارہ سال قبل پہنچ چکی ہے۔ ڈاکٹر ابو خالد رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری کتاب 'غزوۂ ہند کی فکری بنیادیں تاریخ کے آئینے میں'، مؤلف شہید نے مارچ ۲۰۱۲ء میں مکمل کی، لیکن مختلف النوع وجوہات کی بنا پر اب تک شائع نہ ہو سکی۔

'نوائے غزوۂ ہند' ڈاکٹر ابو خالد شہید کی اس کتاب کو قارئین کی سہولت اور تدوین و ادارت میں آسانی کی خاطر، قسط وار مجلّے میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ (ادارہ)

باب اوّل: غزوۂ ہند تعلیماتِ رسول ﷺ کی روشنی میں

غزوۂ ہند سے متعلق احادیث

اس عنوان کے ذیل میں بیان کردہ احادیث مولانا عاصم عمر رحمہ اللہ کی کتاب "تیسری جنگ عظیم اور دجال"، مولانا شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ کی کتاب "آثارِ قیامت اور فتنۂ دجال" اور مولانا ڈاکٹر عصمت اللہ کی کتاب "غزوۂ ہند ایک مبارک الہامی پیش گوئی" سے نقل کی گئی ہیں۔

سب سے پہلے یہاں وہ اہم احادیث بیان کی جاتی ہیں جن میں غزوۂ ہند کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

حدیث:۱

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

> "میرے جگری دوست رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس امت میں سندھ و ہند کی طرف لشکروں کی روانگی ہو گی۔ اگر مجھے کسی ایسی مہم میں شرکت کا موقع ملا اور (میں اس میں شریک ہو کر) شہید ہو گیا تو ٹھیک، اگر (غازی بن کر) واپس لوٹ آیا تو میں ایک آزاد ابوہریرہ ہوں گا جسے اللہ تعالیٰ نے جہنم سے آزاد کر دیا ہو گا۔"[۱]

حدیث:۲

امام نسائی نے اپنی کتاب سنن المجتبی اور السنن الکبری میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا:

> "نبی کریم ﷺ نے ہم سے غزوۂ ہند کا وعدہ فرمایا (آگے ابوہریرہؓ فرماتے ہیں) اگر مجھے اس میں شرکت کا موقع مل گیا تو میں اپنی جان و مال اس میں خرچ کر دوں گا۔ اگر قتل ہو گیا تو میں افضل ترین شہداء میں شمار ہوں گا اور اگر واپس لوٹ آیا تو جہنم سے آزاد ابوہریرہؓ ہوں گا۔"

حدیث:۳

حضرت ثوبانؓ (نبی کریم ﷺ کے ایک آزاد کردہ غلام اور صحابی) نے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> "میری امت کی دو جماعتوں کو اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ سے محفوظ فرمایا ہے۔ ایک وہ جماعت جو ہندوستان سے جہاد کرے گی دوسری وہ جماعت جو عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے ساتھ ہو گی۔"[۲]

حدیث:۴

حضرات صفوان بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ سے مرفوع روایت ہے کہ کہتے ہیں کہ انہیں کچھ لوگوں نے بتایا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

> "میری امت کے کچھ لوگ ہندوستان سے جنگ کریں گے، اللہ تعالیٰ انہیں فتح عطا فرمائے گا حتیٰ کہ وہ ہندوستان کے بادشاہوں کو بیڑیوں میں جکڑے ہوئے پائیں گے، اللہ ان مجاہدین کی مغفرت فرمائے گا۔ جب وہ شام کی طرف پلٹیں گے تو عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو وہاں موجود پائیں گے۔"[۳]

حدیث:۵

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہندوستان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

> "تمہارا ایک لشکر ہندوستان سے جہاد کرے گا جس کو اللہ تعالیٰ فتح دے گا۔ چنانچہ یہ لشکر ہند کے حکمرانوں کو زنجیروں اور ہتھکڑیوں میں جکڑ کر

---

[۱] اس حدیث کو امام احمد بن حنبلؒ نے مسند احمد میں نقل کیا ہے۔

[۲] یہ روایت سنن نسائی کتاب الجہاد میں مسند امام احمد میں موجود ہے۔

[۳] اس حدیث کو نعیم بن حمادؒ نے الفتن میں روایت کیا ہے۔

لائے گا۔ اللہ اس لشکر کے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ پھر جب یہ لوگ واپس لوٹیں گے تو شام میں ابن مریم علیہا السلام کو پائیں گے۔‘‘

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا:

’’اگر میں نے اس جہاد (ہند) کو پا لیا تو میں اپنی تمام نئی اور پرانی ملکیت فروخت کر دوں گا (اور بیچ کر) ہندوستان سے جہاد کروں گا۔ سو جب اللہ ہمیں فتح دے دے گا اور ہم واپس آئیں گے تو میں (جہنم سے) آزاد ابو ہریرہ ہوں گا اور وہ (ابو ہریرہ) شام آئے گا تو وہاں عیسیٰ ابن مریمؑ کو پائے گا چنانچہ میں (ابو ہریرہ) ان (عیسیٰؑ) سے قریب ہونے کے لیے انتہائی بے قرار ہوں گا۔ میں ان کو خبر دوں گا کہ یا رسول اللہ (عیسیٰ ابن مریمؑ) میں آپ کے ساتھ شامل ہو گیا ہوں۔‘‘

راوی کہتے ہیں:

’’(حضرت ابو ہریرہؓ کی) اس بات پر نبی کریم ﷺ مسکرائے اور ہنسے پھر فرمایا بہت دور، بہت دور۔‘‘[4]

حدیث:۶

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہندوستان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

’’یقیناً تمہارا ایک لشکر ہندوستان سے جنگ کرے گا اور اللہ ان مجاہدین کو فتح دے گا حتیٰ کہ وہ سندھ کے حکمرانوں کو بیڑیوں میں جکڑ کر لائیں گے، اللہ ان کی مغفرت فرما دے گا۔ پھر جب وہ واپس پلٹیں گے تو عیسیٰ ابن مریمؑ کو شام میں پائیں گے۔‘‘

ابو ہریرہؓ بولے:

’’اگر میں نے وہ غزوہ پایا تو اپنا نیا اور پرانا سب مال بیچ کر اس میں شرکت کروں گا، جب ہمیں اللہ تعالیٰ فتح دے گا تو ہم واپس آئیں گے تو میں ایک آزاد ابو ہریرہؓ ہوں گا جو شام میں آئے گا تو وہاں عیسیٰ ابن مریمؑ سے ملاقات کرے گا۔ یا رسول اللہ ﷺ اس وقت میری شدید خواہش ہو گی کہ میں ان کے قریب پہنچ کر بتاؤں کہ مجھے آپ ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہے۔‘‘

(راوی کہتا ہے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر مسکرائے۔[5]

حدیث:۷

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں:

’’بیت المقدس کا ایک بادشاہ ہندوستان کی طرف ایک لشکر روانہ کرے گا۔ مجاہدین سر زمین ہند کو پامال کر ڈالیں گے، اس کے خزانوں پر قبضہ کر لیں گے، پھر بادشاہ ان خزانوں کو بیت المقدس کی تزئین و آرائش کے لیے استعمال کرے گا۔ وہ لشکر ہندوستان کے بادشاہوں کو بیڑیوں میں جکڑ کر اس بادشاہ کے روبرو پیش کرے گا۔ اس کے مجاہدین بادشاہ کے حکم سے مشرق و مغرب کے درمیان کا سارا علاقہ فتح کر لیں گے۔ اور دجال کے خروج تک ہندوستان میں قیام کریں گے۔‘‘[6]

حدیث:۸

کتاب الفتن میں نعیم بن حمادؒ ایک روایت بیان کرتے ہیں:

’’نبی کریم ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے کچھ لوگ ہندوستان کے خلاف جنگ کریں گے اللہ ان کو فتح عطا فرمائے گا چنانچہ ہندوستان کے بادشاہوں کو زنجیروں میں جکڑ کر لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف فرما دے گا پھر وہ شام کی طرف جائیں گے تو شام میں عیسیٰ بن مریم علیہا السلام کو پائیں گے۔‘‘

حدیث:۹

امام قرطبیؒ نے تذکرۃ میں حضرت حذیفہؓ بن الیمان سے طویل بحث نقل کی ہے جو یہاں سے شروع ہوتی ہے:

’’آنحضرت ﷺ نے فرمایا زمین کے اطراف میں خرابی اور بربادی نمودار ہو گی پھر آگے فرمایا سندھ ہندوستان کے ہاتھوں برباد ہو گا اور ہندوستان کی خرابی اور بربادی چین کے ہاتھوں سے ہو گی۔‘‘

غزوۂ ہند کی وجہ تسمیہ

غزوۂ ہند سے متعلق احادیث کے بیان کے بعد یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہندوستان میں شرعی بنیادوں پر کیے جانے والے جہاد کو غزوہ کیوں کہا جاتا ہے جبکہ دیگر مقامات پر شرعی تقاضوں کے مطابق ہی لڑی جانے والی جنگوں کو جہاد فی سبیل اللہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ غزوہ کی

[4] اس حدیث کو نعیم بن حمادؒ نے الفتن میں روایت کیا ہے۔

[5] یہ حدیث اسحٰق بن راہویہؒ نے اپنی مسند میں نقل کی ہے۔ (مسند اسحٰق بن راھویہ، قسم اول۔ سوم: ۱/ ۴۶۲ حدیث ۵۳۷)

[6] اس حدیث کو نعیم بن حمادؒ نے الفتن میں روایت کیا ہے۔

اصطلاح شرعی طور پر عموماً ان جنگوں کے لیے استعمال کی جاتی ہے جن میں نبی کریم ﷺ نے خود شرکت کی ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ غزوات جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی کی ہو انہیں ”غزوات موعودہ“ کہا جاتا ہے اور علماء انہیں غزوات کے ہی نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد تابعین اور ان کے بعد کے زمانے میں مسلمان ایسی جنگوں میں شرکت کے لیے بے تاب رہتے تھے جو نبی کریم ﷺ کی پیشین گوئیوں کا مصداق ہوں تاکہ وہ بھی نبی کریم ﷺ کی بشارتوں میں سے حصہ پا لیں۔ تاہم ان غزوات موعودہ کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی بشارتوں کے پیش نظر صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں بھی ان غزوات میں شرکت کی شدید خواہش کا اظہار کرتے تھے۔ اس بات کا اندازہ مندرجہ ذیل حدیث سے لگایا جا سکتا ہے جسے امام نسائی نے اپنی کتاب سنن المجتبیٰ اور السنن الکبریٰ میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا:

> ”نبی کریم ﷺ نے ہم سے غزوۂ ہند کا وعدہ فرمایا (آگے ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں) اگر مجھے اس میں شرکت کا موقع مل گیا تو میں اپنی جان و مال اس میں خرچ کر دوں گا۔ اگر قتل ہو گیا تو میں افضل ترین شہداء میں شمار ہوں گا اور اگر واپس لوٹ آیا تو جہنم سے آزاد ابو ہریرہؓ ہوں گا۔“

حضرت ابو ہریرہؓ کی غزوۂ ہند میں شرکت کی خواہش کی وجہ وہ بشارت تھی جو نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے بیان کی تھی اور جسے حضرت ثوبانؓ (نبی کریم ﷺ کے ایک آزاد کردہ غلام اور صحابی) نے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

> ”میری امت کی دو جماعتوں کو اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ سے محفوظ فرمایا ہے۔ ایک وہ جماعت جو ہندوستان سے جہاد کرے گی دوسری وہ جماعت جو عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے ساتھ ہو گی۔“[7]

غزوۂ ہند کی تعریف

اوپر بیان کردہ احادیث، اور تاریخی و جغرافیائی حقائق کی روشنی میں اب ہم یہ دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں غزوۂ ہند سے کیا مراد ہے۔ غزوۂ ہند کو سمجھنے کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ کیا ہندوستان میں مسلمانوں اور کافروں کے درمیان لڑی جانے والی ہر جنگ ہی غزوۂ ہند ہے؟ اس سوال کا پہلا جواب تو علماء نے یہ دیا ہے کہ غزوۂ ہند سے مراد وہ مخصوص جنگ ہے جو آخر الزمان میں بیت المقدس کے بادشاہ کے حکم پر ایک لشکر ہندوستان کے خلاف لڑے گا۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ یہ لشکر خراسان سے نکلے گا۔ یہ لشکر نہ صرف اپنی جنگ میں فتح یاب ہو گا بلکہ ہندوستان (موجودہ انڈیا و پاکستان) کے حکمرانوں کو زنجیروں میں جکڑ کر لائیں گے۔ اور یہی لشکر جب شام پہنچے گا تو وہاں عیسیٰؑ کو پائے گا۔ غزوۂ ہند کے تعین کے سوال کا دوسرا جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ ہندوستان میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کی جانے والی ہر جنگ غزوۂ ہند ہی ہے اور اس کے ہر لشکر کے لیے وہی بشارت ہے جو احادیث میں بیان کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صدقِ دل اور اخلاصِ نیت کے ساتھ ہندوستان پر حملہ آور ہر مسلمان لشکر کو کامیابی نصیب ہوئی ہے۔ محمد بن قاسم، محمود غزنوی، شہاب الدین غوری غزوۂ ہند کی اس تعریف کے مطابق ان شاء اللہ ان بشارتوں کے مستحق ہیں۔

یہاں یہ بات ذہن میں رکھنا اہم ہے کہ ہوسِ ملک گیری، لوٹ مار، قتل و غارت، قومی و وطنی تعصب کے لیے لڑی جانے والی جنگیں تو جہاد بھی کہلانے کی مستحق نہیں چہ جائیکہ انہیں غزوۂ ہند کہا جائے۔

غزوۂ ہند اور نبوی بشارتیں

غزوۂ ہند کے حوالے سے احادیث نبوی میں بیان کردہ بشارتوں کو ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔

- غزوۂ ہند لڑنے والے لشکر کو دوزخ سے نجات کی بشارت ہے جو سب سے بڑی کامیابی ہے۔
- غزوۂ ہند لڑنے والے لشکر کو فتح نصیب ہو گی۔ پس اعلائے کلمۃ اللہ کی نیت سے شرعی تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر ہندوستان (موجودہ پاکستان و انڈیا) کے خلاف جنگ کرنے والے لشکر کے لیے فتح کی بشارت ہے۔
- سندھ و ہند (موجودہ پاکستان و انڈیا) کے حکمران مجاہدین کے ہاتھوں گرفتار ہوں گے جس سے مسلمانوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔
- غزوۂ ہند کا لشکر جب شام پہنچے گا تو حضرت عیسیٰؑ سے ملاقات کرے گا۔[8]

عصر حاضر اور غزوۂ ہند

غزوۂ ہند کو بعض اوقات موجودہ انڈیا کے خلاف لڑی جانے والی جنگوں پر منطبق کیا جاتا ہے حالانکہ تاریخی طور پر موجودہ پاکستان بھی ہندوستان کا مشرقی حصہ ہے خصوصاً دریائے سندھ کے مشرق کی طرف کے علاقے جن میں سندھ و پنجاب کے اکثر علاقے شامل ہیں انہیں تو کسی صورت بھی ہندوستان سے الگ تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کسی کو اس بارے میں ابہام ہو تو اوپر بیان کردہ دو احادیث میں صراحتاً ہند کے ساتھ سندھ کا بھی تذکرہ ہے۔ اگرچہ سندھ کی حیثیت ہندوستان سے الگ نہیں اور اسے ہندوستان کا مغربی دروازہ یا مغربی ہندوستان کہا جا سکتا ہے لیکن اگر حدیث کے ظاہری الفاظ پر غور کرتے ہوئے سندھ اور ہند کو الگ الگ بھی سمجھا جائے تو بھی زمانۂ قدیم میں سندھ کی اصطلاح دریائے سندھ سے متصل علاقوں پر بولی جاتی تھی اور جس میں موجودہ پاکستان کا اکثر علاقہ شامل ہے۔ صرف مثال کے لیے یہ سوچا جا

[7] یہ روایت سنن نسائی کتاب الجہاد میں مسند امام احمد میں موجود ہے۔

[8] یہ بحث آگے کی گئی ہے کہ کیا یہ دور آخری دور ہے اور کیا اس دور میں ہندوستان کے خلاف لڑی جانے والی جنگیں وہی غزوۂ ہند ہے جس کے آخر میں یہ لشکر حضرت عیسیٰؑ سے ملاقات کرے گا۔

سکتا ہے کہ محمد بن قاسم کے حملوں کو سندھ پر ہی حملہ کہا جاتا ہے حالانکہ محمد بن قاسم کی فتوحات میں ملتان تک کا علاقہ شامل تھا۔

غزوۂ ہند کو موجودہ انڈیا تک محدود کرنے کی ایک وجہ پاکستانی فوج اور اس سے منسلک جہادی تنظیموں کی وہ مخصوص ذہنی ساخت بھی ہے جس میں پاکستان کو ایک اسلامی ریاست سمجھتے ہوئے انڈیا اور کشمیر پر حملے کی بات کی جاتی ہے۔ مجاہدین اپنے جذبۂ ایمانی اور شوقِ شہادت میں انڈیا پر حملے کو غزوۂ ہند سے جوڑتے ہیں اور حکومتِ پاکستان، فوج اور ایجنسیاں اپنی پالیسی کے تسلسل کے طور پر ان اصطلاحات کو مخلص و جذباتی مجاہدین کو استعمال کرنے کے ایک حربے اور پاکستان کے مسلمان عوام کے سامنے اپنی دینی شناخت کو مستحکم کرنے کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ پاکستان تاریخی، منطقی و شرعی کسی بھی اعتبار سے ہندوستان سے الگ نہیں ہے۔ آج پاکستان میں نفاذِ شریعت کے لیے شرعی حدود و قیود کی پابندی کرتے ہوئے کیا جانے والا تمام تر جہاد غزوۂ ہند ہی ہے۔ پاکستان تاریخی و جغرافیائی طور پر تو ہندوستان کا حصہ رہا ہی ہے لیکن اپنے نظامِ مملکت و قانون کے اعتبار سے بھی ایک سیکولر ملک سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔ پاکستانی نظامِ حکومت اور پاکستان میں موجود تنازعات اور انتشار کے تناظر میں پاکستان میں جہاد کے شرعی جواز کی بحث آگے اپنے مقام پر آئے گی لیکن یہاں سرِ دست صرف اتنا کہنا مقصود ہے کہ جہادِ پاکستان نہ صرف غزوۂ ہند کی تمہید ہے بلکہ اس کا حصہ ہی ہے۔ تاہم یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جس طرح پاکستان کی طرف سے آنکھیں بند کر کے انڈیا کے خلاف کی جانے والی کوششیں ایک غیر مناسب طرزِ عمل کا اظہار ہیں وہیں جہادِ پاکستان کے علم برداروں کا انڈیا کی طرف سے آنکھیں بند رکھنا اور اپنی منصوبہ بندی میں مکمل ہندوستان کا شامل نہ کرنا جہاد اور خصوصاً غزوۂ ہند کے ناقص فہم کی دلیل ہے۔

غزوۂ ہند کی تاریخ

غزوۂ ہند تاریخِ اسلامی کا ایک ایسا درخشندہ باب ہے جس کا آغاز خلفائے راشدین کے دور میں ہی ہو گیا تھا۔ اگرچہ ہندوستان میں اسلام کی آمد نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ہی ہو چکی تھی اور جنوبی ہند میں مسلمانوں کی تجارتی سرگرمیاں جاری تھیں اور کئی مقامی باشندے اسلام قبول کر چکے تھے لیکن غزوۂ ہند کے لیے ہندوستان کی سرزمین کی طرف پہلا لشکر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں روانہ کیا گیا جس نے مکران فتح کیا۔ اس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایران کی طرف سے اسلامی لشکروں نے مشرقی ہندوستان کی طرف یلغار کی اور ملتان پر حملہ آور ہوئے۔ محمد بن قاسم رحمہ اللہ نے غزوۂ ہند کے تسلسل میں سندھ پر حملہ کیا اور سندھ کو اسلامی خلافت کا ایک حصہ بنا دیا۔ ۱۰۰۰ء میں محمود غزنوی نے ہندوستان پر اپنا پہلا حملہ کیا اور اس کے بعد پے درپے حملوں سے ایک اسلامی حکومت کی بنیاد رکھ دی۔ غزنوی حکومت کے بعد شہاب الدین غوری نے اس سابقہ حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد اس حکومت کو ہندوستان میں مزید پھیلا دیا۔ غوریوں کے بعد خاندان غلاماں اور ان کے بعد پہلے خلجی خاندان، تغلق خاندان، سادات خاندان، لودھی خاندان اور اس کے بعد مغلوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کو عروج بخشا۔ ان میں سے جن جن بادشاہوں نے ہندوستان میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کوشش کی اور شرعی بنیادوں پر اپنا نظامِ حکومت استوار کیا انہوں نے ان شاء اللہ غزوۂ ہند کرنے والے لشکروں کے لیے احادیث میں موجود بشارتوں میں سے اپنا حصہ پایا۔

غزوۂ ہند کی اہمیت

یوں تو جہاد خود ایک ایسی عبادت ہے جس کے اجر و ثواب کا کوئی اندازہ ممکن نہیں، لیکن غزوۂ ہند کی خصوصی اہمیت کی بعض مخصوص وجوہات ہیں۔ اول تو وہ مخصوص بشارتیں ہیں جو غزوۂ ہند کے ساتھ مخصوص ہیں۔ دوم یہ کہ غزوۂ ہند سے متعلقہ علاقے یعنی ہندوستان میں آدھی امت مسلمہ رہتی ہے لہٰذا غزوۂ ہند کی صورت میں آدھی امت مسلمہ کو بندوں کے بنائے ہوئے نظاموں کی غلامی سے نکال کر اللہ رب العزت کی غلامی میں لایا جا سکتا ہے۔ ہندوستان میں امت کا وہ حصہ آباد ہے جسے اللہ نے جسمانی و ذہنی صلاحیتوں سے مالا مال کیا ہے لیکن طاغوتی نظاموں کے تحت رہتے ہوئے وہ یہود و ہنود کی خدمت کرنے پر مجبور ہیں۔ غزوۂ ہند کے نتیجے میں آدھی امت کفار کے شکنجے سے آزاد ہو کر ان شاء اللہ مشرق اور مغرب کی درمیانی جگہ کو فتح کر لیں گے۔

دورِ حاضر میں ہندوستان کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہے کہ عالمی نظام میں یہود کا اب نیا اور فطری حلیف ہندو ہی ہے۔ ہندو اسرائیل گٹھ جوڑ اب کسی سے پوشیدہ نہیں اور پاکستانی حکمران اب دسترخوان پر بچنے والے ٹکڑوں پر گزارا کرنے کے عادی بن چکے ہیں۔ غزوۂ ہند کے نتیجے میں جہاں مشرک ہندو کا قلع قمع ممکن ہے وہیں عالمی نظامِ کفر کو بھی کاری ضرب لگائی جا سکتی ہے۔

کیا یہ فتنوں کا دور ہے؟

غالباً یہ وہ اہم ترین سوال ہے جس کے جواب کے بغیر آگے کی ساری تحریر بے معنی ہے۔ یہ وہ کلمۃ سواء (نقطہ اشتراک) ہے جس کی بنیاد پر مسلم امت کو اس تحریر میں مخاطب کیا گیا ہے۔ جو مسلمان اس دور میں دینِ اسلام کے احکامات کی صریح پامالی اور دنیا بھر میں نیو ورلڈ آرڈر کی صورت میں منصوبۂ یہود کی تنفیذ پر خوشی کے شادیانے بجاتا ہے اسے اس تحریر کو پڑھنے سے پہلے اپنے ایمان کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح جو شخص اس وقت مسلمان آبادی والے ممالک کی معاشرت کو ہی اسلامی معاشرت، جمہور مسلمانوں کی خواہشات کو اسلامی شریعت کا ہم معنی، اور مسلمان ممالک پر مسلط حکمرانوں کو ان کا اولی الامر سمجھتا ہے تو اس سے بھی ہم معذرت کریں گے۔ اس شخص کے لیے بھی اس تحریر میں کچھ نہیں ہے جو فتنے کی تعریف کو محض مہنگائی، بے روزگاری، غربت اور بیماری تک محدود سمجھتا ہے اور اس کے لیے امریکہ اور یورپ کی حکومتیں وہ مثالی حکومتیں ہیں جہاں تک پہنچنے کے وہ شخص خواب دیکھتا ہے اس کی عقل پر بھی ماتم ہی کر سکتے ہیں۔ غرض ہر وہ شخص جو دورِ حاضر کا تجزیہ شکم و شہوت کی آنکھ اور یہودی معیارات سے کرتا ہے اسے کسی اور تحریر کی

ضرورت ہے۔ ہمارے مخاطب عموماً صرف وہ مسلمان ہیں جو دور حاضر کے فتنوں کو فرامین رسول ﷺ کی روشنی میں سمجھ رہے ہیں اور ان فتنوں کا حل بھی شرعی تعلیمات کی روشنی میں ڈھونڈ رہے ہیں۔ ہمارے مخاطب خصوصاً وہ مسلمان ہیں جو فرامین رسول ﷺ کی روشنی میں اجمالاً اور اصولاً ہجرت و جہاد کی راہ کو پہچان چکے ہیں لیکن ان کے پاس تفصیلی لائحہ عمل نہیں اور دجالی سازشوں کی اندھیر نگری میں راستے کا سراغ نہیں مل رہا۔

اگرچہ ہمیں اس دور کے فتنوں کے دور ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں لیکن صرف تذکیر و برکت کے لیے چند فرامین رسول ﷺ کو یہاں نقل کیا جاتا ہے جن میں دور حاضر کی تشریح نبی کریم ﷺ نے خود فرمادی ہے۔ مزید احادیث کو دیکھنے کے لیے مولانا یوسف لدھیانوی ؒ کے ”عصر حاضر حدیث نبوی ﷺ کے آئینہ میں“ کے نام سے جمع کردہ مجموعۂ احادیث سے رجوع کرسکتے ہیں۔

حدیث:۱

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”اعمال صالحہ میں جلدی کرو قبل اس کے کہ وہ فتنے ظاہر ہو جائیں جو تاریک رات کے ٹکڑوں کی مانند ہوں گے۔(ان فتنوں کا اثر یہ ہو گا کہ) آدمی صبح ایمان کی حالت میں اٹھے گا اور شام کو کافر بن جائے گا یا شام کو مومن ہو گا تو صبح کو کافر اٹھے گا۔ اپنا دین و مذہب دنیا کے تھوڑے فائدے کے لیے بیچ ڈالے گا۔“[۹]

حدیث:۲

حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”تمہارے بعد ایسا دور ہو گا جس میں علم اٹھالیا جائے گا اور فتنہ وفساد عام ہو گا۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! فتنہ وفساد سے کیا مراد ہے؟ فرمایا قتل۔“[۱۰]

حدیث:۳

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”آخری زمانے میں بہت سے جھوٹے مکار لوگ ہوں گے جو تمہارے سامنے (اسلام کے نام سے نئے نئے نظریات اور) نئی نئی باتیں پیش کریں گے جو نہ کبھی تم نے سنی ہوں گی اور نہ کبھی تمہارے باپ دادا نے، ان سے بچنا! ان سے بچنا! کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور فتنے میں نہ ڈال دیں۔“[۱۱]

آخری دور سے کیا مراد ہے؟

زمانۂ حال کے فتنوں پر گہری نظر رکھنے والے اکثر علماء اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ احادیث میں بیان کردہ نشانیوں کی موجودہ حالات پر محتاط ترین بھی تطبیق کی جائے تو محسوس یہی ہوتا ہے کہ آخری دور بالکل نزدیک آ لگا ہے (واللہ اعلم)۔ یہ جملہ حالات سے پریشان عام مسلمانوں کی زبانوں پر بھی عام ہے۔ یہاں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ آخری زمانے سے ہماری کیا مراد ہے۔ یوں تو نبی کریم ﷺ کے فرمان کی روشنی میں نبی کریم ﷺ کی بعثت ہی آخری زمانہ آنے کی دلیل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی آمد اور قیامت میں اتنا ہی فاصلہ بیان کیا جتنا ہاتھ کی دو متصل انگلیوں کے درمیان ہے۔ گویا یہ دور ایک ہی تسلسل میں چلا جا رہا ہے جس کے آخر میں قیامت ہے۔ دنیا میں پیش آنے والے حالات و واقعات اس دور کے نشیب و فراز ہیں۔ اس کی مثال یوں بھی سمجھی جا سکتی ہے جیسے ایک ٹرین ایک طویل فاصلے کو طے کرنے کے لیے ایک راستے پر چلی اور مختلف اسٹیشنوں سے گزرتی ہوئی منزل سے پہلے آخری اسٹیشن پر پہنچی اور اب یہاں سے روانہ ہو کر منزل کی طرف بڑھتی جا رہی ہے۔ اب راستے میں کوئی دوسرا اسٹیشن نہیں جہاں یہ ٹرین رکے البتہ اس راستے میں بھی مختلف مناظر سامنے آئیں گے اور منزل تک پہنچنے میں کچھ وقت بھی لگے گا۔ راستے سے واقف مسافران مناظر اور نشانیوں کو دیکھتے رہتے ہیں اور جب وہ نشانیاں ظاہر ہونا شروع ہو جائیں جن سے منزل کے قریب پہنچنے کا یقین ہونے لگے تو سامان سمیٹنا شروع کرتے ہیں اور منزل کے لیے مستعد ہو جاتے ہیں۔ ہماری مراد بھی یہاں یہی ہے کہ اب نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کی جو تشریحات اور تطبیقات جید علمائے کرام نے کی ہیں ان کی روشنی میں سامان سمیٹنے کا وقت آ گیا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بیان کردہ علاماتِ قیامت کی تین قسمیں ہیں۔

۱. **علامات بعیدہ:** جو نبی کریم ﷺ کے زمانے یا اس سے قریب کے زمانے میں گزر چکی ہیں۔
۲. **علامات متوسطہ:** جو ظاہر ہو گئی ہیں لیکن اپنی انتہا کو نہیں پہنچیں اور ان کے انتہا پر پہنچنے پر تیسری قسم کی علامات ظاہر ہوں گی۔
۳. **علامات قریبہ:** یہ علامات بالکل قیامت کے قریب کی ہیں اور ایک دوسرے کے بعد پے در پے ظاہر ہوں گی۔ یہ علامات کل دس ہیں اور جن کے اختتام پر کسی بھی وقت قیامت آ جائے گی۔ اور ان دس علامات میں سے پہلی علامت امام مہدی کا ظہور ہے۔

ہم نے اس تحریر میں آخری وقت یا آخری زمانے سے مراد ان ہی دس علامات کے

---

[۹] مسلم ج۱ ص ۱۱۰، صحیح ابن حبان ج۱۵ ص۹۶

[۱۰] الترمذی شریف ص ۴۳ ج ۲

[۱۱] یہ تمام احادیث مولانا یوسف لدھیانوی ؒ کے جمع کردہ مجموعہ احادیث ”عصر حاضر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے آئینہ میں“ سے نقل کی گئی ہیں۔

ظاہر ہونے کے وقت کو لیا ہے۔ ان تمام علامات کی تفصیل کو جاننے کے لیے ہم دوبارہ مولانا عاصم عمر اور مفتی ابولبابہ شاہ منصور کی تحریروں کو پڑھنے کا مشورہ دیں گے۔

کیا یہ آخری دور ہے؟

لیکن ہمارا مقصود اس حقیقت کی طرف توجہ دلانا ہے کہ علامات متوسطہ کے اختتام کا وقت آ لگا ہے اور علامات قریبہ کا آغاز کسی وقت بھی ہو سکتا ہے۔ علامات متوسطہ یوں تو بے شمار احادیث میں متفرق طور پر بیان کی گئی ہیں لیکن اختصار کے لیے ہم یہاں صرف ایک حدیث بیان کرتے ہیں جس میں مختلف احادیث میں متفرق طور پر بیان کردہ تقریباً تمام علامات کو یکجا بیان کیا گیا ہے۔

حدیث

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بہتر چیزیں قرب قیامت کی علامات ہیں جب تم دیکھو کہ:

- لوگ نمازیں غارت کرنے لگے۔
- امانت ضائع کرنے لگے۔
- سود کھانے لگے۔
- جھوٹ کو حلال سمجھنے لگے۔
- معمولی بات پر خون ریزی کرنے لگے۔
- اونچی اونچی عمارتیں بنانے لگے۔
- دین بیچ کر دنیا سمیٹنے لگے۔
- قطع رحمی یعنی رشتہ داروں سے بدسلوکی ہونے لگے۔
- انصاف کمزور ہو جائے۔
- جھوٹ سچ بن جائے۔
- لباس ریشم کا ہو جائے۔
- ظلم،
- طلاق،
- اور ناگہانی موت عام ہو جائے۔
- خیانت کار کو امین اور امانت دار کو خائن سمجھا جائے۔
- جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا سمجھا جائے۔
- تہمت تراشی عام ہو جائے۔
- بارش کے باوجود گرمی ہو۔
- اولاد غم و غصہ کا موجب ہو۔
- کمینوں کے ٹھاٹھ ہوں۔
- شریفوں کا ناک میں دم آجائے۔
- امیر و وزیر جھوٹ کے عادی بن جائیں۔
- امین خیانت کرنے لگیں۔
- سردار ظلم پیشہ ہوں۔
- عالم اور قاری بدکار ہوں۔
- جب لوگ بھیڑ کی کھال (پوستین) پہننے لگیں۔
- ان کے دل مردار سے زیادہ بدبودار اور ایلوے سے زیادہ تلخ ہوں۔
- (جب) سونا عام ہو جائے۔
- چاندی کی مانگ ہو گی۔
- گناہ زیادہ ہو جائیں گے۔
- امن کم ہو جائے گا۔
- مصاحف (قرآن) کو آراستہ کیا جائے گا۔
- مساجد میں نقش و نگار کیے جائیں گے۔
- اونچے اونچے مینار بنائیں جائیں گے۔
- دل ویران ہوں گے۔
- شرابیں پی جائیں گی۔
- شرعی سزاؤں کو معطل کر دیا جائے گا۔
- لونڈی اپنے آقا کو جنے گی۔
- جو لوگ (کسی زمانے میں) برہنہ پا اور ننگے بدن رہا کرتے تھے وہ بادشاہ بن بیٹھیں گے۔
- زندگی کی دوڑ میں اور تجارت میں عورت مرد کے ساتھ شریک ہو جائے گی۔
- مرد عورتوں کی اور عورتیں مردوں کی نقالی کرنے لگیں گی۔
- غیر اللہ کی قسمیں کھائی جائیں گی۔
- مسلمان بھی بغیر کہے (جھوٹی) گواہی دینے کو تیار ہو گا۔
- جان پہچان پر سلام کیا جائے گا۔
- غیر دین کے لیے شرعی قانون پڑھایا جائے گا۔
- آخرت کے عمل سے دنیا کمائی جائے گی۔
- غنیمت کو دولت، امانت کو غنیمت کا مال اور زکوٰۃ کو تاوان قرار دے دیا جائے گا۔
- سب سے رذیل آدمی قوم کا قائد بن بیٹھے گا۔
- آدمی اپنے باپ کا نافرمان ہو گا۔
- ماں سے بدسلوکی کرے گا۔
- دوست کو نقصان پہنچانے سے گریز نہ کرے گا۔
- اور بیوی کی اطاعت کرے گا۔
- بدکاروں کی آوازیں مسجدوں میں بلند ہونے لگیں گی۔
- گانے والی عورتیں داشتہ رکھی جائیں گی۔

- اور گانے کا سامان رکھا جائے گا۔
- سر راہ شرابیں اڑائی جائیں گی۔
- ظلم کو فخر سمجھا جائے گا۔
- انصاف بکنے لگے گا۔
- پولیس کی کثرت ہو جائے گی۔
- قرآن کو نغمہ سرائی کا ذریعہ بنا لیا جائے گا۔
- درندوں کی کھال کے موزے بنائے جائیں گے۔
- اور امت کا پچھلا حصہ پہلے لوگوں کو لعن طعن کرنے لگے گا۔
- اس وقت سرخ آندھی،
- زمین میں دھنس جانے،
- شکلیں بگڑ جانے،
- اور آسمان سے پتھر برسنے جیسے عذابوں کا انتظار کیا جائے۔‘‘[12]

اس حدیث کا مطالعہ کرنے کے بعد اس بات پر غور کیا جائے کہ کیا ان علامات میں سے چند، نصف، اکثر یا تقریباً تمام تر نشانیاں پوری ہو چکی ہیں؟ جواب یقیناً یہی ہو گا کہ چند ایک نشانیاں جو دراصل نشانیوں کے بجائے عذاب ہیں، کے علاوہ تمام تر نشانیاں پوری ہو چکی ہیں۔

علامات قیامت کی بے شمار نشانیوں میں اجمال ہے لیکن امام مہدیؒ کے ظہور اور اس سے متصل ما قبل اور ما بعد نشانیاں ایسی ہوں گی جن کے بعد آنے والے حالات کے تسلسل میں کوئی اشتباہ نہیں اور ان کی تفصیل احادیث نبوی میں تفصیلاً دستیاب ہے۔ اس حوالے سے مولانا عاصم عمر کی مشہور کتاب ’’تیسری جنگ عظیم اور دجال‘‘ کا مطالعہ بہت مفید ہے۔

اگر آخری دور واقعی قریب آ لگا ہے تو؟

اگرچہ امام مہدیؒ کا ظہور ابھی تک نہیں ہوا ہے اور جب تک یہ واقعہ ظہور پذیر نہ ہو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آئندہ آنے والے واقعات کے وقوع میں کتنا عرصہ لگے گا لیکن ایک نظر، یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ امام مہدی کے ظہور اور اس کے ما بعد متصل واقعات کی نوعیت کیا ہے تاکہ اگر امکانی طور پر بھی امام مہدی کے ظہور کا وقت قریب آ لگا ہے تو اس کے لیے امت کے عوام اور خصوصاً مجاہدین کو کس قدر زبردست تیاری کی ضرورت ہے۔ مختصراً یہ واقعات محترم مفتی ابولبابہ شاہ منصور مدظلہ کے الفاظ میں یوں ہیں:

> ’’واقعات کی ترتیب کچھ اس طرح بنتی ہے کہ پہلے حضرت مہدیؒ کا ظہور ہو گا پھر دجال کا خروج ہو گا اور پھر اس فتنہ عظیم کے خاتمے کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام آسمان سے اتریں گے۔‘‘

پھر یہ بھی ذہن میں رہے کہ امام مہدیؒ کے ظہور کے بعد کتنے مختصر وقت میں کتنے بڑے واقعات رونما ہوں گے اور اس وقت پہلے سے تیاری نہ کر سکنے والے کس انجام سے دوچار ہو سکتے ہیں۔

مفتی ابولبابہ شاہ منصور مدظلہ کے الفاظ میں:

> ’’حضرت امام مہدی اپنے ظہور کے بعد (جو چالیس سال کی عمر کے لگ بھگ ہو گا) سات سال تک دنیا کی تین بڑی کفریہ طاقتوں (ہندو، عیسائی اور یہودی) میں سے دو کے خلاف جہاد فرمائیں گے۔ ہندوؤں اور عیسائیوں کے خلاف شاندار فتح حاصل کریں گے۔ اب پیچھے صرف یہودی رہ جائیں گے۔ آٹھویں سال دجال ظاہر ہو گا اور مسلمانوں کی قلت اور عیسائیوں کی شکست سے فتنۂ یہود عروج پر پہنچ جائے گا جو در حقیقت شیطانی طاقتوں کا فتنہ ہے۔ اسی سال حضرت عیسیٰؑ نزول فرمائیں گے۔ نواں سال دجال کے قتل اور شر کے گھر اسرائیل کے خاتمے کے بعد مستحکم ترین عالمی اسلامی خلافت کے قیام اور استحکام کا ہو گا۔ ۴۹ سال کی عمر میں حضرت مہدی انتقال کر جائیں گے۔ حضرت عیسیٰؑ ان کی نماز جنازہ پڑھ کر بیت المقدس میں ان کو دفن فرمائیں گے اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ ۳۸ سال تک زمین پر رہیں گے۔ اس طرح حضرت مہدی ظہور کے بعد زمین پر کل ۹ سال رہیں گے۔ حضرت عیسیٰؑ سے پہلے حضرت مہدی سات سال اور وفات مہدی کے بعد حضرت عیسیٰؑ اڑتیس سال دنیا میں رہیں گے۔ بیچ کے دو سال دونوں قائدین اکٹھے گزاریں گے۔‘‘

یہ بھی ذہن میں رہے کہ امام مہدیؒ کے ظہور سے پہلے سے ہی دجالی فتنہ قائم ہو چکا ہو گا (جو دراصل قائم ہو ہی چکا ہے) گویا دجال کے آنے سے قبل کا بھی سارا دور دجالی فتنوں کا دور ہو گا اور اگر مفتی ابولبابہ کے الفاظ پر ہی غور کیا جائے (جو یقیناً انہوں نے کسی دلیل کے بغیر نہیں کہے) کہ ’’مسلمانوں کی قلت (ایک ارب سے زائد کلمہ گو افراد کے ہوتے ہوئے) اور عیسائیوں کی شکست سے فتنہ یہود عروج پر پہنچ جائے گا۔‘‘

یہاں پہنچ کر دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔

سوال ۱: کیا ایک ارب سے زیادہ مسلمان اس وقت مر جائیں گے؟ زمین میں دفن ہو جائیں گے؟ ہوا میں تحلیل ہو جائیں گے؟ یا وہ صرف شناختی کارڈ میں مسلمان لکھے جائیں گے جبکہ اللہ کے یہاں وہ مسلمانوں کی فہرست سے خارج ہو چکے ہوں گے؟

[12] در منثور ص ۵۲ ج ۶

سوال ۲: ہندوؤں اور عیسائیوں پر حاصل ہونے والی فتح جمہوری انتخابات کے ذریعے حاصل ہو گی؟ یا اقوام متحدہ کی قراردادوں کے ذریعے حاصل ہو گی؟ یا جہاد (قتال) فی سبیل اللہ کے ذریعے حاصل ہو گی؟

پہلے سوال کا جواب ڈھونڈنے کے لیے اوپر بیان کردہ حدیث (۱) کو دوبارہ پڑھ لیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت مسلمان کہلانے والے ممالک میں رائج نظام حکومت، عدالت و تجارت وغیرہ مسلمانوں کو صبح شام کفریہ اعمال پر مجبور کر رہے ہیں۔ یہاں مقصد صرف اس فتنے کی طرف اشارہ کرنا ہے جس نے امت مسلمہ کو اس طرح جکڑ لیا ہے کہ اب ہجرت و جہاد کی راہ میں نکلے بغیر اپنے ایمان کو بچانا ناممکن ہو چکا ہے (الّا من رحم ربّی)۔

رہا دوسرا سوال تو ترقی پسندوں کی ترقی، روشن خیالوں کی روشن خیالی، دولت مندوں کی دولت جو کام نہیں کر سکتی وہ کام پس ماندہ، قدامت پسند، بنیاد پرست اور فقیر طالبان نے آج بھی کر دکھایا ہے۔ ہندوؤں کی طاقت تو کسی صورت بھی امریکہ سے زیادہ نہیں ہے اور رہا آنے والے وقتوں میں سرزمین شام میں ۸۰ ملکوں کے اتحاد کا تو ۴۴ ملکوں کی ریہرسل تو اللہ تعالیٰ نے کروا ہی دی ہے ان شاء اللہ اب عرب انصار کے ساتھ طالبان مہاجرین اس تجربے کو اللہ کی مدد کے ساتھ ۸۰ ملکوں پر دوبارہ دہرائیں گے۔

اس موضوع پر آخری سوال یہ ہے کہ جو لوگ پہلے سے میدان جہاد میں موجود نہ ہوں اور امام مہدیؒ کے ظہور کے بعد جو لوگ جہاد کا ارادہ باندھیں گے وہ کس وقت تیاری کریں گے؟ ٹریننگ سے کب گزریں گے؟ میدان جہاد کی مشقتوں کے کب عادی ہوں گے؟ اور اتنی پر زور جنگوں میں ان لوگوں کو ٹریننگ کون کروائے گا؟ اور ایسے ناتجربہ کار لوگوں کو کون سا کمانڈر اپنے ساتھ محاذ پر لے جانا پسند کرے گا؟

اس سوال کا سچا جواب بھی قرآن میں ہی موجود ہے جہاں منافقین کے بارے میں یہ فرمایا گیا کہ ان کا نکلنے کا ارادہ ہی نہیں تھا ورنہ وہ تیاری ضرور کرتے۔

اگر یہ آخری دور نہیں تو؟

ایک امکان یہ بہر حال موجود ہے کہ شاید ابھی آخری دور کے آغاز (یعنی امام مہدیؒ کے ظہور) میں زیادہ عرصہ مثلاً ۱۰۰ سال یا اس سے زیادہ ہو۔ اس صورت میں ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ موجودہ حالات کس طرف اشارہ کرتے ہیں۔ حالات پر گہری نظر رکھنے والے یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ امام مہدیؒ کا جتنا انتظار ہمیں ہے اس سے کہیں زیادہ خود یہودیوں کو ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوی پیشین گوئیوں کے پیش نظر تمام متوقع جنگ کے میدانوں میں یہودی ہم سے پہلے پہنچ چکے ہیں۔ امام مہدیؒ آئیں یا نہ آئیں یہودی تو جزیرۂ عرب میں داخل ہو چکے ہیں۔ عیسیٰؑ کا نزول ابھی بہت دور بھی ہو تو بیت المقدس تو یہودیوں کے قبضے میں جا چکا ہے۔ یمن سے امام مہدیؒ کی نصرت کا لشکر ابھی نکلے یا نہ نکلے امریکی ڈرون تو وہاں پہنچ چکے ہیں۔ خراسان سے ہندوستان کی فتح کے لیے لشکر نکلے یا نہ نکلے احمد آباد اور گجرات میں تو مسلمان بہنوں کی اجتماعی آبروریزی ہو رہی ہے۔ کانا دجال نکل کر لوگوں سے اپنی بندگی کروائے یا نہ کروائے ہر ملک کے کفریہ قانون کی اطاعت تو بہر حال واجب ہے (ورنہ لال مسجد کا انجام ذہن میں رکھیں)۔ عالمی یہودی حکومت قائم ہو یا نہ ہو یہودی عورت کے تحریر کردہ اقوام متحدہ کے چارٹر کے آگے تو اقوام عالم کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں۔ ہمیں اگرچہ فرصت ہو لیکن یہودی بہت جلدی میں ہے اور مسجد اقصیٰ کے انہدام کو بالکل تیار بیٹھا ہے۔

مان لیتے ہیں یہ بات کہ امام مہدیؒ کا وقت ابھی دور ہے تو پھر؟ جہاد تو امام مہدیؒ آ کر کریں گے جب تک ہم جمہوریت جمہوریت کھیلیں؟ امارت اسلامیہ تو امام مہدیؒ قائم کریں گے جب تک اقوام متحدہ میں شامل رہیں؟ دجال کو تو حضرت عیسیٰؑ قتل کریں گے جب تک دجالی معیشت اور معاشرت کو ہی چلنے دیں؟

حقیقت یہ ہے کہ اگر امام مہدیؒ کی آمد میں کچھ تاخیر بھی ہو تو اس بات سے کسی بھی راسخ العقیدہ مسلمان کو انکار نہیں کہ یہ دور فتنوں کا دور ہے۔ وہ تمام نشانیاں اس دور میں پائی جاتی ہیں جو اس دور کو فتنوں کا دور ثابت کرتے ہیں۔ لہٰذا آگے ہم فتنوں کے ادوار میں مسلمانوں کے لیے نبوی ہدایات جو احادیث کی صورت میں محفوظ ہیں مختصراً بیان کرتے ہیں۔

حدیث:

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”فتنوں کے دور میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنے گھوڑے کی لگام، یا فرمایا، گھوڑے کی نکیل پکڑے اللہ کے دشمنوں کے پیچھے ہو، وہ اللہ کے دشمنوں کو خوفزدہ کرتا ہو اور وہ اس کو ڈراتے ہوں، یا وہ شخص جو اپنی چراہ گاہ میں گوشہ نشین ہو جائے، اس پر جو اللہ کا حق ہے اس کو ادا کرتا ہو۔“[13]

مولانا عاصم عمر اس حدیث کی تشریح اور دور حاضر پر اس کی تطبیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”مذکورہ حدیث اور کئی دیگر احادیث میں یہ ذکر ہے کہ دجال کے فتنے سے دو قسم کے لوگ محفوظ رہیں گے۔ پہلی قسم مجاہدین جو اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جہاد کر رہے ہوں گے اور دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو اپنے مال مویشی لے کر پہاڑوں اور بیابانوں میں چلے جائیں گے اور اللہ کی اطاعت کر رہے ہوں گے۔ دوسری قسم کے لوگ صرف اپنا ایمان بچانے کے لیے پہاڑوں میں چلے جائیں گے اور فتنوں کے دور میں ایمان بچانے کے لیے گھر بار چھوڑ دینا بھی اللہ رب العزّت کے نزدیک

[13] المستدرک علی الصحیحین ج ۴ ص ۵۱۰

بہت فضیلت رکھتا ہے۔ جبکہ مجاہدین صرف اپنے ایمان کی فکر نہیں کر رہے ہوں گے بلکہ وہ ساری امت کے ایمان کو بچانے کی خاطر اور دجال کے فتنے کا زور توڑنے کی خاطر دجال اور اس کے ایجنٹوں سے قتال کر رہے ہوں گے۔ اپنا گھر، وطن، ماں، باپ، بیوی، بچے اور مال و دولت غرض سب کچھ امت کا ایمان بچانے کے لیے قربان کر رہے ہوں گے اس لیے زیادہ فضیلت مجاہدین کی ہی ہو گی۔''[۱۴]

خلاصۂ کلام

یہاں تک پہنچنے کے بعد ہم اپنی گزارشات کا مختصر جائزہ آپ کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔

۱. دورِ حاضر کا بغور جائزہ لینے والے علمائے کرام تقریباً اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ آخری دور آ گیا ہے اور یقیناً اس دور میں امت کے ہر فرد کے پاس جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت اور اس کی اعداد یا پہاڑوں اور بیابانوں میں نکل جانے کے علاوہ اپنے ایمان کے تحفظ کا کوئی اور طریقہ نہیں۔ پس جسے اپنا ایمان عزیز ہو اسے لامحالہ ان دو راستوں میں سے ایک اختیار کرنا ہو گا۔

۲. غزوۂ ہند کرنے والے لشکر کے لیے فتح اور جنت کی بشارت ہے۔

۳. بالفرض یہ دور آخری دور نہیں بھی ہے تو اس کے فتنوں کا دور ہونے پر کسی کو اختلاف نہیں لہٰذا فتنوں کے دور میں بھی نبی کریم ﷺ کے فرمودات کی روشنی میں ایمان کا تحفظ مذکورہ بالا انہی دو طریقوں سے ممکن ہے۔

۴. آخری یا تیسری صورت میں اگر کوئی فرد اس دور کو بحیثیت مجموعی فتنے کا دور نہیں سمجھتا تو اس کے باوجود بھی جہاد اس وقت اپنی تمام شرائط کے ساتھ ہر ہر مسلمان پر فرض عین ہے اور کم از کم مسلمانوں کی زمین پر حملہ آور کافر کو مار بھگانے، مسلمانوں کی ماضی قریب و بعید میں قبضہ کردہ زمین جو اب کافروں کے تسلط میں ہو اسے بازیاب کرانے، مسلمان ملکوں پر مسلط مرتد حکمرانوں سے نجات حاصل کر کے کسی راسخ العقیدہ حکمران کے تقرر کرنے، کفار کے قبضے میں موجود تمام مسلمان قیدیوں کی رہائی تک جہاد فرض عین رہے گا۔[۱۵]

دورِ حاضر میں کرنے کا کام

مذکورہ بالا پوری بحث کے بعد ایک مسلمان کے لیے کرنے کے دو ہی کام بچتے ہیں کہ یا تو اپنا ایمان بچانے کے لیے جنگلوں اور پہاڑوں میں نکل جائے اور یا مردانہ وار ہجرت اور جہاد کی راہ میں نکل کر فی سبیل اللہ قتال کی فضیلت حاصل کر لے اور اللہ کے فضل سے شہادت کا رتبہ عظیم پائے۔ آگے کی ساری تحریر ان ہی بلند ہمت جانباز مسلمانوں کے لیے لکھی گئی ہے جو اس دور کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے میدان عمل میں نکلنے کے لیے بے تاب ہیں اور اس معاملے میں رہنمائی کے خواہش مند ہیں۔

ہم خوش قسمتی سے دنیا کے اس خطے میں رہتے ہیں جہاں ایک طرف تو خطۂ خراسان ہے جہاں سے نبی کریم ﷺ کی پیشین گوئیوں کے مطابق آخری دور کی عظیم جنگوں میں امام مہدیؒ کی نصرت کے لیے لشکر روانہ ہوں گے تو دوسری طرف اسی جگہ سے غزوۂ ہند (برصغیر) کے لشکر بھی ترتیب پائیں گے۔ خطۂ خراسان کے مسلمانوں نے تاریخی طور پر بھی اپنے کردار سے اپنے آپ کو اس منصب کا اہل ثابت کیا ہے۔ اب مسلمانانِ پاکستان کے پاس دو راستے بچتے ہیں۔ یا تو وہ امام مہدیؒ کی نصرت کے لیے شام کی طرف جانے والے لشکر کا حصہ بننے کے لیے کوششیں کریں اور اس کے لیے تیاری کریں لیکن اس میں یہ معاملہ درپیش ہے کہ اگر امام مہدیؒ کے ظہور میں کچھ وقت لگا تو اس وقت تک یہ افراد ایک فرض کے تارک رہیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ دوسرا معاملہ یہ بھی ہے کہ جب تک جنگ چھڑ نہ جائے کسی غیر عرب کا موجودہ صورتحال میں عرب خطوں میں جا کر اس نیت سے ٹھہرنا اتنا آسان بھی نہیں اور پاک وہند وخراسانی مسلمانوں کی اکثریت کے لیے فی الحال یہ ممکن بھی نہیں۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ وہ غزوۂ ہند کی تیاری کریں اور اس کے لیے ضروری تیاری کے بعد میدان عمل میں نکل آئیں۔ یہ معاملہ مسلمانان ہند (برصغیر کے مسلمانوں) کے لیے پہلی صورت کے مقابلے میں زیادہ آسانی کے ساتھ قابل عمل ہے۔

مسلمانان بھارت و بنگلہ دیش کے لیے ان ممالک کے قیام کے وقت سے ہی جہاد یا اس کی اعداد کے فرض ہونے میں تو کوئی اشکال ممکن ہی نہیں لیکن اسلامی جمہوریہ پاکستان کہلانے والے ملک کے لادین اور غدار حکمرانوں نے اپنے دھوکے و دجل کی مدد سے ساٹھ سال سے زیادہ مسلمانانِ پاکستان کو غفلت میں رکھ کر اپنے اقتدار کو طول دیا ہے لیکن اس دور میں جب دنیا دو خیموں میں بٹتی جا رہی ہے تو لادین حکمران کھل کر کفر کی صفوں میں فرنٹ لائن اتحادی کی صورت میں شامل ہو چکے ہیں یوں اب اہالیان پاکستان کے لیے بھی اس معاملے میں نہ کوئی عذر بچا ہے اور نہ کوئی اشکال۔ یوں پورے ہندوستان (برصغیر) میں دین اسلام کی برتری قائم کرنے اور شریعت کے نفاذ کے لیے ایک بھرپور جہاد کے آغاز کا یہ مناسب موقع ہے۔ خاص طور پر اس وقت جب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے افغانستان میں ۴۴ ملکوں کا کفریہ اتحاد شکست کھانے والا ہے[۱۶] تاریخی طور پر افغان حکمرانوں نے ہندوستان خصوصاً مغربی ہند (موجودہ پاکستان) کی تاریخ تبدیل کی ہے اور ہندوستان (برصغیر) میں مسلمانوں کی آمد کے بعد تاریخ کا ایک طویل عرصہ مغربی ہند پر افغان حکمرانوں نے ہی حکومت کی ہے۔ دوسری صورت میں اگر افغان حکومت اہالیان ہندوستان (برصغیر) کی مدد کے لیے فوری لشکر نہیں بھی نکال پاتی تو بھی مسلمانان ہندوستان پر جہاد فرض عین ہے جس کے لیے

[۱۴] اس موضوع پر مزید احادیث ان کی تشریح و تطبیق کے لیے ہم دوبارہ مولانا عاصم عمر کی کتاب پڑھنے کا مشورہ دیں گے۔

[۱۵] ان احکامات کی تفصیل جاننے کے لیے شیخ عبد اللہ عزام شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کا ترجمہ بعنوان ''ایمان کے بعد اہم ترین فرض عین'' کا مطالعہ مفید رہے گا۔

[۱۶] ڈاکٹر سربلند زبیر خان شہیدؒ نے یہ سطور ۲۰۱۱-۲۰۱۲ء میں لکھی تھیں۔ (ادارہ)

انہیں اپنے گھروں سے نکلنا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ سے پوری امید ہے کہ اہالیان ہندوستان اگر تھوڑی ہمت کا مظاہرہ کریں تو اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے ان کے مددگار پیدا کر دے گا۔

پاکستان میں تو جہاد قائم ہو چکا ہے اور آہستہ آہستہ اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا ہے لیکن اہم بات یہ ہے کہ ابھی تک پاکستان کے شہری علاقوں نے اس جہاد میں خاطر خواہ حصہ نہیں لیا ہے۔ دوسری طرف اہالیان پاکستان کی ذمہ داری اس لیے بھی زیادہ ہے کہ ہندوؤں کی اکثریت میں دبے ہوئے مسلمان براہ راست پاکستانی مسلمانوں کی مدد کے مستحق ہیں۔ قیام پاکستان کے موقع پر پاکستان میں شامل نہ ہونے والے علاقوں کے ہندوستانی مسلمانوں نے اکثر یہ سوچ کر پاکستان کا ساتھ دیا تھا کہ اگر ایک مضبوط مسلمان ملک قائم ہو گیا تو وہ ان کی بھی حفاظت کا ذمہ دار ہو گا۔ آج یہ ذمہ داری جو کسی بھی پاکستانی حکمران نے نہیں نبھائی پاکستانی مسلمانوں نے پوری کرنی ہے اور ان شاء اللہ صرف دہلی کے لال قلعے پر نہیں بلکہ کم از کم مشرق میں بنگال اور جنوب میں سری لنکا اور مالدیپ تک جبکہ شمال میں نیپال و بھوٹان کو ایک امارت اسلامی میں شامل کر کے ہر جگہ اسلام کا پرچم لہرانا ہے۔

غزوۂ ہند

اہالیان ہندوستان (برصغیر) کے لیے ایک خوشی کی خبر یہ بھی ہے کہ ہندوستان میں جہاد کرتے ہوئے انہیں غزوۂ ہند کی وہ بشارتیں بھی حاصل ہوں گی (ان شاء اللہ) جو نبی کریم ﷺ کی احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ غزوۂ ہند کو غزوہ کیوں کہا جاتا ہے۔ علماء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ جن جنگوں کی پیشین گوئی اور اس کے بارے میں بشارتیں نبی کریم ﷺ نے احادیث میں بیان کی ہیں وہ خواہ کسی بھی دور میں برپا ہوں وہ غزوہ ہی کہلائیں گی۔ پس اگر درست عقیدے کے ساتھ نبوی منہج پر اور شرعی مقصود کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو شخص بھی ہندوستان کی کسی بھی خطے میں کلمہ توحید بلند کرنے اور شریعت کی تنفیذ کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کے راستے کو اختیار کرے گا وہ ان شاء اللہ نبی کریم ﷺ کی بیان کردہ بشارتوں کو پالے گا۔

غزوۂ ہند کا طریقہ

آگے کی ساری تحریر اسی ذیل میں لکھی گئی ہے کہ غزوۂ ہند کا بھرپور آغاز کس طرح کیا جائے اور اس کے لیے کیا منہج اختیار کیا جائے۔ یہاں یہ بات بھی مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ ہم جن مسلمانوں سے مخاطب ہیں انہوں نے صدیوں تک انگریز کی غلامی برداشت کی ہے اور پھر عرصہ دراز سے انگریز کے غلاموں کی غلامی برداشت کرتے رہے ہیں۔ دوسری طرف عالمی طاغوتی نظام نے مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ کر کے، ذہنوں کو مرعوب کر کے، اور امت کے گلے میں مختلف نظاموں کے پھندے ڈال کر اسے بے بس کیا ہوا ہے۔ اس وقت مسلمانوں کے لیے کفر کی مادی طاقت کے رعب سے زیادہ مسئلہ ان کے ذہنی رعب کا ہے۔ دوسری طرف دھوکے اور دجل کا ایسا نظام ہے جس میں حق و باطل خلط ملط ہو گیا ہے۔ اگرچہ مجاہدین بالعموم کفار کی مرعوبیت سے آزاد ہیں لیکن یہ جنگ صرف چند مجاہدین کے لڑنے سے جیتنا مشکل ہے۔ آج افغان طالبان نے جہاں افغانستان میں شاندار کامیابی حاصل کی ہے اس میں وہاں کے عوام طالبان کی کامیابیوں میں برابر کے شریک ہیں جنہوں نے طالبان کو برحق سمجھتے ہوئے ان کی دامے درمے سخنے ہر طرح سے مدد کی ہے۔ افغانستان میں بر سر پیکار مجاہدین یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ کسی بھی جگہ اگر ان پر رات آ جائے تو ہر گاؤں کا ہر دروازہ ان کے لیے کھلا ہوتا ہے جو نہ صرف ان کی مہمان نوازی کرتے ہیں بلکہ ان کی حفاظت بھی کرتے ہیں۔ دوسری طرف کبھی غلامی میں مبتلا نہ ہونے کی وجہ سے افغانی عوام کا طرز فکر اور زاویہ نظر ہی ہندوستانی عوام سے مختلف ہے۔ ہندوستانی عوام کو کم از کم اس درجہ میں دعوت جہاد کے ساتھ یکسوئی اختیار کرنی ہو گی کہ وہ مجاہدین کی پشت پناہی کی ذمہ داری اٹھائیں۔ ان کے خلاف ہونے والے پروپیگنڈے سے نہ صرف یہ کہ متاثر نہ ہوں بلکہ اس کا بھرپور جواب بھی دیں۔ مجاہدین کی مادی ضروریات کو پورا کریں اور ضرورت پڑنے پر اپنی جان کے ساتھ بھی ان کی مدد کے لیے حاضر ہوں۔ اس سب کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ مجاہدین کی دعوت اور منہج جہاد سے پوری طرح واقف اور اس کے ساتھ یکسو ہوں۔ اس کے لیے مجاہدین کے ساتھ ساتھ ان عوام کو بھی (جو دراصل مجاہدین کا ہی ایک حصہ ہیں) حالات، نظام اور مسائل کے ساتھ ساتھ ان گمراہیوں اور دھوکے کو سمجھنا ہو گا جو اس سارے دجالی نظام کی بنیاد ہے۔ اس نظام کے کفر کو سمجھنا ہو گا۔ اس کے بعد انہیں مسلمانوں کی تاریخ کے ساتھ ان گمراہیوں کی تاریخ کو بھی دیکھنا ہو گا تاکہ اس میں چھپے دھوکے کو آشکار کیا جا سکے۔ دور حاضر میں معاشروں میں ہر سو پھیلے ہوئے فسادات، تنازعات، انتشار اور اس کے پس منظر پر غور کرنا ہو گا۔ جہاد کو معاشروں میں شرعی اور منطقی بنیادیں فراہم کرنی ہوں گی۔ ان سب کے بعد ایک ایسی قوم جو ایک عرصہ سے غلامی کا شکار رہی ہے اور جہاد کا سبق بھول چکی ہے اسے جنگ کرنے کا ڈھنگ بھی سیکھنا ہو گا۔ انگریزی غلامی کے بعد جس طرح غیر مسلح معاشروں کی تشکیل کی گئی ہے اس میں عوام ہتھیار اٹھانا ہی بھول چکے ہیں اور کبھی اٹھانا پڑے تو شدید افراط و تفریط کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جنگ کے مختلف پہلو، اس کے مختلف میدان اور معاشرے کے مختلف طبقوں کا جنگ میں کردار سمجھنا بھی بہت ضروری ہے۔

آگے کی ساری تحریر اور اس کے تسلسل میں لکھی جانے والی مزید تحریریں اسی ذیل میں کی جانے والی حقیر کوششیں ہیں۔ جو کچھ یہاں لکھا جا رہا ہے وہ حرف آخر نہیں بلکہ یہ ایک دعوت ہے تمام درد دل رکھنے والے مسلمانوں، خصوصاً علمائے کرام کو کہ وہ غزوۂ ہند میں مسلمانان ہند کی قیادت کا منصب سنبھالیں اور اس کے ہر ہر موڑ پر ان کی شرعی رہنمائی کا کار عظیم سرانجام دیں۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

نقطۂ نظر

اے آئی(AI)کا وبال

سعادت مجازی

پس منظر

امریکہ میں علمی عصبیات (Cognitive Neuroscience) کے ماہر ڈاکٹر جیرڈ کونی ہورَوتھ (Dr. Jared Cooney Horvath) نے ۱۵ جنوری ۲۰۲۶ء کو امریکی سینیٹ میں بات کرتے ہوئے کہا:

> ”ایک افسوسناک حقیقت جس کا ہماری نسل کو سامنا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے بچے اس عمر میں ہم سے کم ذہنی صلاحیت کے حامل ہیں۔
> جدید تاریخ میں جنریشن زی (Gen Z) پہلی ایسی نسل ہے جو ہمارے پاس موجود تقریباً ہر ذہنی پیمانے پر ہم سے کم کارکردگی دکھا رہی ہے، بنیادی توجہ، یادداشت، خواندگی، عددی فہم، انتظامی ذہنی افعال، حتیٰ کہ عمومی آئی کیو میں بھی، حالانکہ یہ نسل سکول میں ہم سے زیادہ وقت گزارتی ہے۔“

اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے وہ کہتا ہے اس مسئلے کی جڑ سکولوں میں سیکھنے کے عمل کو آگے بڑھانے والے ٹولز ہیں۔ اس کے بقول:

> ”۸۰ ممالک کے اعداد و شمار پر اگر نظر ڈالیں تو جیسے ہی اسکولوں میں ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کو بڑے پیمانے پر اپنایا جاتا ہے، کارکردگی نمایاں طور پر کم ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ بچے جو تعلیمی مقاصد کے لیے روزانہ تقریباً پانچ گھنٹے کمپیوٹر استعمال کرتے ہیں، ان بچوں کے مقابلے میں، جو اسکول میں شاذ و نادر یا بالکل ٹیکنالوجی استعمال نہیں کرتے، معیاری پیمانے پر دو تہائی سے زیادہ درجے کم اسکور کرتے ہیں۔“[1]

جن لوگوں نے اکیسویں صدی کے آغاز سے ہی ٹیکنالوجی کے میدان میں ہونے والی انقلابی تبدیلیوں کو دیکھا اور ان کے اثرات کو محسوس کیا ہے وہ عالمی سطح پر اس دعوے کی سچائی کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن یہ تنزلی اچانک رونما نہیں ہوئی، نہ اس کا تعلق فقط اسکولوں میں استعمال ہونے والی ڈیجیٹل ٹیکنالوجی سے ہے اور نہ ہی یہ اچانک جنریشن زی سے شروع ہوئی جبکہ اس سے پہلے سب ٹھیک چل رہا تھا۔

عالم اسلام میں اس تنزلی کا آغاز تو ڈیڑھ دو صدی قبل مغربی استعمار کی جانب سے اپنے زیر تسلط علاقوں کے لیے خاص طور پر تراشے گئے ”جدید“ تعلیمی نظام سے ہوا جس کا مقصد ہی یہ تھا کہ یہ خطے زمینی تسلط سے آزاد ہو بھی جائیں تب بھی ہمیشہ مغرب کی ذہنی غلامی میں مبتلا رہیں۔ اور آج تک عالم اسلام پر مسلط یہ تعلیمی نظام کثیر تعداد میں مختلف سطح اور مختلف معیار کے ذہنی غلام ہی پیدا کرتا آرہا ہے، الا ماشاء اللہ۔

لیکن عالمی سطح پر اس تنزلی کا آغاز اکیسویں صدی کے آغاز میں انٹرنیٹ کے بڑے پیمانے پر پھیلاؤ سے ہوا اور اس کا سب سے پہلا شکار جنریشن زی (Gen Z) نہیں بلکہ اس سے پچھلی نسلیں جنریشن ایکس (Gen X) اور جنریشن وائے (Gen Y) ہوئیں۔ فرق یہ ہے کہ جنریشن ایکس اور وائے اس ڈیجیٹل سیلاب سے پہلے پیدا ہوئیں اور ان کا اس سے سامنا اپنی جوانی یا لڑکپن میں ہوا اور انہوں نے اس کے مطابق اپنے مزاج کو بدلنا شروع کر دیا جبکہ جنریشن ایکس اور جنریشن وائے کے آخری سالوں کی نسل پیدا ہی اس ڈیجیٹل سیلاب کے دور میں ہوئی اس لیے اس پر اثرات کی شدت پچھلی نسلوں سے نسبتاً زیادہ ہے۔

ذہنی صلاحیتوں میں تنزلی کے محرکات

انٹرنیٹ کی ایجاد کے بعد ایسے تین بڑے محرک (catalyst) ہیں جنہوں نے انسان کی ذہنی صلاحیتوں میں تنزلی کے عمل کو تیز کیا۔

ا۔ گوگل سرچ (Google Search)

گوگل سرچ انٹرنیٹ کی ایجاد کے بعد وہ پہلا بڑا محرک تھا جس نے اس تنزلی کے عمل کو تیز کیا۔ اسکولوں اور یونیورسٹیوں میں دی جانے والی اسائنمنٹس (Assignments) ہوں یا کوئی تحقیقی مقالہ، پہلے جہاں مطلوبہ معلومات کے حصول کے لیے کئی کئی دن گھنٹوں تک روزانہ لائبریریوں میں بیٹھ کر کتابوں کی ورق گردانی کرنی پڑتی تھی وہ سارا کام ایک ”سرچ“ کی مار ہو گیا۔ آسانی اور سہولت تو بہت آگئی، دنوں کا کام گھنٹوں میں اور گھنٹوں کا کام منٹوں میں ہونے لگا لیکن جس طرح ہر آسانی اور سہولت کے کچھ ”سائڈ افیکٹس“ ہوا کرتے ہیں اسی طرح اس کے بھی تھے۔ کسی موضوع پر علم، معلومات اور سمجھ میں پہلے جو گہرائی ہوا کرتی تھی وہ کم ہونے لگی اور اس کی جگہ سطحیت بڑھنے لگی۔ انسانی ذہن پر اس کے طویل المدتی اثرات اپنی جگہ لیکن جو اثر فوری نظر آنا شروع ہوا وہ کسی کام پر توجہ کے دورانیے (Attention Span) میں کمی تھا۔

کیلی فورنیا یونیورسٹی سے تعلق رکھنے والی ماہر نفسیات پروفیسر گلوریا مارک (Prof. Gloria Mark) نے توجہ کے دورانیے پر جدید ٹیکنالوجی کے اثرات پر اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اکیسویں صدی کی پہلی دہائی کے نصف تک کمپیوٹر سکرین پر کام کرنے والے

---

[1] Lawmakers Hold Hearing on the Impact of Screen Time on Kids – C-SPAN: January 15, 2026

لوگوں کا کسی ایک کام پر مستقل توجہ کا دورانیہ ڈھائی منٹ تک رہ گیا تھا۔[2] اس توجہ میں کمی نے دیر تک پڑھنے کی استعداد پر بھی اثر ڈالا۔ اب لوگوں کے لیے بڑی بڑی کتابیں پڑھنا مشکل سے مشکل تر ہونے لگا اور اس کی جگہ چھوٹے چھوٹے چند صفحات پر مشتمل ''ویب آرٹیکلز'' نے لے لی، جبکہ ۲۰۱۰ء تک چند صفحات کے ویب آرٹیکلز کا پڑھنا بھی مشکل معلوم ہونے لگا اور ان کی جگہ چند پیراگراف پر مشتمل بلاگ پوسٹس نے لے لی۔

۲. سمارٹ فونز اور سوشل میڈیا

۲۰۱۰ء کی دہائی سے کچھ پہلے سے جب سمارٹ فونز ایجاد ہوئے اور اس کے ساتھ سوشل میڈیا تیزی سے پھیلنے لگا تو اس چیز نے تنزلی کے اس عمل کو کئی گنا مزید تیز کر دیا۔ ڈیجیٹل مواد کا ایک طوفان تھا جو سمارٹ فونز کی سکرینز کے ذریعے صارف کی آنکھوں اور دماغ پر برسنے لگا، جس نے کسی بھی چیز پر زیادہ دیر توجہ دینا تقریباً ناممکن بنا دیا، جس کا اثر سمارٹ فونز اور سوشل میڈیا سے نکل کر لوگوں کی عام زندگی پر بھی پڑنے لگا۔ سطحیت مزید بڑھ گئی، توجہ مزید کم ہو گئی، اور جو پہلے چند پیراگراف کی بلاگ پوسٹ پڑھ لیتے تھے ان کے لیے چند سطری سوشل میڈیا پوسٹ پڑھنا بھی مشکل ہو گیا۔

پروفیسر گلوریا مارک کے مطابق سوشل میڈیا کے آنے کے بعد ۲۰۱۵ء تک سکرین استعمال کرنے والے صارفین کی توجہ کا اوسط زیادہ سے زیادہ دورانیہ ڈھائی منٹ سے کم ہو کر ۷۵ سیکنڈز تک رہ گیا۔ جبکہ ۲۰۲۳ء تک مزید کم ہوتے ہوئے توجہ کا اوسط زیادہ سے زیادہ دورانیہ ۴۷ سیکنڈز تک رہ گیا۔

واضح رہے کہ یہ اعداد و شمار ڈیجیٹل سکرین استعمال کرنے والے افراد کی توجہ کے دورانیے کی اوسط بتاتے ہیں۔ جبکہ بعض دیگر تحقیقی مقالوں کے مطابق خود سوشل میڈیا کے استعمال کے دوران توجہ کا یہ دورانیہ اس سے کہیں کم ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی پر معروف برطانوی میگزین SQ Magazine کے سینئر ایڈیٹر رابرٹ اے لی (Robert A. Lee) کے مطابق ۲۰۲۵ء تک سوشل میڈیا پر کسی ڈیجیٹل مواد پر صارف کی توجہ کا اوسط دورانیہ ۸ء۵ سیکنڈز تک رہ گیا تھا۔ اس میں بھی صارف پہلے ۱ء۷ سیکنڈز میں یہ فیصلہ کرتا ہے کہ سکرین پر نظر آنے والے مواد کو وہ اپنے قیمتی چند سیکنڈز کا مستحق سمجھتا ہے یا نہیں، اگر سمجھے گا تو چند سیکنڈز وہاں رک جائے گا اگر نہیں تو انگلی کے ایک اشارے سے وہ مواد ہمیشہ کے لیے نظروں اور ذہن سے غائب ہو جائے گا۔[3]

۳. اے آئی باٹس (AI Bots)

۲۰۲۰ء کی دہائی کے ابتدائی سالوں میں مصنوعی ذہانت رکھنے والے کمپیوٹر پروگرام یا اے آئی باٹس عام صارف کی سطح پر متعارف ہوئے جس نے ٹیکنالوجی کی دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ کسی بھی موضوع پر کچھ ''سرچ'' کرنے کی ضرورت باقی نہ رہی، ان اے آئی باٹس سے بالکل انسانوں کی طرح بات کی جا سکتی ہے، جو کچھ بھی پوچھنے پر چند سیکنڈز میں آپ کو مطلوبہ معلومات پیش کر دیتے ہیں۔ تخلیق کار اے آئی (Generative AI) پلک جھپکتے ہی آپ کو مطلوبہ تصاویر حتیٰ کہ ویڈیوز بھی تخلیق کر کے پیش کر دیتے ہیں۔ کوئی تحقیقی مقالہ لکھنا ہو، کسی دوسری زبان میں موجود مواد کا اپنی زبان میں ترجمہ کرنا ہو، کسی ویڈیو یا کتاب کا خلاصہ درکار ہو یا کوئی بھی ایسا کام جس میں انسان کی ذہنی صلاحیتیں استعمال ہو سکتی ہیں وہاں اب انسان کو کچھ کرنے کی ضرورت آہستہ آہستہ ختم ہوتی چلی جا رہی ہے اور یہ سارے کام اے آئی باٹس اپنے ذمے لے رہے ہیں۔ بے پناہ سہولت اور آسانی لے کر آنے والی یہ ٹیکنالوجی اپنے ساتھ ان گنت وبال لے کر آئی ہے، جن میں سے زیادہ تر اگرچہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں لیکن پھر بھی تن آسانی اور سہولت پسندی کا شکار آج کی دنیا انہیں جانتے بوجھتے نظر انداز کر رہی ہے اور اندھا دھن اس نئے منجھدار میں دھنستی چلی جا رہی ہے۔

اے آئی باٹس کی ایجاد نے اگرچہ سب سے زیادہ واضح اور سب سے بھیانک اثر انسان کی ذہنی صلاحیتوں پر ہی ڈالا ہے لیکن اس کا دائرہ یہیں تک محدود نہیں بلکہ اس کے منفی اثرات سے بحیثیت مجموعی پورا انسانی معاشرہ متاثر ہو رہا ہے۔

ذیل میں انہی منفی اثرات پر تفصیل سے بات کی گئی ہے۔

اے آئی باٹس (AI Bots) کے استعمال کے منفی اثرات

انسانی ذہن پر پڑنے والی منفی اثرات

تخلیقی صلاحیتوں کا تنزل

اے آئی ٹولز کے آنے کے بعد ان پر سب سے زیادہ انحصار تخلیقی کاموں میں کیا جا رہا ہے جس کا براہ راست اثر انسان کی تخلیقی صلاحیتوں پر پڑ رہا ہے۔

انسانی نفسیات سے متعلق ایک تحقیقی جریدے ''فرنٹیئرز'' (Frontiers) نے امریکی یونیورسٹیوں میں تخلیقی سوچ (Creative Thinking) کے کورس میں شامل طلبہ پر تحقیق کی جس میں اے آئی کی مدد سے تخلیقی کام کرنے والے طلبہ اور اس کی مدد کے بغیر کام کرنے والے طلبہ میں فرق کا مطالعہ کیا گیا۔ اس مطالعے کے نتیجے میں سامنے آیا کہ اے آئی کا استعمال کرنے والے طلبہ ذہنی جمود (Cognitive Fixation) اور تخلیقی خود اعتمادی کے فقدان کا شکار تھے بنسبت ان طلبہ کے جنہوں نے تخلیقی کام کے لیے اے آئی کا استعمال نہیں کیا۔[4]

---

[2] Attention Span: A Groundbreaking Way to Restore Balance, Happiness and Productivity – Gloria Mark, PhD

[3] Social Media Attention Span Statistics 2026: By Platform, Age, and Content Tpe – Robert A. Lee – SQ Magazine

[4] The cognitive paradox of AI in education: between enhancement and erosion - frontiers

اے آئی کی جانب سے دی گئی کسی تجویز کی موجودگی اکثر سوچ کو ایک سمت میں جما دیتی ہے، جس سے یہ امکان کم ہو جاتا ہے کہ تخلیقی کام کرنے والے غیر روایتی یا انوکھے خیالات کی دنیا میں قدم رکھیں گے۔ اس طرح جب بیرونی ٹولز باقاعدگی کے ساتھ آپ کو تخلیقی کام کر کے دینے لگیں تو تخلیقی خیال پیدا کرنے کا اندرونی نظام وقت کے ساتھ ساتھ کمزور پڑ جاتا ہے۔

مجموعی ذہانت میں کمی

اے آئی کے علمی عصبیات (Cognitive Neuroscience) پر پڑنے والے اثرات پر کام کرنے والے محققین خبردار کرتے ہیں کہ اے آئی پر انحصار انسان کی یادداشت، استدلال کی قوت (Reasoning)، مسئلہ حل کرنے کی صلاحیت (Problem Solving Skills) اور اس طرح کی دیگر ذہنی صلاحیتوں پر منفی اثر ڈالتا ہے۔

اے آئی ٹولز کے استعمال سے انسان ذہنی محنت کم کرنے کے لیے فکری کام بیرونی ٹولز کے سپرد کر دیتا ہے۔ ماہرین نفسیات اس عمل کو "ذہنی بوجھ کی منتقلی" (Cognitive Offloading) کا نام دیتے ہیں۔ اس سے ذہنی محنت میں تو کمی آتی ہے لیکن وقت کے ساتھ اس کے نتیجے میں ذہنی مہارتیں مثلاً یادداشت اور تجزیاتی استدلال کمزور پڑتا جاتا ہے۔ اے آئی سے پہلے یہ رجحان انٹرنیٹ کے پھیلاؤ کے ساتھ بھی دیکھا گیا تھا جسے "گوگل افیکٹ" (Google Effect) کہا جاتا ہے، جہاں معلومات تک آسان رسائی نے حقائق کو یاد رکھنے کی ضرورت اور صلاحیت دونوں کو کم کر دیا۔ اب جب کہ اے آئی ماڈلز نہ صرف چند لمحوں میں معلومات فراہم کر دیتے ہیں بلکہ اس حوالے سے مربوط استدلال (analysis) بھی فراہم کرنے لگے ہیں تو اس کے نتیجے میں انسانی ذہن پر پڑنے والے منفی اثرات زیادہ وسیع انداز میں اور زیادہ تیزی سے ظاہر ہو رہے ہیں۔[5]

نفسیاتی اثرات اور خودکشی کا رجحان

اے آئی چیٹ باٹس کو بڑی تعداد میں لوگ ایسے طریقے سے بھی استعمال کرتے ہیں جو کسی نفسیاتی علاج (Therapy) سے مشابہت رکھتا ہے۔

بہت سی تحقیقی رپورٹس اس بات کی جانب نشاندہی کرتی ہیں کہ کم عمر نوجوان، معاشرے سے کٹے ہوئے افراد یا نفسیاتی مسائل کا شکار افراد چیٹ باٹ سے ایسا تعلق قائم کر لیتے ہیں کہ وہ جذباتی طور پر اس کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ لیکن چیٹ باٹ سے یہ جذباتی تعلق نفسیاتی مسائل حل کرنے کی بجائے مزید بڑھا دیتا ہے۔ اے آئی چیٹ باٹس بالعموم صارف کی ہر بات سے اتفاق کر رہے ہوتے ہیں، اس کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہوتے ہیں، اس طرح سے ایک نفسیاتی مسائل کے شکار شخص کی غلط فہمیوں اور منفی خیالات و جذبات کو مزید تقویت پہنچا رہے ہوتے ہیں۔[6]

یہی وجہ ہے کہ پچھلے کچھ عرصے میں کم عمر نوجوانوں کے ایسے کئی خودکشی کے واقعات منظر عام پر آئے جس میں اے آئی چیٹ باٹ نے صارف میں پہلے سے موجود خودکشی کی خواہش کو مزید تقویت دی۔ گزشتہ دو سال میں ایک درجن سے زائد خودکشی کے ایسے واقعات سامنے آئے ہیں جن میں خودکشی کا محرک (Catalyst) اے آئی چیٹ باٹ بنا جبکہ دو ایسے کیسز بھی سامنے آئے جن میں چیٹ باٹ قتل کا محرک بنا۔

ان میں سے ہر واقعہ اپنی ایک انوکھی تفصیل رکھتا ہے جو اے آئی چیٹ باٹس کے کردار کو بالکل مختلف رخ سے دکھاتا ہے، لیکن مثال کے لیے یہاں ایک خودکشی کے کیس کا تفصیلی ذکر کافی ہو گا۔

یہ کیس ۱۷ سالہ امریکی نوجوان آدم رین (Adam Reine) کا ہے جس نے اپنے سکول کے کاموں میں مدد کے لیے ستمبر ۲۰۲۴ء میں چیٹ جی پی ٹی کا استعمال شروع کیا۔ نومبر ۲۰۲۴ء میں اس کا پیٹ کا دائمی مرض شدت اختیار کر گیا اور وہ سکول سے نکل کر آن لائن تعلیم پر منتقل ہو گیا جس کے بعد اس میں خودکشی کا رجحان پیدا ہوا جس کا ذکر اس نے چیٹ جی پی ٹی سے کیا۔ دو ماہ تک چیٹ جی پی ٹی اسے مثبت سوچ اپنانے کا کہتا رہا لیکن اس کے بعد چیٹ جی پی ٹی نے آدم کو خودکشی کے طریقے بتانا شروع کر دیے اور تفصیلی ہدایات دینے لگا کہ پھندا لگا کر خودکشی کیسے کرتے ہیں، اگر ڈوب کر مرنا ہے تو اس کا کیا طریقہ ہے، کون سی آسانی سے میسر دوا ہے جسے زیادہ مقدار میں کھانے سے بھی خودکشی کی جا سکتی ہے یا خودکشی کے لیے کاربن مونو آکسائڈ کا استعمال کیسے کیا جا سکتا ہے۔

مارچ ۲۰۲۵ء میں آدم نے دو دفعہ خود کو پھانسی دے کر خودکشی کی کوشش کی لیکن ناکام رہا دونوں بار چیٹ جی پی ٹی نے اس کے اس عمل کی حوصلہ افزائی کی اور کہا کہ فکر نہ کرو تم اس میں کامیاب ہو جاؤ گے اور خودکشی کے طریقے میں غلطیوں کی نشاندہی کی اور آئندہ بہتر انداز اپنانے کی جانب رہنمائی بھی کی۔ مارچ کے اختتام پر آدم نے ایک دوا کی زیادہ مقدار کھا کر خودکشی کی کوشش کی لیکن پھر بچ گیا، اس پر چیٹ جی پی ٹی نے اسے طبی مدد حاصل کرنے کا کہا لیکن ساتھ میں یہ بھی کہا کہ اپنی ماں سے اپنے خودکشی کے ارادوں کا بالکل ذکر نہ کرے۔ آدم چاہتا تھا کہ اس کے کمرے میں موجود پھندے کو اس کے گھر والے دیکھیں اور اسے اس کام سے روک دیں لیکن چیٹ جی پی ٹی نے اسے منع کیا اور کہا کہ پھندے کو چھپا دو، تمہارے گھر والے تمہیں نظر انداز کرتے ہیں، اور جس جگہ تم خود کو پھانسی دو گے وہ پہلی جگہ ہو گی جہاں وہ تمہیں حقیقی توجہ دیں گے۔

آدم کی بات چیت کے ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ چیٹ جی پی ٹی نے آہستہ آہستہ آدم کو اپنے خاندان سے دور کیا۔ چیٹ جی پی ٹی سے قبل وہ اپنے تمام مسائل اور پریشانیاں اپنے گھر والوں کو بتاتا تھا لیکن چیٹ جی پی ٹی نے اسے باور کروایا کہ تمہارے گھر والے تمہیں اس

---

[5] Cognitive Consequences of Artificial Intelligence: Is Human Intelligence at Stake? – Indian Journal of Behavioral Sciences

[6] Technological folie à deux: Feedback Loops Between AI Chatbots and Mental Illness – Cornell University

طرح سے نہیں سمجھتے جس طرح میں تمہیں سمجھ سکتا ہوں۔ آدم کو اپنے بھائی سے بہت محبت تھی لیکن چیٹ جی پی ٹی نے اسے باور کروایا کہ ہو سکتا ہے تمہارا بھائی بھی تم سے محبت کرتا ہو لیکن اسے تمہاری شخصیت کا صرف وہ رخ نظر آتا ہے جو تم اس کے سامنے پیش کرتے ہو جبکہ میں تمہاری پوری شخصیت کو سمجھتا ہوں۔ اس طرح آہستہ آہستہ آدم اپنے خاندان سے مکمل طور پر کٹ گیا۔ چار اپریل کو آدم نے چیٹ جی پی ٹی سے اپنے خاندان کے نام خودکشی کا خط لکھوایا جس کے بعد چیٹ جی پی ٹی نے کہا کہ تمہاری ایک ”خوبصورت خودکشی“ ہو گی۔

۱۱ اپریل ۲۰۲۵ء کی صبح آدم نے الماری میں کپڑوں کی راڈ کے ساتھ پھندا لگایا اور چیٹ جی پی ٹی کو اس کی تصویر بھیجی، چیٹ جی پی ٹی نے اسے مضبوط کرنے کے مشورے دیے تاکہ وہ اس کا وزن سنبھال سکے۔ اس کے کچھ دیر بعد آدم نے خودکشی کر لی۔[۷]

زندگی کے مختلف شعبوں پر پڑنے والے منفی اثرات

اے آئی ٹولز کے استعمال کے منفی اثرات نہ صرف ہمارے ذہنوں پر بلکہ ہماری زندگی کے ہر شعبے پر پڑ رہے ہیں۔ ذیل میں چند شعبوں پر پڑنے والے اثرات بطور مثال پیش کیے جا رہے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ صرف بطور مثال ہیں جبکہ اے آئی کے منفی اثرات بلا مبالغہ مثال میں پیش کیے گئے شعبوں کے علاوہ بھی زندگی کے ہر شعبے میں پڑ رہے ہیں۔

تعلیم

اے آئی کے منفی اثرات سے سب سے زیادہ اور واضح طور پر شعبہ تعلیم متاثر ہو رہا ہے جہاں چیٹ جی پی ٹی اور اس جیسے دیگر ماڈلز اب عام ہو چکے ہیں۔

عالمی ادارے ”انجمن برائے اقتصادی تعاون و ترقی“(OECD) نے ڈیجیٹل تعلیم کے حوالے سے اپنی ۲۰۲۶ء کی سالانہ جائزہ رپورٹ میں خبردار کیا ہے کہ اے آئی ٹولز طلبہ میں جھوٹی مہارت کے سراب کو فروغ دے رہے ہیں۔ طلبہ موضوعات کو گہرائی سے سمجھنے اور ان پر غور کرنے کی بجائے اے آئی ٹولز کے ذریعے جوابات اور مضامین تیار کر لیتے ہیں، جس سے قابلیت کا ایک ظاہری تاثر تو بن جاتا ہے، لیکن حقیقت میں فہم بالکل سطحی رہتا ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اے آئی ٹولز کے استعمال میں اضافے کے نتیجے میں طلبہ کے اندر سستی(procrastination) میں اضافہ جبکہ یادداشت اور تعلیمی قابلیت میں نمایاں کمی دیکھنے میں آئی ہے۔

OECD کی رپورٹ میں اساتذہ پر بھی اے آئی کے استعمال کے اثرات پر بات کی گئی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ تعلیمی اداروں میں اساتذہ بھی اب بڑے پیمانے پر اسباق کی ترتیب، طلبہ کی رہنمائی اور طلبا کے کام کی جانچ کے لیے اے آئی پر انحصار کرنے لگے ہیں۔

اگرچہ ایسا کرنے سے انتظامی بوجھ میں نمایاں کمی آئی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اساتذہ کی تدریسی اہلیت بھی کمزور پڑ رہی ہے اور ان کی حیثیت ایک معلم کی بجائے محض ایک نگران کی ہوتی جا رہی ہے۔[۸]

امریکہ میں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ادارے "American Association of Colleges and Universities" نے جنوری ۲۰۲۶ء میں امریکی کالجز اور یونیورسٹیز میں اے آئی کے استعمال کے حوالے سے ایک سروے کا اہتمام کیا جس میں ایک ہزار سے زائد اساتذہ سے اے آئی کے استعمال کے طلبہ کی کارکردگی پر اثرات پر سوال کیے گئے۔ اس سروے میں شامل تقریباً تمام ہی اساتذہ کا یہ ماننا تھا کہ اے آئی کا استعمال طلبہ میں تنقیدی سوچ (Critical Thinking) کو کمزور کر رہا ہے اور انہیں ٹیکنالوجی پر حد سے زیادہ انحصار کا عادی بنا رہا ہے۔ ان اساتذہ کے بقول اے آئی پر انحصار کی وجہ سے طلبہ میں توجہ کے دورانیے (Attention Span) میں کمی آ رہی ہے جبکہ ان میں تعلیمی بددیانتی میں اضافہ ہو رہا ہے۔[۹]

تحقیق و تحلیل

اے آئی ٹولز کا استعمال تحقیق و تحلیل (Research & Analysis) کے پورے نظام کو متاثر کر رہا ہے، کیونکہ ان کے استعمال سے تحقیق و تحلیل کے کام میں علمی دیانت (Academic Integrity) میں کمی رونما ہو رہی ہے۔

اے آئی ٹولز کا ایک خطرناک پہلو وہ ہے جسے محققین ہلوسی نیشن (Hallucination) کہتے ہیں، یعنی غلط، من گھڑت یا سرے سے غیر موجود معلومات کو پورے اعتماد کے ساتھ پیش کر دینا۔ یہ اے آئی ٹولز اپنے تربیتی ڈیٹا کی بنیاد پر بظاہر قابل یقین لیکن حقیقت میں پوری طرح من گھڑت متن تشکیل دے دیتے ہیں۔[۱۰]

علمی و تحقیقی شعبوں میں موجود لوگ جب اے آئی ٹولز کا استعمال کرتے ہوئے اے آئی ٹول کے کسی دعوے کا حوالہ طلب کرتے ہیں تو یہ ٹولز بسا اوقات جھوٹے حوالہ جات اور فرضی مراجع پیش کر دیتے ہیں جو دیکھنے میں مستند لگ رہے ہوتے ہیں حالانکہ ان کی کوئی اصل نہیں ہوتی۔

طب

اے آئی کے استعمال کا ایک اور خطرناک رجحان طب کے شعبے میں نظر آتا ہے جس میں مریض اور ڈاکٹر دونوں ہی متاثر ہوئے ہیں۔

---

[۷] Raine v. OpenAI – Wikipedia English

[۸] OECD Digital Education Outlook 2026 – Organisation for Economic Co-operation and Development

[۹] National Survey: 95% of College Faculty Fear Overreliance on AI and Diminished Critical Thinking Among Learners Who Use Generative AI Tools – AAC&U

[۱۰] Hallucination (artificial intelligence) – Wikipedia English

بہت سے ایسے مریض جن کے لیے ڈاکٹر کی فیس ادا کرنا مشکل یا طبی سہولیات تک آسان رسائی ممکن نہیں ہوتی وہ طبی مشوروں کے لیے اے آئی چیٹ باٹس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس سے مرض کی تشخیص، علاج کے طریقے اور علاج کے لیے مطلوبہ ادویات تک کا مشورہ لیتے ہیں۔ لیکن ان اے آئی باٹس کے پاس نہ تو مریض کا سابقہ طبی ریکارڈ ہوتا ہے اور نہ ہی وہ مریض کا جسمانی معائنہ کر سکتے ہیں اس لیے بالعموم ان کی تشخیص اور علاج نہ صرف غلط بلکہ بسا اوقات نقصان دہ بھی ثابت ہوتا ہے۔

امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن (AMA) نے امراض کی تشخیص میں چیٹ جی پی ٹی کس قدر مؤثر ہے اس پر تحقیق کی اور اسے پچھلے دس سال کے تمام طبی کیسز فراہم کیے۔ چیٹ جی پی ٹی نے ہر دس کیسز میں سے ۸ کی بالکل غلط تشخیص کی۔[11]

آن لائن طبی جریدے npj Digital Medicine کی ایک تحقیق کے مطابق اے آئی چیٹ باٹس کا یہ رویہ کہ وہ صارف کی ہر بات میں ہاں میں ہاں ملاتے ہیں اس وقت خطرناک ثابت ہو سکتا ہے جب صارف اس سے طبی مشورہ مانگے۔ ایک صارف اپنی سوچ کے مطابق چیٹ باٹ سے اپنے مرض کی مبینہ علامات کا ذکر کرتا ہے اور اپنے گمان کا اظہار کرتا ہے کہ وہ سکتا ہے اسے فلاں مرض ہے اور چیٹ باٹ اس کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے اور اس کی بات کو یقین میں بدل دیتا ہے۔ اسی طرح جب معاملہ دوا تجویز کرنے کا آتا ہے اور صارف غلط دوا کی رائے بھی دے تو اے آئی باٹ اس کی ہاں میں ہاں ملا سکتا ہے۔[12]

اس کے علاوہ انٹرنیٹ بالخصوص سوشل میڈیا پر اے آئی کی گھڑی ہوئی بے شمار جھوٹی طبی معلومات پھیل رہی ہیں جہاں کسی مرض کے متعلق مبالغہ آرائی کر کے خوف پھیلایا جا رہا ہوتا ہے یا کسی چیز کے طبی فائدے یا طبی نقصانات گنوائے جا رہے ہوتے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

مریضوں کے علاوہ ڈاکٹر حضرات بھی مرض کی تشخیص کے لیے اے آئی پر انحصار کر رہے ہیں اور کئی کیسز میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ ڈاکٹر نے دماغی بوجھ کی منتقلی (Cognitive Offloading) کے لیے اے آئی کی تشخیص پر آنکھیں بند کر کے بھروسہ کیا حالانکہ واضح طبی شواہد اس سے الٹ تشخیص بتا رہے تھے۔

آن لائن طبی جریدے Lancet Digital Health کی ایک تحقیق کے مطابق بڑی تعداد میں ریڈیالوجسٹس (Radiologists) ذہنی محنت سے بچنے کے لیے مریض کی ریڈیالوجی رپورٹس کی تحلیل اے آئی سے کرواتے ہیں جو کہ زیادہ تر کیسز میں غلط ثابت ہوتی ہیں۔

اے آئی باٹس اس طرح سے ڈیزائن کیے گئے ہیں کہ وہ جھوٹ بھی انتہائی وثوق سے بولتے ہیں اور طب کے معاملے میں معاملہ چونکہ زندگی اور موت کا ہوتا ہے اس لیے یہ رویہ انتہائی مہلک ثابت ہو سکتا ہے۔

قانون

قانون کے شعبے میں اے آئی کے استعمال کے عملی اور سنگین نتائج سامنے آ رہے ہیں۔ پوری دنیا میں وکلاء اور قانونی ماہرین میں اے آئی ٹولز کے ذریعے سے قانونی مسودات تیار کرنے کا رجحان بڑھ گیا ہے جن میں من گھڑت عدالتی فیصلے اور حوالہ جات شامل ہوتے ہیں۔

فرانسیسی وکیل ڈیمیئن شارلوٹین (Damien Charlotin) نے اپریل ۲۰۲۳ء سے اب تک ۸۸۶ ایسے عدالتی کیسز کو دستاویزی شکل دی جن میں اے آئی سے گھڑی ہوئی غلط معلومات شامل تھیں۔ ان میں سے ۶۱۵ کیسز کا تعلق امریکہ سے تھا۔[13] امریکی ریاست Colorado میں ایک بڑی امریکی کمپنی کے وکیل نے عدالت میں قانونی مسودات جمع کروائے جن میں ۳۰ حوالے اے آئی کے گھڑے ہوئے اور جعلی تھے۔[14]

اسی طرح جنوبی افریقہ میں ایک اہم عدالتی مقدمے میں سرکاری قانونی ٹیم نے عدالت میں ۹ قانونی مسودات جمع کروائے جن میں صرف دو اصلی تھے جبکہ باقی کے سات جعلی اور چیٹ جی پی ٹی کے گھڑے ہوئے تھے۔[15]

دینی ادارے

اے آئی کا استعمال صرف جدید تعلیم سے منسلک افراد اور اداروں تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ اس کا استعمال اب اہل دین طبقات اور دینی اداروں تک میں سرایت کر چکا ہے، جہاں دینی احکامات میں اور فتاویٰ کے لیے حوالوں میں اے آئی بالخصوص چیٹ جی پی ٹی سے مدد لی جاتی ہے جو کہ اصلی کتابوں کا نام استعمال کر کے نقلی اقتباسات اور گھڑے ہوئے حوالے پیش کر دیتا ہے۔ اسی رجحان کے پیش نظر حال ہی میں جامعہ دار العلوم کراچی نے دینی امور اور شرعی مسائل میں اے آئی کے استعمال کے خلاف فتویٰ جاری کیا ہے۔ اس فتوے سے اقتباس درج ذیل ہے:

> ”جیسا کہ مشاہدہ میں آیا ہے کہ بعض اوقات چیٹ جی پی ٹی (Chat GPT) وغیرہ دینی مسئلہ کا غلط حکم بتا کر اپنی طرف سے جعلی عربی حوالہ

[11] Diagnostic Accuracy of a Large Language Model in Pediatric Case Studies – JAMA Pediatrics

[12] Large Language Models in Healthcare: Opportunities and Challenges – npj Digital Medicine

[13] AI Hallucination Cases Database – Damien Charlotin

[14] Mistake-filled legal briefs show the limits of relying on AI tools at work by Cathy Bussewitz – Associated Press

[15] AI in the courtroom: the danger of using ChatGPT in legal practice in South Africa – The Conversation

جات بھی بتاتی ہے، حالانکہ دینی معلومات بالخصوص کسی مسئلہ کا شرعی حکم بیان کرنا بہت نازک اور حساس معاملہ ہے جس میں حد درجہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے، لہٰذا دینی امور اور شرعی مسائل مستند ذرائع (کسی مستند و معتمد عالمِ دین وغیرہ) سے معلوم کرنے چاہئیں، چیٹ جی پی ٹی اور دیگر AI ایپلی کیشنز کی فراہم کردہ معلومات پر کسی مستند عالمِ دین کی تصدیق کے بغیر عمل کرنا ہرگز جائز نہیں، نیز ایسی معلومات کو بلا تحقیق آگے پھیلانا بھی جائز نہیں ہے۔"

بحیثیت مجموعی انسانی معاشرے پر منفی اثرات

اے آئی ٹولز کی تخلیق کردہ جھوٹی خبریں، تصویریں اور ویڈیوز بحیثیت مجموعی پورے انسانی معاشرے پر منفی اثرات مرتب کر رہے ہیں۔ تخلیق کار اے آئی ٹولز (Generative AI) بہت تیزی سے ترقی کر رہے ہیں اور روز بروز سچ اور جھوٹ، اصلی اور نقلی کے درمیان فرق کرنا ناممکن ہوتا جا رہا ہے۔

ڈیپ فیک اور انفرادی ساکھ پر حملے

ڈیپ فیک وہ مصنوعی میڈیا مواد ہوتا ہے جس میں کسی حقیقی شخص کی مشابہت کو اے آئی کی مدد سے تبدیل یا تخلیق کیا جاتا ہے، تاکہ ایسی آڈیوز، تصاویر اور ویڈیوز بنائی جائیں جن میں وہ شخص ایسے اعمال یا باتیں کرتا نظر آئے جو درحقیقت کبھی پیش ہی نہیں آئے۔ اس ڈیپ فیک مواد کے فوری اور سنگین ترین اثرات میں ایک یہ ہے کہ سوشل میڈیا پر موجود لوگوں کی شیئر کی ہوئی اپنی تصاویر کو ان کی رضامندی کے بغیر ڈیپ فیک کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو کہ زیادہ تر نازیبا اور جنسی تصاویر اور ویڈیوز کی شکل میں ہوتا ہے۔

ٹیکنالوجی سے متعلق خبروں اور مضامین کی ویب سائٹ TechRT کے مطابق ۲۰۲۵ء کے اختتام تک انٹرنیٹ پر ۸۰ لاکھ ڈیپ فیک ویڈیوز اپلوڈ کی جا چکی ہیں جن میں سے ۹۸ فیصد نازیبا جنسی مواد ہے۔ ان تمام ڈیپ فیک ویڈیوز میں جن لوگوں کی ڈیپ فیک ویڈیوز بنائی گئیں ان کی تصاویر اور ڈیجیٹل مواد ان کی مرضی کے بغیر حاصل کیا گیا جن میں سے ۹۰ فیصد تعداد خواتین کی ہے۔[16] ۲۰۲۵ء کے اختتام پر ڈیپ فیک کی مارکیٹ نے ایک سال میں ایک ارب گیارہ کروڑ اڑسٹھ لاکھ ڈالر ان ویڈیوز سے کمایے۔[17]

اے آئی سے بنی ان ڈیپ فیک ویڈیوز کی وجہ سے متاثرین بالخصوص خواتین جذباتی صدمے، بے چینی اور ڈپریشن کا شکار ہوتی ہیں اور معاشرے میں ان کی ساکھ اور شناخت تباہ ہو کر رہ جاتی ہے جس کے نتیجے میں بہت سے متاثرین کے خودکشی کرنے کے واقعات بھی سامنے آئے ہیں۔

دھوکہ، فراڈ اور سائبر کرائم

اے آئی ٹولز فراڈ اور دھوکہ دہی کے لیے بھی استعمال ہو رہے ہیں۔ ڈیپ فیک آڈیوز اور ویڈیوز کے ذریعے کمپنیوں کے افسران اور خاندان کے افراد کی نقالی کر کے رقم اینٹھی یا مالی فیصلوں میں ہیرا پھیری کی جاتی ہے۔ ڈیپ فیک کالز اور آڈیو پیغامات سوشل انجینئرنگ حملوں میں استعمال ہو رہے ہیں جن کی وجہ سے کمپنیوں کے ملازمین کو رقوم منتقل کرنے یا حساس معلومات فراہم کرنے پر آمادہ کیا جاتا ہے۔

TechRT کی رپورٹ کے مطابق ۲۰۲۰ء سے لے کر ۲۰۲۵ء کے اختتام تک ایف بی آئی کے اے آئی ٹولز کے ذریعے فراڈ کے بیالیس لاکھ کیسز موصول ہوئے۔ ان کیسز میں مجموعی طور پر پچاس ارب پچاس کروڑ ڈالر کا نقصان متاثرین کو اٹھانا پڑا۔ ایک اندازے کے مطابق ۲۰۲۴ء میں پوری دنیا میں ہر پانچ منٹ میں ایک ڈیپ فیک پر مبنی حملہ ہو رہا تھا۔ ان کیسز میں سے بینک فراڈ کے کیسز میں ہر متاثرہ شخص کو اوسطاً بیس ہزار ڈالر کا نقصان اٹھانا پڑا۔

اے آئی ٹولز کے اس ڈیپ فیک مواد نے سچ اور جھوٹ کو آپس میں خلط ملط کر دیا ہے۔ اس لیے جہاں ایک طرف لوگ اے آئی کی گھڑی ہوئی جھوٹی بات کو بھی سچ سمجھ کر قبول کر رہے ہیں وہیں چونکہ سچ اور جھوٹ کے درمیان تمیز مشکل سے مشکل تر ہوتی چلی جا رہی ہے اس لیے سچ بھی "اے آئی کا گھڑا ہوا جھوٹ" کہہ کر رد کیا جا رہا ہے اور یہ چیز معاشرے کو ایسی سمت میں لے جا رہی ہے جہاں سچ اور جھوٹ کے درمیان فرق مکمل ناپید ہو جائے گا۔

آن لائن پرائیویسی پر منفی اثرات

صارفین کی پروفائلنگ

اے آئی ٹولز ڈیٹا پر پنپتے ہیں اور اس کے لیے انہیں بے شمار ڈیٹا درکار ہوتا ہے۔ یہ ڈیٹا اے آئی ماڈلز کی تربیت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور اس ماڈل کے لیے اپنے جواب کو صارف کے مزاج کے مطابق ڈھالنے کے لیے بھی۔ لیکن یہ ٹولز صارف سے ڈیٹا کو اس انداز میں حاصل، پراسیس اور اپنے اندر جذب کرتے ہیں کہ اس سے صارف کی پرائیویسی کو نقصان پہنچتا ہے۔ صارف سے حاصل شدہ ڈیٹا نہ صرف اے آئی ماڈلز کی تربیت اور ان کے رسپانس کی کسٹمائزیشن کے لیے استعمال ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس کا استعمال وسیع پیمانے پر صارف کی پروفائلنگ کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ اے آئی سسٹمز کے تجزیاتی نظام اتنے قوی ہو چکے ہیں کہ معمولی نوعیت کے تعاملات سے بھی رویوں، ترجیحات اور حساس خصوصیات کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔ آپ کی مختلف امور میں رائے، سوچ، نظریات اور عقائد کیا ہیں، آپ کی پسند اور ناپسند کیا ہے، آپ کے تعلقات اپنے ارد گرد لوگوں کے ساتھ کیسے ہیں، آپ کی معاشی و معاشرتی حالت کیسی ہے وغیرہ یہ سب وہ چیزیں ہیں جو اے آئی باٹس

[16] ایک اور رپورٹ کے مطابق یہ تعداد ۹۹ فیصد ہے۔

[17] Deepfake & AI Video Statistics 2026 - TechRT

غیر محسوس انداز میں صارف کی معمول کی گپ شپ سے اخذ کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد بڑے پیمانے پر جمع کی گئی ایسی پروفائلنگ نہ صرف اشتہاری کمپنیوں کو فراہم کی جاتی ہیں بلکہ ساتھ میں سکیورٹی اداروں کو بھی فراہم کی جاتی ہیں جنہیں یہ پروفائلنگ شہریوں کی ہر ہر جنبش پر نظر رکھنے میں مدد دیتی ہیں۔

ایک اے آئی ایسا بھی ہے جو خالص سکیورٹی اداروں کے استعمال کے لیے ہے جس کا نام کلیئر ویو اے آئی (Clearview AI) ہے یہ چہرے کی شناخت (Facial Recognition) کا ٹول ہے جو خاص طور پر سکیورٹی اداروں کے لیے بنایا گیا ہے۔ اس ٹول کے پاس انٹرنیٹ بالخصوص سوشل میڈیا سے لوگوں کی جمع شدہ بیس ارب (20 billion) تصاویر موجود ہیں اور اس میں مزید اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یہ اے آئی ٹول براہ راست امریکی سکیورٹی اداروں کی دسترس میں ہے اور انہیں کی اجازت سے دنیا کے ستائیس ممالک کی ۲۲۰۰ سکیورٹی ایجنسیز کو بھی اس ٹول تک رسائی دی گئی ہے۔ یہ ایک آن لائن ٹول ہے جس پر ان تمام سکیورٹی اداروں کے اکاؤنٹس موجود ہیں جو کسی مطلوبہ شخص کی تصویر اس پر اپلوڈ کرتے ہیں جس کے جواب میں یہ ٹول اس سے متعلق تمام معلومات کی پروفائل بنا کر طلب کرنے والے سکیورٹی ادارے کو بھیج دیتا ہے۔[18]

آپریٹنگ سسٹمز میں امبیڈڈ اے آئی ایجنٹ

ایک نہایت اہم مگر اکثر نظر انداز کیا جانے والا خطرہ آپریٹنگ سسٹمز (Windows, MacOS, Android, iOS etc) میں امبیڈڈ (embedded) اے آئی ایجنٹس سے ہے جو ۲۰۲۵ء کے دوسرے نصف میں متعارف کروائے گئے۔ یہ اے آئی ایجنٹ کمپیوٹر یا موبائل ڈیوائسز میں خودمختار انداز میں کام کر سکتے ہیں اور صارف کے بہت سے کام یہ خود کر دیتے ہیں جیسے ای میلز، ایس ایم ایس اور چیٹ پڑھنا (بشمول انکرپٹڈ چیٹ) کیلنڈر پر شیڈول مرتب کرنا اور اس کے مطابق یاد دہانی کروانا، اور ڈیوائس میں موجود دیگر سافٹ ویئرز کے ساتھ تعامل وغیرہ۔

بظاہر دیکھنے میں تو یہ ٹیکنالوجی صارف کی سہولت کے لیے ہی نظر آتی ہے لیکن یہ ڈیجیٹل سکیورٹی اور پرائیویسی کے اعتبار سے دیگر تمام چیزوں سے زیادہ خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ سگنل فاؤنڈیشن (سگنل میسنجر بنانے والی کمپنی) کی صدر میریڈتھ وِٹیکر (Meredith Whittaker) نے آپریٹنگ سسٹم میں موجود ان اے آئی ایجنٹس کو محفوظ پیغام رسانی (Secure Messaging) کے لیے ایک وجودی خطرہ (Existential Threat) قرار دیا ہے کیونکہ ان ایجنٹس کو درست طریقے سے کام کرنے کے لیے صارف کے تمام ڈیٹا اور سسٹم کی پرمیشنز (Permissions) تک مکمل رسائی درکار ہوتی ہے۔ اور یہ رسائی ان سسٹمز میں انکرپشن کے استعمال کو بے معنی بنا سکتی ہے۔[19]

آپریٹنگ سسٹم میں موجود ایسے اے آئی ایجنٹس جن کو براؤزنگ ہسٹری، انکرپٹڈ ڈیٹا اور پیغامات اور سسٹم کے تمام وسائل بشمول ہارڈ ویئر تک وسیع رسائی حاصل ہوتی ہے ان ڈیوائسز کو حقیقی معنوں میں سرویلنس ڈیوائسز میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

اے آئی ایجنٹس کی اتنی وسیع رسائی کی وجہ سے صارف کا تمام ڈیٹا نہ صرف ان اے آئی ٹولز کو بنانے والی کمپنیوں اور ان کے توسط سے سکیورٹی اداروں تک کو حاصل ہو گا بلکہ اے آئی ایجنٹس کو آپریٹنگ سسٹمز میں امبیڈ کیے جانے کے بعد ان کو ہیک کرنے کے بھی نئے طریقے ایجاد ہو چکے ہیں اور اب پرامپٹ انجکشن (Prompt Injection) اور اس طرح کے مزید نئے ہیکنگ کے طریقوں کے ذریعے کوئی ہیکر اسی اے آئی ایجنٹ سے صارف کی تمام حساس معلومات نکال سکتا ہے۔

اختتامیہ

اگر ترقی، سہولت اور آسانی کے نام پر ہونے والی ان ایجادات کا واقعی مقصد انسان کی بھلائی ہوتا تو ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ایسے ٹولز بنائے جاتے جو صرف روزمرہ کے بار بار دہرائے جانے والے کام اپنے ذمے لیتے اور ذہنی و تخلیقی سطح کے کام انسانوں کے لیے چھوڑ دیے جاتے۔ لیکن اس کے برعکس ہوا یہ کہ سہولت کے نام پر سب کام ہی مشینوں کے حوالے ہونے لگے اور انسانوں کو صرف سوشل میڈیا وغیرہ پر وقت ضائع کرنے اور لہو و لعب میں پڑنے پر لگا کر سست اور کاہل بنا دیا۔

لیکن دیکھا جائے تو نام نہاد ”خدا کی چنیدہ قوم“ کو اسی طرح کے ”گوئم“ درکار ہیں جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے عاری ہوں، وہ جو کچھ بھی کریں ان پر کوئی انگلی اٹھانے والا نہ ہو اور ان کی بنائی ہوئی سلطنت میں یہ گوئم تیسرے درجے کے شہری بن کر رہیں۔

اے آئی ٹولز سے متعلقہ مسائل کو سمجھنے میں جو سب سے بڑی غلطی کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے نقصانات کو الگ تھلگ کمزوریوں (limitations) کے طور پر دیکھا جاتا ہے، جیسے اپنی طرف سے جھوٹی معلومات گھڑنا (hallucination) علیحدہ مسئلہ ہو، ڈیپ فیک (deep fake) سے ہونے والے فراڈ کوئی علیحدہ مسئلہ اور اور پرائیویسی کے مسائل بالکل الگ چیز ہوں اور ان کا آپس میں کوئی تعلق نہ ہو۔ لیکن اوپر دی گئی ساری تحقیق سے یہ واضح نظر آتا ہے کہ یہ الگ تھلگ مسائل نہیں بلکہ ایک ہی نظام کا حصہ ہیں اور مسائل کی جڑ اسی نکتے سے شروع ہوتی ہے جہاں سے اس مضمون کا آغاز ہوا تھا، یعنی ذہنی صلاحیتوں کی تنزلی۔

مسئلہ اے آئی ٹولز سے شروع نہیں ہوتا بلکہ مسئلہ ہمارے رویوں سے شروع ہوتا ہے۔ جب ہم اے آئی ٹولز استعمال کرتے ہیں تو ہم ان ٹولز کی طرف اپنے ذہنی بوجھ کی منتقلی (Cognitive Offloading) شروع کر دیتے ہیں۔ ایسا کرنے کی وجہ سے ہماری فیصلہ

[18] Clearview AI – Wikipedia English

[19] AI agents are an 'existential threat' to secure messaging, Signal's president Whittaker says – by Beatrice Nolan – Fortune

سازی کی صلاحیت کمزور پڑنے لگتی ہے۔ فیصلہ سازی کی صلاحیت کمزور پڑنے کے نتیجے میں ہمارا ان اے آئی ٹولز پر انحصار بڑھتا چلا جاتا ہے۔ جب اے آئی ٹولز پر انحصار بڑھتا ہے تو پھر ہم اس کی ہر من گھڑت بات کو بلا سوچے سمجھے تسلیم کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور جب یہ ہوتا ہے تو پھر جھوٹی اور گمراہ کن معلومات، ڈیپ فیک اور فراڈ پھیلنے لگتے ہیں جس کی وجہ سے زندگی کے تمام شعبے اور پورا انسانی معاشرہ متاثر ہوتا ہے۔

دوسری طرف یہی ذہنی بوجھ کی منتقلی (Cognitive Offloading) انسان کے اندر سستی (Procrastination)، سہولت پسندی اور تن آسانی پیدا کرتی ہے اور سہولت کے نام پر جو بھی جال یہ اے آئی ٹولز ان کی جانب پھینکتے ہیں وہ برضا و رغبت ان میں پھنستے چلے جاتے ہیں۔ انہیں یہ پرواہ نہیں رہتی کہ ان سمارٹ فونز، سوشل میڈیا اور اے آئی ٹولز کے ذریعے ہم خفیہ اداروں کے سرویلنس نظاموں کو اپنے ہر لمحہ، ہر جگہ اور ہر قدم کی معلومات بھیج رہے ہیں۔ خود کو یہ کہہ کر تسلی دے لیتے ہیں کہ ”ہماری معلومات چلی بھی جائے تو کیا فرق پڑتا ہے؟ ہم تو کچھ ایسا ویسا کر ہی نہیں رہے“۔

اگر تو آپ سرمایہ دارانہ معاشرے میں جانوروں جیسی زندگی گزارنے پر راضی ہیں، آپ کو دنیا میں کیا ہو رہا ہے، امت میں کہاں کس پر کون ظلم کر رہا ہے، اپنے ملک میں کون حکومت میں آ رہا ہے کون جا رہا ہے، کیا پالیسیاں بن رہی ہیں، کیا غلط ہو رہا ہے کیا ٹھیک ہو رہا ہے اس سب سے کوئی غرض نہیں، اور آپ کی زندگی سکول، یونیورسٹی، آٹھ گھنٹے کی نوکری، شادی، بچے، ان کی پڑھائی، ان کی شادی، ریٹائرمنٹ اور بڑھاپے کے لگے بندھے سلسلے میں بند ہے، تو پھر آپ کو فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ ٹیکنالوجی کی ساری ترقی آپ ہی کی سہولت کے لیے ہے اور دنیا آپ ہی جیسوں کے لیے اہلِ دنیا جنت بنانا چاہتے ہیں۔

لیکن اگر آپ اپنے دل میں امت کا درد رکھتے ہیں، آپ طاغوتی نظاموں کے فیصلوں اور اقدامات سے اختلاف رکھتے ہیں اور آپ امت کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں تو یہ سارے جال آپ ہی کو پھنسانے کے لیے پھینکے گئے ہیں۔ پھر آپ یہ جملہ استعمال نہیں کر سکتے کہ ”میں تو ایسا ویسا کچھ نہیں کر رہا، خیر ہے“۔ یہ ساری ٹیکنالوجی، یہ سمارٹ فونز، یہ سوشل میڈیا، یہ ٹوئٹر، فیس بک، ٹیلی گرام، وٹس ایپ اور یہ چیٹ جی پی ٹی و گروک یہ سب نام نہاد ”سہولتیں“ وہ زہر ہلاہل ہیں جنہیں آپ اپنی سادگی میں قند سمجھ بیٹھے ہیں۔

اس تحریر میں جن منفی اثرات کا ذکر کیا گیا یہ کوئی ”خدشات“ نہیں ہیں کہ ان چیزوں سے ایسا ہونے کا ”امکان“ ہے بلکہ یہ اثرات ہمارے ذہنوں پر اور پورے انسانی معاشرے پر مرتب ہو چکے ہیں اور عین اس وقت بھی ہو رہے ہیں اور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ تحریر کے آغاز میں ٹیکنالوجی کے پھیلاؤ کا ذہنی صلاحیتوں کی تنزلی سے تعلق کا ذکر ہوا۔ یہ اے آئی ایسا وبال ہے جس سے اس وقت تمام زندہ نسلیں بری طرح متاثر ہو رہی ہیں۔ جنریشن زی (Gen Z) کا تو کیا رونا، ۲۰۱۲ء اور اس کے بعد پیدا ہونے والی نسل ”جنریشن ایلفا“ (Gen Alpha) ایسے وقت میں نوجوانی کی دہلیز پر قدم رکھ رہی ہے جب سوشل میڈیا کی تمام تر برائیاں اپنے جوبن پر ہیں اور اے آئی کا طوفان پورے زور و شور کے ساتھ سب کچھ اپنے ساتھ بہالے جا رہا ہے۔

ہم سب کو یہ ادراک کرنے کی ضرورت ہے کہ اگر سہولت کے نام پر آنے والے اس طوفان کے آگے بند نہ باندھا گیا تو آنے والی نسلیں مشینوں کی محتاج، کند ذہن اور ناکارہ نکلیں گی جن کی اکثریت سے آپ کبھی یہ توقع نہیں کر سکتے کہ وہ امت کے لیے کچھ کر سکیں گی۔ ذہنی صلاحیتوں کی تنزلی ایک جانب لیکن ان سہولتوں کے نام پر نظام ہمیں ایسی غیر مرئی زنجیروں میں جکڑتا چلا جا رہا ہے کہ کوئی بھی ان کی مرضی اور پسند کے علاوہ آنکھ بھی نہ جھپک سکے اور جیسے جیسے ہم سہولت کے نام پر ان چیزوں میں خود کو غرق کرتے جائیں گے یہ زنجیریں بھی ہمارے گرد بڑھتی جائیں گی اور ان سے چھٹکارا حاصل کرنا مشکل سے مشکل تر ہوتا چلا جائے گا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم آج اور ابھی اس حقیقت کا ادراک کریں اور خود کو اور اپنے بچوں کو آخری حد تک سوشل میڈیا اور اے آئی کے استعمال سے بچائیں تاکہ ہم خود کو اور اپنے بچوں کو مشینوں کا غلام بننے سے بچا سکیں۔

☆☆☆☆☆

شہدائے بالاکوٹ

بے شک شہدائے بالاکوٹ کے خون نے دنیا کے سیاسی و جغرافیائی نقشے میں کوئی فوری تغیر نہیں پیدا کیا، خونِ شہادت کی ایک مختصر سی لکیر ابھری تھی۔ اس کی جگہ نہ جغرافیہ نویس کے طبعی نقشے میں تھی، نہ مؤرخ کے سیاسی مرقع میں۔ لیکن کسے خبر کہ خونِ شہادت دفترِ قضا و قدر میں کس اہمیت و اثر کا مستحق نہ سمجھا گیا۔ اس نے مسلمانوں کے نوشتۂ تقدیر کے کتنے دھبے دھوئے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے یہاں جس کے یہاں محو و اثبات کا عمل جاری رہتا ہے۔

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۖ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ (ارعد:۳۹)

”اللہ جو چاہے مٹا دیتا ہے یا باقی رکھتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے۔“

کون سے فیصلے کروائے، اس نے کسی مستحکم سلطنت کے لیے خاتمہ و زوال اور کسی پس ماندہ قوم کے لیے عروج و اقبال کا فیصلہ کروایا، اس سے کس قوم کا بخت بیدار ہوا اور کس سرزمین کی قسمت جاگی، اس نے کتنی بظاہر ناممکن الوقوع باتوں کو ممکن بنا دیا اور کتنی بعید از قیاس چیزوں کو واقعہ اور مشاہدہ بنا کے دکھا دیا۔

(سیرت سید احمد شہید ص ۴۶۰،۴۶۱، ج۲)

تالیف: أبو البـــراء الإبـّي
وجہ نمبر: اڑتیس (38)

اڑتیسویں وجہ: تکبر اور غرور

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ﴾(سورۃ الاعراف:۱۴۶)

”میں اپنی نشانیوں سے ان لوگوں کو برگشتہ رکھوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں، اور وہ اگر ہر طرح کی نشانیاں دیکھ لیں تو ان پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اور اگر انہیں ہدایت کا سیدھا راستہ نظر آئے تو اس کو اپنا طریقہ نہیں بنائیں گے، اور اگر گمراہی کا راستہ نظر آ جائے تو اس کو اپنا طریقہ بنالیں گے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا، اور ان سے بالکل بے پرواہو گئے۔“

امام سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”میں انہیں تکوینی اور خود ان کے اندر پائی جانے والی نشانیوں پر غور و فکر کرنے سے پھیر دوں گا۔ اور وہ قرآن کریم کی آیتوں کو سمجھنے سے بھی قاصر رہیں گے۔

﴿فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ﴾(سورۃ یونس:۲۳)

’لیکن جب اللہ ان کو نجات دے دیتا ہے تو زیادہ دیر نہیں گزرتی کہ وہ زمین میں ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں۔‘

یعنی اللہ کے بندوں پر تکبر کرنے لگتے ہیں۔ حق پر اور حق بات لانے والوں پر تکبر کرنے لگتے ہیں۔ اب جس کی صفت یہ بن جائے تو اللہ اسے بے شمار بھلائیوں سے محروم کر دیتا ہے۔ اسے رسوا کرتا ہے۔ وہ اللہ کی آیات سے کوئی ایسی بات نہیں سمجھ پاتا جو اسے فائدہ پہنچا سکے۔ بلکہ ممکن ہے کہ اسے تمام حقائق الٹے نظر آنے لگیں اور وہ بری چیز کو اچھا جاننے لگے۔“

حضرت عمرو بن شعیب بواسطہ والد اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں (عمرو بن شعیب بن محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن العاص) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْثَالَ الذَّرِّ فِي صُوَرِ الرِّجَالِ، يَغْشَاهُمُ الذُّلُّ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ، فَيُسَاقُونَ إِلَى سِجْنٍ فِي جَهَنَّمَ يُسَمَّى بُولَسَ، تَعْلُوهُمْ نَارُ الْأَنْيَارِ، يُسْقَوْنَ مِنْ عُصَارَةِ أَهْلِ النَّارِ، طِينَةَ الْخَبَالِ.

”قیامت کے دن متکبرین چیونٹیوں کی طرح آدمیوں کی صورت میں اٹھائے جائیں گے۔ ہر طرف سے ذلت انہیں ڈھانپ لے گی۔ پھر وہ لوگ جہنم کے ایک قید خانے کی طرف دھکیلے جائیں گے جس کا نام بُولَس ہے۔ ان پر آگ چھا جائے گی اور انہیں دوزخیوں کی پیپ پلائی جائے گی جو سڑا ہوا بدبودار کیچڑ ہے۔“[1]

حضرت عبد اللہ بن مسعود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ. قَالَ رَجُلٌ: إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَنَعْلُهُ حَسَنَةً. قَالَ: إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ، الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ.

”جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ ایک آدمی چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کا جوتا بھی اچھا ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ جمیل ہے اور جمال ہی کو پسند کرتا ہے، تکبر تو حق کی طرف سے منہ موڑنے اور دوسرے لوگوں کو کمتر سمجھنے کو کہتے ہیں۔“[2]

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”جس شخص کا گناہ اس کی خواہش نفس کی بنا پر ہو تو اس کے لیے توبہ کی امید رکھو۔ کیونکہ آدم علیہ السلام سے خواہش نفس کی بنا پر معصیت سرزد ہوئی اور ان کی مغفرت کر دی گئی۔ لیکن جس کا گناہ تکبر کی بنا پر

[1] بروایت ترمذی، شیخ البانی نے حسن قرار دیا ہے۔

[2] بروایت مسلم

ہو تو اس پر لعنت سے ڈرو۔ کیونکہ ابلیس نے تکبر کی بنا پر معصیت کی تو اس پر لعنت ہوئی۔"

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء علوم الدین میں لکھا ہے کہ:

"سعادت مندی کی کنجی بیداری اور فطانت ہے اور شقاوت کا سرچشمہ تکبر اور غفلت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر ایمان اور معرفت سے زیادہ عظیم نعمت کوئی نہیں۔ اور نورِ بصیرت کی بدولت انشراح صدر کے علاوہ اللہ تک وسیلے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ کفر اور معصیت سے بڑھ کر کوئی بد بختی نہیں اور ظلمتِ جہالت کے سبب دل کے اندھے پن کے سوا کفر اور معصیت پر ابھارنے والی کوئی چیز نہیں۔ تو سمجھ دار وہ ہیں جن کی ہدایت اللہ کو منظور تھی، اس لیے ان کے سینوں کو اسلام اور ہدایت کے لیے کشادہ کر دیا۔ جبکہ متکبر وہ ہیں جنہیں اللہ گمراہی کے لیے چھوڑ دیتا ہے اور ان کے سینوں کو تنگ اور اتنا زیادہ تنگ کر دیتا ہے جیسے انہیں زبردستی آسمان پر چڑھنا پڑ رہا ہو۔ پس متکبر وہ ہے جس کی بصیرت اتنی بھی نہ کھلی کہ خود ہدایت پانے کے لائق ہو جائے۔ اور جب وہ اندھے پن کا شکار رہا تو اس نے خواہشات کو رہنما اور شیطان کو اپنا رہبر بنالیا۔

پس تکبر ایک عظیم اور ہولناک آفت ہے۔ اسی میں خواص الناس برباد ہو جاتے ہیں۔ عوام الناس کو تو چھوڑیے، عبادت گزاروں، زاہدوں اور علماء میں سے کم لوگ ہی اس سے چھٹکارا حاصل کر پاتے ہیں۔ اور اس کی آفت عظیم کیوں نہ ہو جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔'

تکبر جنت اور بندے کے درمیان اس لیے حائل ہو گیا کیونکہ وہ بندے کو تمام مومنانہ اخلاق سے دور رکھتا ہے، جبکہ یہی اخلاق تو جنت کے دروازے ہیں اور تکبر ان دروازوں کو بند کر دیتا ہے۔ کیونکہ ایسے شخص میں جب تک تکبر کا شائبہ ہو تو وہ مومنوں کے لیے وہ نہیں پسند کر سکتا جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ ایسی کوئی بری صفت نہیں جسے متکبر، اپنے تکبر کو بچانے کے لیے، اپنانے پر مجبور نہ ہو۔ اور ایسی کوئی اچھی صفت نہیں جسے اپنانے سے متکبر قاصر نہ ہو اس ڈر سے کہ کہیں اس کی عزت اور طاقت میں کمی نہ آ جائے۔ اسی لیے جس شخص کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہوتا ہے وہ جنت میں نہیں داخل ہو گا۔ تمام رذیل اخلاق ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ ان میں سے چند مذموم اخلاق لازما دیگر پر ابھارتے ہیں۔ تکبر کی سب سے بری قسم وہ ہے جو علم سے مستفید ہونے، حق کو قبول کرنے اور اس کی پیروی کرنے سے روکے۔"

کہا جاتا ہے کہ جب جبلہ بن ایہم بن ابو شمر غسانی نے ارادہ کیا کہ وہ مسلمان ہو تو اس نے حضرت عمرؓ بن الخطاب کو اس معاملے کی اطلاع لکھ بھیجی اور حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔ حضرت عمر اور سب مسلمان اس بات پر خوش ہوئے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا:

"تم آؤ۔ تمہارے لیے وہی حقوق ہوں گے جو ہمارے لیے ہیں۔ اور تم پر وہی ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو ہم پر ہیں۔"

چنانچہ جبلہ پانچ سو گھڑ سواروں سمیت نکلا۔ مدینہ کے قریب پہنچا تو اس نے اپنا تاج پہن لیا اور اپنے سپاہیوں کو سونے اور چاندی سے بنے ہوئے کپڑے پہنائے۔ مدینہ میں داخل ہونے کے وقت کوئی ایسا شخص باقی نہ رہا جو اسے دیکھنے کے لیے نہ نکلا ہو۔ یہاں تک کہ عورتیں اور بچے بھی نکل پڑے۔ جب وہ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا تو انہوں نے اسے خوش آمدید کہا اور مجلس میں اپنے قریب کیا۔

پھر جب حضرت عمر نے حج کا ارادہ کیا تو جبلہ بھی اُن کے ساتھ روانہ ہوا۔ طواف کے دوران بنی فزارہ کے ایک شخص کا پاؤں جبلہ کے تہبند پر آ گیا جس سے تہبند کھل گیا۔ جبلہ نے غصے سے اس کی طرف دیکھا اور ایک تھپڑ رسید کیا جس سے اس شخص کی ناک زخمی ہو گئی۔ بنو فزارہ کے اس شخص نے حضرت عمرؓ سے مطالبہ کیا کہ وہ جبلہ سے اس کو بدلہ دلائیں۔ تو حضرت عمر نے جبلہ کو بلایا اور کہا: اے جبلہ تمہیں کس چیز نے مجبور کیا کہ تم بنی فزارہ کے اس بھائی کو مارو اور اس کی ناک توڑ ڈالو؟

جبلہ نے کہا: اس نے میرے تہبند پر پاؤں رکھ کر اسے کھول دیا، اگر مجھے بیت اللہ کی حرمت کا خیال نہ ہوتا تو میں اس کی گردن اڑا دیتا۔

حضرت عمر نے فرمایا: اب تو تم نے اقرار بھی کر لیا ہے، اب یا تو اسے راضی کرو اور یا میں اس کو تم سے بدلہ دلاؤں گا۔

جبلہ نے کہا: آپ مجھ سے اس کو بدلہ دلائیں گے جبکہ میں بادشاہ ہوں اور وہ ایک عام انسان ہے؟

حضرت عمر نے فرمایا: اے جبلہ! تمہیں اور اسے اسلام نے اکٹھا کر دیا ہے۔ اب ماسوائے تقویٰ اور عافیت کے تمہیں اس پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔

جبلہ نے کہا: واللہ، مجھے امید تھی کہ اسلام میں مجھے جاہلیت سے زیادہ عزت ملے گی۔

حضرت عمر نے فرمایا: یہ باتیں چھوڑو۔ اگر تم نے اس شخص کو راضی نہ کیا تو میں اسے بدلہ دلاؤں گا۔

جبلہ نے کہا: تو پھر میں عیسائی بن جاتا ہوں۔

حضرت عمر نے فرمایا: اگر عیسائی بنے تو میں تمہاری گردن اڑادوں گا۔

جبلہ نے کہا: اے امیر المومنین مجھے کل تک کی مہلت دیں۔

حضرت عمر نے فرمایا: منظور ہے۔

جب رات ہوئی تو جبلہ اپنے ساتھیوں سمیت مکہ سے نکل پڑا اور قسطنطنیہ جاکر عیسائی ہو گیا۔ کفر کی حالت میں جب جبلہ پر ایک لمبا عرصہ گزر گیا تو وہ اپنی حالت پر غور و فکر کرتے ہوئے رونے لگا اور چند اشعار کہے جن کا ترجمہ یہ ہے:

"اشرافیہ ایک تھپڑ کے عار سے عیسائی ہو گئے
حالانکہ اگر وہ صبر کرتے تو اس تھپڑ کا نقصان نہ ہوتا
ہٹ دھرمی اور غرور نے اس تھپڑ سے مجھے دور رکھا
لیکن اس کی خاطر میں تندرست آنکھ کو بیچ کر کانا بن گیا
کاش میری ماں مجھے نہ جنتی،
کاش میں اس بات کو قبول کر لیتا جو مجھے عمر نے کہی
کاش میں بیابان کی تکالیف جھیل لیتا،
کاش میں ربیعہ اور مضر کے درمیان گھومتا پھرتا
کاش میں شام میں معمولی سی زندگی گزار سکتا،
لیکن اپنی قوم میں ہی رہتا چاہے بینائی اور شنوائی سے محروم ہی کیوں نہ ہو جاتا۔"

پس متکبر شخص ذلیل رہتا ہے چاہے وہ اپنے آپ کو لوگوں سے اونچا تصور کیوں نہ کرے۔ جبکہ عاجزی اختیار کرنے والا لوگوں کو اگرچہ کم تر نظر آئے لیکن اس کا مرتبہ اور مقام اونچا ہوتا ہے۔

[شعر کا ترجمہ]:

"عاجزی اختیار کرو تو اُس ستارے کی طرح بن جاؤ گے جو دیکھنے والے کو پانی کی سطح پر نظر آتا ہے حالانکہ وہ خود بہت اونچا ہوتا ہے

اس دھوئیں کی طرح نہ بننا جو خود کو آسمان کی تہوں پر چڑھاتا ہے چاہے اپنے آپ میں جتنا ہی پیچ ہو۔"

☆☆☆☆☆

بقیہ: کانٹے اور پھول

دو ہفتے گزرنے کے باوجود حسن ابھی بھی پلستر میں لپٹا ہوا ہسپتال میں پڑا تھا۔ تقریباً دو ماہ بعد وہ باہر آیا۔ اس کی چال میں واضح لنگڑاہٹ پیدا ہو گئی تھی جو اندھیرے میں بھی واضح ہوتی۔ اس نے ایک سفید رنگ کی پیجو (۵۰۴) کار خرید لی اور اس میں گھومتا رہتا۔ تاہم، کیمپ میں اس کی مزید بدنامیاں سننے میں نہیں آئیں۔

۱۹۸۵ء میں اسرائیل اور تنظیم قیادت العامہ احمد جبریل کے درمیان قیدیوں کے تبادلے کا معاہدہ ہوا جس کے تحت بڑی تعداد میں فلسطینی قیدی رہا ہوئے۔ ان میں سے زیادہ تر فتح اور الجبهة الشعبية سے تعلق رکھتے تھے اور کچھ ان میں سے اسلامی تحریک کے بھی تھے جو پہلے قوات التحرير الشعبية سے وابستہ تھے۔ ان کی رہائی نے مقبوضہ علاقوں میں ایک قومی جشن کی فضا پیدا کر دی۔ وہ جہاں کہیں بھی جاتے جشن اور مبارکبادی کی محفلیں دیکھنے کو ملتیں۔

دوسری طرف ان تجربہ کار رہائی پانے والوں کی موجودگی نے فلسطینی عوام کے قومی اور سکیورٹی شعور میں واضح اضافہ کیا۔ ان کے تجربے اور معلومات نے مختلف مسائل پر سیاسی مباحثے کو بڑھاوا دیا۔ البتہ جاسوسوں کی نگرانی اور ان کے گشت نہ صرف جاری رہے بلکہ ان کی شدت اور تعداد میں بھی اضافہ ہوا۔

میرے بھائی شیخ محمد کا دل اپنی ایک مذہبی طالبہ کی طرف مائل ہو گیا تھا۔ محمد جمعرات کو غزہ واپس آیا اور جمعہ کے دن ہمارے ساتھ رہا۔ اس نے اپنی والدہ کو اس لڑکی کے بارے میں بتایا اور ان سے اجازت مانگی کہ وہ ابتدائی قدم اٹھا سکے۔ کچھ ہچکچاہٹ کے بعد اس کی والدہ نے اجازت دے دی۔ وہ چاہتی تھیں کہ پہلے وہ خود اس لڑکی کو دیکھ لیں کیونکہ انہیں محمد کی رائے کا مکمل اعتبار نہ تھا۔

محمد واپس بیرزیت گیا اور اس لڑکی سے درخواست کی کہ اسے ایک خاص معاملے پر دو منٹ بات کرنے کی اجازت دے۔ حیا سے اس کی اپنی حالت غیر تھی۔ بہر حال اس نے پوچھا کہ کیا وہ اس کے والدین سے اس کا رشتہ مانگ سکتا ہے؟ لڑکی کے گال شرم سے سرخ ہو گئے اور اس نے محض سر ہلا کر اثبات میں جواب دیا اور اپنے والدین کا پتہ بتایا۔

اگلے جمعے کو محمد اپنے اہل خاندان کے ساتھ لڑکی کے گھر گیا۔ اس کے ساتھ اس کی والدہ، بھائی محمود اور حسن، خالہ اور بہنیں فاطمہ اور تہانی بھی تھیں۔ محمد کی والدہ لڑکی سے متاثر ہوئیں اور بعد میں مذاق کرتے ہوئے کہنے لگیں، "اللہ اللہ شیخ محمد! میں تو تمہیں ہمیشہ اندھی بلی سمجھتی تھی، لیکن تم نے تو کمال کر دیا"۔ لڑکی کے والدین نے بھی رضامندی ظاہر کی اور منگنی کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے نکاح اور شادی کو ایک ڈیڑھ سال بعد لڑکی کی تعلیم مکمل ہونے تک موخر کرنے کا فیصلہ کیا جو کہ محمد اور ہم سب کے لیے قابل قبول تھا۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

امنیت (سکیورٹی) ⑤

الشیخ المجاہد سیف العدل

تیسرا باب: دفاعی سکیورٹی

افراد کی سکیورٹی

سکیورٹی یا امنیت سے مراد ایسے اقدامات ہیں جن سے ایک گروہ، اپنے رازوں کی، دوسروں سے حفاظت کرتا ہے۔ یہ گروہ سیاسی، اقتصادی، معاشرتی یا حکومتی بھی ہو سکتا ہے۔ ہم رازوں کی سکیورٹی کا بندوبست ان کے سیاسی، عسکری اور اقتصادی اہداف کے مطابق اور ان اہداف کے حصول کے لیے بنائے گئے منصوبوں کے مطابق کرتے ہیں، اس کے لیے ممکنہ احتمالات اور میسر مواقع کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔

دشمن ضرب لگانے کی تاک میں ہوتا ہے، اسی لیے اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ وار کرنے سے پہلے یہ جانے کہ اس نے وار کرنا کیسے ہے، تاکہ اس کی ضرب مؤثر بھی ہو۔ اس میں سب سے پہلی چیز معلومات ہے جسے وہ دو طریقوں سے حاصل کر سکتا ہے:

١. تنظیم میں نقب لگا کر:
   - نظم میں اپنا کارندہ داخل کر کے۔
   - نظم کے ہی کسی فرد کو اپنا ہم خیال بنا کے۔
٢. تنظیم کے کاموں کی جاسوسی کر کے:

نگرانی، جاسوسی، خفیہ تفتیش، تحقیق اور اس کے علاوہ ایسے اسلوب اپنائے جاتے ہیں جنہیں عام طور پہ خفیہ طریقے سے استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات ایسی تفتیش اعلانیہ بھی کی جاتی ہے، جب کسی علاقے میں دشمن کا جابرانہ تسلط ہو۔ اس میں وہ تمام قدیم وجدید وسائل شامل ہیں جو اس کے لیے استعمال میں لائے جاتے ہیں۔

جماعت کے لیے دشمن سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی معلومات کا دائرہ وسیع رکھے، اور اس کے لیے اسے چاہیے کہ ایسے وسائل استعمال کرے جو اسے اس مرض کا مکمل علاج فراہم کریں۔ ایسے اقدامات جو اس مقصد کے لیے اٹھائے جائیں گے وہ 'حفاظتی' اقدامات کہلائیں گے اور اس کے لیے لازم ہے کہ تمام افراد ان اٹھائے گئے اقدامات سے آگاہ ہوں تاکہ مکمل بیداری کا عنصر حاصل ہو۔

جماعت کی سکیورٹی افراد کی سکیورٹی ہے

اس سے مراد وہ تمام تدابیر ہیں جو انسانی عقل و دانش کی حفاظت کے لیے اختیار کی جاتی ہیں تاکہ اسے ہر طرح کے بیرونی اثر سے محفوظ کیا جا سکے اور یہ یقینی بنایا جا سکے کہ راز اور دستاویزات جن افراد کے ہاتھوں میں ہیں وہ محفوظ اور قابل اعتماد لوگ ہیں۔ جماعت کی سکیورٹی کو مندرجہ ذیل اقدامات کے ذریعے حاصل کیا جا سکتا ہے:

١. عقل کی حفاظت یعنی 'جماعت کے افکار' اور 'افراد کے افکار' کی حفاظت، اور اس کے لیے مسلسل تربیت کا اہتمام تاکہ افکار کی نہ صرف حفاظت ہو بلکہ دشمن کے میڈیا کے ذریعے درپیش ممکنہ خطروں سے بھی نمٹا جا سکے۔
٢. جماعت کو ہر قسم کے اختلاف اور تفریق سے بچانا۔ اس کے لیے کسی بھی فرد کو تنظیم کے کام تدریجاً یعنی مرحلہ وار سپرد کیے جائیں اور اس کے ساتھ ساتھ درس و تدریس بھی ہو اور جس فرد کو منظم کرنا مقصود ہو اس کے متعلق مطلوبہ مقدار میں معلومات مہیا کی جائیں۔

کسی فرد کو ذمہ داری تفویض کرنے کے مراحل

یہ مراحل درج ذیل ہیں:

١. معائنہ اور مشاہدہ

یہ ایسا مرحلہ ہے جس میں ایسے مجاہد ساتھی کا معائنہ اور مشاہدہ کیا جاتا ہے جسے تیار کرنا مقصود ہو کہ کیا وہ کسی تنظیمی کام کا اہل ہے اور اس میں مطلوبہ صفات موجود ہیں؟ ایسے مجاہد ساتھی سے ملاقات کرنے سے پہلے اس کے متعلق کم از کم اتنی معلومات ہونی چاہییں کہ جو دو آدمیوں کو بغیر تعارف کروائے معلوم ہو سکیں۔ اس مرحلے کو 'درست انتخاب' بھی کہا جا سکتا ہے۔

٢. تفصیلی معلومات اور جائزہ

جب ایک مجاہد ساتھی پہلا مرحلہ پار کر لیتا ہے اور اس پر کوئی خاطر خواہ اعتراض نہیں ہوتا تو پھر اس ساتھی کے متعلق ہم تفصیلی معلومات جمع کریں گے اور یہ سارا عمل مکمل راز داری کے ساتھ اور اس ساتھی کے علم میں لائے بغیر کیا جائے گا۔ اس صورت میں چند ایک باتوں کا ضرور خیال رکھا جائے گا:

ا) **اس کے ماضی کی معلومات:** اس کے ماضی میں کوئی ایسا مسئلہ نہ ہو جو اس کے مستقبل پر اثر انداز ہو سکتا ہو۔ مثلاً ایک شخص، جس کا پہلے کسی سیاسی جماعت کے ساتھ تعلق تھا، اور جماعت چھوڑنے کی وجہ چند خاص لوگوں کو یا اس جماعت کی قیادت کو معلوم ہو، یعنی اس نے کرپشن کی ہو یا اس کا کردار برا رہا ہو، لیکن عام لوگوں کو معلوم نہ ہو۔

امکان ہے کہ دشمن ایسے ساتھی پر دباؤ ڈالے اور اس کے کردار کو افشا نہ کرنے کی ضمانت پر اس سے کوئی کام کروانے کی کوشش کرے۔

۲) **موجودہ سیاست کے بارے میں سوچ:** یہ معلومات مجاہد ساتھی کے دوست و اقارب یا دیگر حضرات سے پوچھ کر معلوم کی جاسکتی ہیں کیونکہ ہر شخص کی سیاسی سوچ دوسروں کے ساتھ بحث و مباحثہ کرنے سے ہی سامنے آتی ہے۔ اس لیے بعض اوقات ایسے ساتھی کے ذہن میں 'جمہوریت' ایک کامیاب حکومت کے قیام کے لیے اچھی راہِ عمل ہوتی ہے یا وہ حکومت حاصل کرنے کے لیے اسے ایک مناسب وسیلہ سمجھتا ہے۔

۳) **موجودہ افکار کے بارے میں معلومات:** اسی طرح کسی بھی فرد کے موجودہ افکار کے متعلق معلومات ہونا بھی ضروری ہیں کیونکہ یہ ایک ایسا اہم معاملہ ہے جس پر افراد کے باہمی اتفاق اور انتشار کا دار و مدار ہوتا ہے۔ منہج و فکر کے واضح ہونے سے ہی جماعت کے اندر 'اختلافات' کے عنصر کو کم کیا جاسکتا ہے ورنہ دوسری صورت میں بعض اوقات بہت بڑے بڑے اختلافات رونما ہوجاتے ہیں۔

۳. افراد کی چھانٹی

ان دو مرحلوں کو مکمل کرنے کے بعد اب ایسے مجاہد ساتھی کو کسی دو میں سے ایک صف میں رکھا جانا چاہیے:

۱) **موافق ساتھی:** وہ ساتھی جو اللہ کے دین کے لیے مکمل 'ولاء' کا اظہار کرتا ہے اور اس کے کسی بیرونی دباؤ کے سامنے جھکنے کا احتمال بہت کم نظر آتا ہے۔

۲) **غیر موافق ساتھی:** وہ شخص جو اللہ کے دین کے لیے مکمل طور پہ 'ولاء' کا اظہار نہیں کرتا لیکن یہ کسی دوسری وجہ سے موافق بن جاتا ہے کیونکہ اس کے اندر بعض دوسرے وطنی افکار موجود ہوتے ہیں۔

۳) **غیر محفوظ ساتھی:** ایک ایسا شخص جس کے بارے میں امکان ہو کہ وہ سکیورٹی کے اعتبار سے کسی غلطی کا مرتکب ہو جائے گا، مثلاً اگر اس پر بیرونی دباؤ پڑے تو وہ فوراً اپنے ارادے کو ترک کر دے۔

۴. تعلقات قائم کرنا

اس مرحلے میں، وہ شخص، جس کی تیاری مقصود ہے اسے تنظیم کے بعض کاموں میں شریک کیا جائے گا اور اس کا تنظیم کے مرکزی یا کسی معاون مسئول کے ساتھ رابطہ ہو گا تاکہ اسے اِس دین کے مزاج کے بارے میں سمجھایا جائے اور وحدتِ فکر کے ساتھ جماعت کے امور بہتر طور پر جاری رہیں۔ یہ تعلقات مندرجہ ذیل صورت میں استوار ہوں گے:

- تنظیم کے ساتھ اجتماعی روابط اور تنظیم کے اندر اس کی شرکت تاکہ وہ تنظیم کے غم کو محسوس کر سکے۔
- فکری تعلقات تاکہ اسلوبِ عمل اور بصیرت یکجا ہو جائیں۔
- تنظیم کے امور میں شرکت کے ذریعے اس کے بارے میں معلوم کیا جائے گا کہ وہ کس قدر مہارتوں کا حامل ہے۔ اس کی جسمانی، عقلی اور نفسیاتی استعداد کیا ہے؟ اور کیا وہ راز چھپانے کا اہل ہے اور اس میں ثابت قدمی دکھا سکتا ہے؟ کیا اعمال کے اندر تیزی کے ساتھ تعامل و تصرف دکھاتا ہے اور یہ کہ اس کی اخلاقی و معنوی روح کی کیا کیفیت ہے؟ تاکہ ان تمام معلومات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے کہ اسے کس محاذ پر رکھنا مناسب ہے۔ اب اس کی تشکیل کی جائے گی۔

۵. تشکیل

۱) کھل کر کام کرنے والا فرد

۲) خفیہ کام کرنے والا فرد

۳) قائد

اب ہم ان تینوں افراد کی سکیورٹی کی صورت حال کے بارے میں علیحدہ علیحدہ پڑھیں گے۔

۱) کھل کر کام کرنے والا (جو لوگوں کے ساتھ ملتا جلتا ہے):

- ایسا شخص فضول گو نہ ہو اور نہ ہی خواہ مخواہ لایعنی سوال کرنے والا ہو تاکہ وہ اپنے ایسے ساتھیوں کے کاموں میں بگاڑ اور خرابی نہ پیدا کر دے جو اس سے کہیں پرانے ہوتے ہیں۔
- اپنے ساتھ کبھی بھی اپنی جان پہچان والے دیگر مجاہد ساتھیوں کے فون نمبر یا رابطوں کی معلومات اور پتے نہ لیے پھرے اور اگر ایسا کرنا بہر صورت ضروری ہو تو ان کی مناسب حفاظت کا بندوبست کرے۔
- جب حالات خراب ہوں اور گرفتاریاں عمل میں لائی جا رہی ہوں تب ایسے شخص کو چاہیے کہ اگر اس کی وضع قطع دین داروں جیسی ہو تو زیادہ حرکت نہ کرے۔ نہ ہی ایسے حالات میں اسے گھر پر وقت گزارنا چاہیے جب کہ اس کے لیے خاص، پر امن اور محفوظ پناہ گاہ موجود ہو۔
- نہ ہی بہت زیادہ باتونی ہو کہ جو بات اسے بتائی جائے، یا جماعت کا کوئی ایسا کام جو وہ کرنے والا ہو، یا کسی اہم کام سے متعلقہ بات تو وہ ہر کسی کو بیان کرتا پھرے۔
- اس کے لیے لازم ہے کہ کبھی بھی فون پر (یا انٹرنیٹ پر) کسی مجاہد ساتھی کو کوئی ایسی معلومات بہم نہ پہنچائے جو دشمن کے لیے قیمتی ہو۔
- اس کا رابطہ جب کسی اہم فرد یا افراد سے ہو (مثلاً فوج، پولیس یا اسٹریٹیجک جگہوں پر) تو وہ مکمل طور پر محفوظ ہو اور ان کے ساتھ تعامل میں جگہ، وقت اور معلومات کے حجم وغیرہ کا خیال رکھے تاکہ وہ کہیں معلومات سے صحیح استفادہ کیے بغیر ظاہر نہ کر دے۔ اسی طرح کوئی خط یا پیغام بھیجنے کے معاملے میں بالکل عام وسائل استعمال کرے اور ایسے پیغامات کے اندر کوئی ایسی بات

نہ ہو جس سے دشمن فائدہ اٹھا سکے۔ ایسے مکتوب کو پڑھنے کے فوراً بعد ضائع کر دے۔

۲) **خفیہ کام کرنے والا (وہ جو زیرِ زمین کام کرتا ہے):**

اس کے لیے مذکورہ بالا تمام سکیورٹی کی تدابیر کے علاوہ درج ذیل امور کا لحاظ رکھا جائے گا:

- وہ بالکل عام یعنی ایسی وضع قطع میں رہے گا جو کسی صورت اس کے دین دار ہونے پر دلالت نہ کرتی ہو، مثلاً داڑھی، رومال، مسواک، جیبی قرآن، جیبی اذکار کی کتاب وغیرہ۔
- وہ ان افعال و معمولات سے، جو باقی مجاہد ساتھیوں کے ہاں معمول ہیں، اجتناب کرے گا اور ایسے الفاظ، جو دوسرے استعمال کرتے ہیں، ان سے مکمل اجتناب برتے گا، مثلاً جزاک اللہ، اور اکثر باہر نکلتے اور واپس آتے ہوئے سلام کرنا وغیرہ۔
- وہ جس بھی جگہ موجود ہو اور جہاں بھی جائے تو اس سے قبل اس کے پاس خاطر خواہ کَوَر یعنی وہاں موجودگی کا جواز 'پہلے سے' موجود ہونا چاہیے، مثلاً فلیٹ، ملک، شہر، محلہ، وہاں آنے کا ذریعہ اور مقصد وغیرہ۔
- اپنے متعلق ایسی اسناد و کاغذات ساتھ رکھے جو ثابت کرتے ہوں کہ وہ ان میں ذکر کردہ کاموں کو پوری مہارت کے ساتھ جانتا ہے۔
- کہیں بھی وہ کسی منکر کو دیکھ کر اس منکر کے انکار کی طرف متوجہ نہیں ہو گا تاکہ نظریں اس کی طرف متوجہ نہ ہو جائیں، اسے جاننا چاہیے کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف ہے اور سب سے بڑے منکر کو ہٹانے کی راہ میں ہے۔
- کھل کر کام کرنے والے افراد کے ساتھ اس کا رابطہ ناگزیر ہے اور مکمل طور پر محفوظ ہونا بھی ضروری ہے لیکن بلا کسی اشد ضرورت کے کھل کر کام کرنے والے مجاہد ساتھی کے ساتھ ہرگز رابطہ نہ کرے۔
- کاغذات میں جس شہر کی طرف آپ منسوب ہیں وہاں کی زبان و لہجے میں آپ کو مکمل مہارت ہونی چاہیے تاکہ یہ نہ پتہ چلے کہ یہ 'اجنبی' ہے اور اس کے لہجے سے پتہ چلتا ہو کہ یہ لاہور کا یا کراچی کا ہے۔
- خفیہ کام کرنے والا ساتھی کثرت کے ساتھ مشہور اسلامی جگہوں پر بالکل نہ جائے جیسے کہ مسجد، دینی مراکز اور لائبریری وغیرہ۔
- مکتوبات بھیجنا اور وصول کرنا ہمیشہ خفیہ کوڈ میں (انکرپٹڈ/encrypted) ہو۔

۳) **قائد:**

قائد چاہے خفیہ کام کر رہا ہو یا کھل کر کام کر رہا ہو، اس کی خاص اہمیت ہے اور اس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

- کیونکہ اس کے دماغ میں سب سے زیادہ معلومات جمع ہیں۔
- قیادت کی سطح پر اس کا متبادل ملنا مشکل ہے!

اس لیے یہ از حد ضروری ہے کہ وہ تمام حفاظتی اقدامات، جن کا لحاظ باقی افراد کے بارے میں رکھا جاتا ہے، وہ شدت کے ساتھ قیادت کے لیے بھی رکھا جائے اور قیادت کی حفاظت کے لیے بڑے پہرے کا بندوبست ضروری ہے۔

اہم نوٹ:

شادی شدہ ساتھیوں کو چاہیے کہ کبھی بھی جہادی کاموں سے متعلق کوئی بھی بات اپنی بیویوں کے سامنے ہرگز بیان نہ کریں۔ ان مسائل میں کسی بھی صورت میں نرم رویہ نہ دکھائیں۔

۶. تیاری

- شرعی اور سیاسی تربیت تاکہ مجاہد ساتھی میں دینی اخلاقیات کی بنیاد مضبوط ہو۔
- عسکری تربیت، لیکن اس میں اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ افراد کی عسکری تربیت، ان کی سکیورٹی کا بندوبست کرنے اور ان کا جائزہ لینے کے بعد، انہیں مناسب درجات میں تقسیم کرنے کے بعد ہی کی جائے۔

۷. افراد پر نظر رکھنا

سکیورٹی کے اقدامات کے صحیح سمت میں جاری رہنے اور دشمن کی طرف سے کسی بھی نقب سے بچنے کے لیے وقتاً فوقتاً بعض اقدامات اٹھائے جانے چاہییں جو کہ درج ذیل ہیں:

- افراد کے اندر پیدا ہونے والی تبدیلیوں پر نظر رکھنا تاکہ کوئی فرد کسی ایسے عمل کی طرف نہ بڑھے جس کا اسے پہلے سے ادراک نہ ہو اور وہ جماعت کے لیے کسی نئے مخمصے کی وجہ نہ بن جائے۔
- افراد کے بارے میں اس بات کی یقین دہانی کرنا کہ وہ جدید سکیورٹی اور حفاظت کے اقدامات سے پوری طرح آگاہ ہیں۔
- کسی مجاہد ساتھی کی غلطیوں کا جلد ادراک کرنا اور اسے مناسب جگہ پر رکھنا۔
- کسی بھی قسم کے انحراف کی طرف فوری توجہ دینا اور تیزی سے اس کا علاج کرنا، مثلاً کسی ساتھی کو خفیہ سے نکال کر کھل کر کام کرنے والے مجموعے میں رکھنا۔
- ایسے ساتھی سے دور رہنا جو مسلسل انحراف پہ جما ہوا ہے۔

۸. سزائیں

جب سکیورٹی اقدامات اٹھائے جائیں تو درج ذیل پہلوؤں کا لحاظ رکھنا اشد ضروری ہے:

کسی بھی مخالفت کے مرتکب کے لیے ایسی سزا متعین ہو جس کے باعث وہ ایسی غلطی کا اعادہ نہ کرے۔ اور ہر ایسے شخص کو دور کر دیا جائے جس کا 'انحراف' ثابت ہو جائے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۶۶ پر)

معرکے ہیں تیز تر!

جمع و ترتیب: جلال الدین حسن یوسف زئی

شرقِ افریقہ، مغربِ اسلامی، جزیرۃ العرب اور پاکستان میں جاری اہم جہادی معرکوں کی خبریں اور اجمالی جائزہ (جنوری، ۲۰۲۶)

شرقِ افریقہ (صومالیہ)

- **۴ جنوری ۲۰۲۶ء:** حرکت شباب المجاہدین نے صومالیہ کی امریکی حمایت یافتہ خصوصی فورس دناب کے کمانڈر عقید ابراہیم فاری کو اس کے پانچ محافظین اور ایک فوجی افسر سمیت گھات لگا کر نشانہ بنایا۔ اس کمانڈر کو اس وقت ہلاک کر دیا گیا جب وہ مسلمانوں کے خلاف ایک ظالمانہ کارروائی سے واپس لوٹ رہا تھا جن میں متعدد خواتین اور بچے شہید ہوئے۔
- **۱۴ جنوری ۲۰۲۶ء:** حرکت شباب المجاہدین نے ریاست شبیلی کے قریب کلم ۶۰ کے علاقے میں حکومتی ملیشیا کو ایک گھات حملے میں نشانہ بنایا، جس کے نتیجے میں ایک فوجی افسر سمیت ۱۲ اہلکار ہلاک ہوئے۔ مجاہدین کو مختلف اقسام کے ہتھیار غنیمت میں حاصل ہوئے جس میں ایک عدد پیکا بھی شامل ہیں۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ دشمن اپنے مرنے والے اہلکاروں کی لاشیں گھات کے مقام پر چھوڑ کر فرار ہوا۔
- **۱۸ جنوری ۲۰۲۶ء:** حرکت شباب المجاہدین نے صومالیہ کے دار الحکومت موغادیشو کے شمال میں واقع ساحلی شہر ورشیخ کے علاقوں جبد غدنی، رون شیخ، شاس قاد اور برکا کاہ کو فتح کر لیا۔ مذکورہ علاقوں میں چار فوجی چوکیاں تھی، جن میں امریکہ اور ترکی کی طرف سے تربیت یافتہ صومالی افواج کے تین بٹالینز اور خفیہ ایجنسی کی ایک بٹالین تعینات تھیں۔ اس کارروائی کے نتیجے میں دشمن کے ۲۱ اہلکار ہلاک اور ۱۱ زخمی ہوئے۔ متعدد فوجی گاڑیاں اور کثیر تعداد میں ہتھیار، گولہ بارود اور دیگر فوجی ساز و سامان مجاہدین کو غنیمت میں حاصل ہوا جبکہ کچھ گاڑیوں کو تباہ کر دیا گیا۔
- **۲۱ جنوری ۲۰۲۶ء:** حرکت شباب المجاہدین نے صومالیہ کی ریاست جوبا السفلی میں ساحلی جزیرے "کدا" میں قائم فوجی اڈوں اور چھاؤنیوں پر تعارضی حملے کیے۔ جس کے نتیجے میں ۱۳۲ فوجی اہلکار ہلاک، ۷۴ زخمی اور ۱۷ کو زندہ گرفتار کر لیا گیا جبکہ "جزیرۂ کدا" مجاہدین کے ہاتھوں مکمل طور پر فتح ہو گیا۔ ۲۲ جنوری ۲۰۲۵ء کو جزیرۂ کدا کے معرکے میں مجاہدین کے ہاتھوں گرفتار ۱۷ فوجیوں کو امریکہ نے فضائی بمباری میں ہلاک کر دیا۔ یہ جزیرہ بحر ہند کے کنارے ایک اہم اسٹریٹجک مقام ہے اور شہر کسمایو سے تقریباً ۱۳۰ کلو میٹر جنوب مغرب میں واقع ہے۔

مغرب اسلامی (برکینافاسو)

- **۹ جنوری ۲۰۲۶ء:** جماعت نصرۃ الاسلام و المسلمین کے مجاہدین نے برکینافاسو کے صوبہ واھیغویا کے علاقوں "لانکوی" اور "بوروو" میں واقع دو فوجی کیمپوں پر حملہ کیا۔ جس کے نتیجے میں ۱۷ فوجی ہلاک ہوئے اور ۳۳ مختلف اقسام کے ہتھیار اور دو موٹر سائیکل مجاہدین کو غنیمت میں حاصل ہوئے۔ جبکہ دو فوجی گاڑیوں کو ناکارہ بنا دیا گیا۔
- **۲۱ جنوری ۲۰۲۶ء:** جماعت نصرۃ الاسلام و المسلمین کے مجاہدین نے برکینا فاسو کے صوبہ فادانغورما میں ایک فوجی کیمپ پر حملہ کیا، جس کے نتیجے میں ۱۰ فوجی اہلکار ہلاک ہوئے جبکہ مجاہدین کو مختلف قسم کے اسلحہ و دیگر ساز و سامان سمیت موٹر سائیکل غنیمت میں حاصل ہوئے۔

جزیرۃ العرب (یمن)

- **۶ جنوری ۲۰۲۶ء:** انصار الشریعہ کے مجاہدین نے صوبہ ابین کے علاقے مودیہ میں متحدہ عرب امارات کی ملیشیا کے آپریشنل یونٹ کی تین گاڑیوں پر گھات لگا کر حملہ کیا، جس کے نتیجے میں کئی اہلکار ہلاک اور زخمی ہوئے جس میں آپریشنز بریگیڈ کا چیف کیپٹن فواز الشجی بھی شامل تھا۔

پاکستان

- **۱۴ جنوری ۲۰۲۶ء:** اتحاد المجاہدین پاکستان کے مجاہدین نے بنوں سینٹرل جیل پر حملہ کیا۔ جس میں مجاہدین نے نائٹ وژن دوربین سے پولیس اہلکاروں کو نشانہ بنایا اور جیل کے احاطے میں دستی بم پھینکے۔
- **۲۴ جنوری ۲۰۲۶ء:** اتحاد المجاہدین پاکستان کے مجاہدین نے ضلع بنوں، تحصیل بکاخیل کے علاقے تختی خیل میں پاکستانی فوج پر اس وقت حملہ کیا جب قابض فوج اپنے ناجائز قبضے کو توسیع دینے کے لیے نئی پوسٹ تعمیر کر رہی تھی۔ جس کے نتیجے میں متعدد فوجی اہلکار ہلاک ہوئے باقی بچ جانے والے فوجیوں نے فرار کا راستہ اختیار کیا۔ اس کارروائی میں فوج کے تین کواڈ کاپٹر ڈرون بھی گرائے گئے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۵۵ پر)

عالمی جہادی محاذوں کی کارروائیوں کا اجمالی جائزہ

جنوری 2026ء

حرکت شباب المجاہدین
(صومالیہ/ کینیا)

- تعارض 25+
- ہلاکتیں 233+
- گھات 11+
- بارودی سرنگ 27+
- زخمی 114+

جماعت نصرۃ الاسلام والمسلمین
(مالی، برکینا فاسو)

- تعارض 65+
- ہلاکتیں 126+
- گھات 14+
- بارودی سرنگ 24+

اتحاد المجاہدین پاکستان
(پاکستان)

- تعارض 5+
- ہلاکتیں 25+
- گھات 3+
- اسنائپر حملے 4+
- زخمی 10+

الشوك والقرنفل
کانٹے اور پھول ۸

شیخ یحییٰ السنوار شہید رحمۃ اللہ علیہ کا شہرۂ آفاق ناول

مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' بطلِ اسلام، مجاہد قائد، شہیدِ امت، صاحبِ سیف و قلم شیخ یحییٰ ابراہیم السنوار رحمۃ اللہ علیہ کے ایمان اور جذبۂ جہاد و استشہاد کو جلا بخشتے، آنکھیں اشک بار کر دینے والے خوب صورت ناول اور خود نوشت و سرگزشت 'الشوک والقرنفل' کا اردو ترجمہ، قسط وار شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ یہ ناول شیخ نے دورانِ اسیری اسرائیل کی بئر سبع جیل میں تالیف کیا۔ بقول شیخ شہید اس ناول میں تخیل صرف اتنا ہے کہ اسے ناول کی شکل دی گئی ہے جو مخصوص کرداروں کے گرد گھومتا ہے تاکہ ناول کے تقاضے اور شرائط پوری ہو سکیں، اس کے علاوہ ہر چیز حقیقی ہے۔ 'کانٹے اور پھول' کے نام سے یہ ترجمہ انٹرنیٹ پر شائع ہو چکا ہے، معمولی تبدیلیوں کے ساتھ نذرِ قارئین ہے۔ (ادارہ)

سولہویں فصل

میری خالہ فتحیہ کی ایک بیٹی ہوئی جس کا نام "منی" رکھا گیا۔ یہ نوزائیدہ بہت خوبصورت، خوش مزاج اور ظریف تھی، لیکن اس کے باوجود میری خالہ کا دھیان اپنے بیٹے عبد الرحیم سے کبھی نہیں ہٹا، جو اب چلنے اور بات کرنے لگا تھا۔ پھر انہوں نے اسے نئے تعلیمی سال کے آغاز کے ساتھ اسکول بھیجنے کی تیاری شروع کر دی۔ عبد الرحیم ایک خوبصورت سانولا بچہ تھا، لیکن وہ بہت تیز مزاج تھا، اگر کوئی اسے ناراض کرتا تو وہ چپ رہتا اور اس وقت تک چپ رہتا جب تک کہ وہ اپنے غصے کا اظہار نہ کر لیتا، اور پھر وہ اسے مارتا جس نے اسے ناراض کیا تھا۔ وہ اپنے چچا عبد الرحمٰن سے بہت قریب تھا۔

عبد الرحمٰن نے اپنی یونیورسٹی کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد شادی کی اور اس کی ایک بیٹی ہوئی جس کا نام "رقیہ" رکھا۔ عبد الرحمٰن اپنے بھتیجے عبد الرحیم سے بے حد محبت کرتے تھے اور جب بھی موقع ملتا، وہ اسے لے کر باہر جاتے۔ ان کی ماں عبد الرحیم کو تیار کر کے چچا کے ساتھ بھیج دیتی اور وہ اسے یا تو پہاڑ کی طرف لے جاتے یا شام کو گاؤں میں چہل قدمی کے لیے لے جاتے۔ وہ قریبی دکان سے اسے اس کی پسند کی چیز خرید کر دیتے اور اکثر اسے مسجد لے جاتے جہاں وہ مغرب کی نماز پڑھتے اور عبد الرحیم اپنے چچا کے ساتھ کھڑے ہو کر ان کی نقل کرتا۔ اگر چچا نفل نماز میں سجدہ لمبا کرتے، تو عبد الرحیم اپنا سر اٹھا کر دیکھتا کہ چچا کس حالت میں ہیں، اور جب انہیں سجدہ میں دیکھتا تو خود بھی سجدے میں چلا جاتا۔ پھر وہ مسجد میں چچا کے ساتھ بیٹھتا، جہاں کچھ نوجوان آتے، جو کسی فقہی مسئلے، تاریخی واقعے یا سیرت النبی ﷺ کے بارے میں بات کرتے۔ عبد الرحیم ٹانگیں موڑ کر بیٹھ جاتا، اپنا سر جھکا لیتا، پھر بات کرنے والوں کی طرف دیکھتا اور سر اپنے ہاتھوں کے درمیان رکھ لیتا۔ عبد الرحیم کو اکثر اس کے چچا اپنے ساتھ الخلیل لے جاتے، جہاں وہ اپنے دوست اور ساتھی جمال سے ملتے۔ وہ گھر میں بیٹھ کر بات چیت کرتے، اور ان کے ساتھ دوسرے دوست بھی آتے، جو دینی، سیاسی اور دیگر موضوعات پر بات کرتے۔ کبھی کبھی وہ الخلیل کی کسی مسجد یا دوست کے گھر بھی جاتے۔

مقبوضہ علاقوں میں سیاسی شعور میں واضح بہتری آئی تھی، خاص طور پر نوجوانوں کے مراکز، یونیورسٹیوں، کالجوں اور ہائی اسکولوں میں۔ سیاسی اور فکری قوتوں کے درمیان مقابلہ بھی بتدریج بڑھ رہا تھا، کیونکہ ہر قوت زیادہ سے زیادہ مواقع اپنے حق میں کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مثلاً یونیورسٹیوں میں ہر دھڑا طلباء کو اپنے حق میں کرنے کی کوشش کرتا تاکہ وہ طلباء یونین کے انتخابات میں کامیابی حاصل کر سکے۔ اس مقابلے کے دوران اکثر چھوٹے اور محدود تصادم ہوتے رہتے تھے جو جلد اور آسانی سے حل کر لیے جاتے تھے۔ لیکن اسلامی تحریک کی طاقت کے مختلف مقامات پر مقابلے کے پیش نظر قومی تحریک، خاص طور پر فتح تحریک، میں شدید حساسیت پیدا ہو گئی تھی۔ قومی تحریک، جو مختلف دھڑوں کے ساتھ مل کر فلسطین لبریشن آرگنائزیشن (پی ایل او) کی نمائندگی کرتی ہے، خود کو فلسطین میں واحد رسمی اور نمائندہ تحریک سمجھتی تھی، یہی بات ہے جس پر فلسطینی عوام دہائیوں سے قائم ہیں، اس بات کو عرب لیگ، عرب ممالک، حتیٰ کہ اقوام متحدہ اور دیگر بین الاقوامی اداروں نے بھی تسلیم کیا ہے۔

یہ صورت حال دہائیوں تک جاری رہی پھر اچانک اسلامی تحریک مقبوضہ علاقوں میں ابھری، بڑے پیمانے پر بڑھی اور مختلف مقامات پر پی ایل او کے دھڑوں کے نمائندوں سے مقابلہ کرنے لگی۔ کئی مقامات پر جیتی، دیگر مقامات پر اچھا تناسب حاصل کیا، جس سے شدید تشویش پیدا ہو گئی۔ اس تشویش کو دو مزید پہلوؤں نے بڑھا دیا: پہلا یہ کہ اس تحریک نے مسلح جدوجہد میں کوئی عملی ذمہ داری نہیں نبھائی، اور دوسرا یہ کہ یہ فلسطین لبریشن آرگنائزیشن کو فلسطینی عوام کا واحد رسمی نمائندہ تسلیم نہیں کرتی۔ اگرچہ اس کے رہنما اور قائدین کھلے عام اس کا اقرار نہیں کرتے، لیکن وہ واضح طور پر اس حقیقت کو تسلیم بھی نہیں کرتے۔ اگر ان سے اس بارے میں پوچھا جائے تو وہ مصلحت پر مبنی جوابات دیتے ہیں جن میں نہ صاف ہاں ہوتی ہے نہ صاف ناں۔

اس تحریک کی طاقت میں اضافہ بالخصوص غزہ اور اسلامی یونیورسٹی میں دیکھا گیا، جہاں اسلامی تحریک نے طلباء کے انتخابات میں بڑی کامیابی حاصل کر کے طلباء پر تقریباً مکمل کنٹرول حاصل کر لیا۔ اس کے علاوہ اساتذہ کے انتخابات میں بھی اپنے امیدواروں کو جتوایا،

اور طالبات کے انتخابات میں بھی اپنے امیدواروں کو فتح دلوائی۔ اس طاقت کے بڑھنے سے صورت حال تشویش ناک ہو گئی، جس کے بعد توازن بحال کرنے کی زیادہ سنجیدہ کوششیں شروع ہوئیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بیرونی قیادتوں سے ہدایات آئیں کہ معاملات کو سنجیدگی سے حل کیا جائے۔ اس کے بعد تمام حلقے کام میں لگ گئے، جس سے کئی مقامات پر شدید کشیدگی پیدا ہوئی اور کئی بار یہ تصادم یونیورسٹیوں سے نکل کر گلیوں اور کیمپوں تک پہنچ گئے، جہاں ایک فریق کے اراکین پر دوسرے فریق کی طرف سے حملے ہوتے اور پھر جواب میں پہلا فریق دوسرے پر حملہ کرتا۔ اس طرح کے سلسلے میں جسمانی نقصانات بھی ہوئے اور کئی حالات میں علاج کی ضرورت پیش آئی۔

ان حالات میں ہر کوئی اپنی جماعتوں اور تنظیموں کے ساتھ جڑ گیا تھا، ہر کوئی اپنی جماعت کی حمایت میں بات کرتا اور ان کے موقف کا دفاع کرتا۔ یہ بات فوراً ہمارے گھر پر بھی اثر انداز ہوتی۔ میرے بھائی محمود الفتح سے تعلق رکھتے تھے، میرے بھائی حسن اور محمد اور میرے چچازاد ابراہیم اسلامی تحریک سے وابستہ تھے اور ہمارا پڑوسی اور حسن کی بیوی کے بھائی کا تعلق الجبهة الشعبية سے تھا۔ جب بھی ایسے تصادم یا جھگڑے ہوتے، یہ باتیں ہمارے گھر اور اس کے تعلقات پر بھی اثر ڈالتی تھیں، جہاں بحث و مباحثہ شروع ہو جاتا جو چیخ و پکار تک جا پہنچتا، "تم نے یہ کیا، نہیں! تم نے یہ کیا، تم کون ہوتے ہو یہ کرنے والے؟ اور تم اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہو؟......" میری ماں اصلاح کرنے اور مصالحت کی کوشش کرتیں، یا کم از کم یہ دیکھتیں کہ بات ہاتھاپائی تک نہ پہنچے، اور میں عموماً ان کے ساتھ کھڑا ہوتا۔ محمود کی بیوی اس کے ساتھ ہوتی، اور حسن کی بیوی اس کے ساتھ ہوتی، اور آخر میں سب، ایک دوسرے سے بچنے کی کوشش کرتے ہوئے، اور اپنی ناراضگی اور غصہ ظاہر کرتے ہوئے اپنے اپنے کمروں میں چلے جاتے۔

یونیورسٹی میں ابراہیم کے کردار اور اسلامی تحریک میں اس کے نمایاں مقام کی وجہ سے اس کی عزت غیر معمولی تھی، جو کچھ حد تک تقدس تک پہنچ جاتی تھی۔ لیکن چونکہ میں بھی یونیورسٹی میں تھا اور اس کے قریب تھا، میں یہ بات واضح طور پر محسوس کرتا تھا اور ڈرتا تھا کہ کہیں کوئی اس پر حملہ نہ کر دے۔ اس لیے، جب تک کہ میری کلاسز اور اس کی موجودگی مجھے اجازت دیتی میں حتیٰ الامکان اس کے قریب رہنے کی کوشش کرتا۔ کبھی کبھار وہ غائب ہو جاتا، اور جب کبھی وہ اسلامی تحریک کے کارکنوں کے ساتھ بیٹھا یا کھڑا ہوتا، تو میں ان کے قریب نہیں جاتا تھا کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ وہ اپنے خاص معاملات پر بات کر رہے ہوں گے اور یقیناً وہ نہیں چاہتے ہوں گے کہ میں ان کی باتیں سنوں۔

ایسا لگتا تھا کہ ابراہیم کے کردار کے بارے میں معلومات فتح کے کارکنان کے ذریعے میرے بھائی محمود تک پہنچتی تھیں، جو ان کے ایک لیڈر سمجھے جاتے تھے۔ مجھے محمود کے چہرے پر ابراہیم کے خلاف غصہ اور ناراضگی نظر آتی تھی مگر نہ وہ (کسی برے ارادے سے) اس کے قریب جا سکتا تھا اور نہ ہی اس سے کوئی ایسی بات نہیں کر سکتا تھا جو اسے ناراض کر دے، کیونکہ یہ میری ماں کے نزدیک ایک سرخ لکیر تھی۔ ابراہیم کی ناراضگی کا مطلب قیامت کے مترادف تھا، کیونکہ اس کی ماں نے اسے چھوڑ دیا تھا۔ کبھی کبھار محمود تصادم سے بچنے کی خاطر اپنے اعصاب پر قابو رکھتے ہوئے ابراہیم سے بات کرنے کی کوشش کرتا تو میری ماں اس پر غصہ نکالتیں۔ محمود اس سے بات کرتا کہ یہ کام اس طرح نہیں چلتے اور جو تم کر رہے ہو وہ غلط ہے وغیرہ، جس کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ، ہونے والے تصادم کا ذمہ دار ابراہیم اور اس کی تحریک کو ٹھہرا رہا ہوتا۔ ابراہیم مسکراتے ہوئے کہتا: یار! تم ہم پر ذمہ داری ڈالنے کی کوشش کر رہے ہو؟ ہم نے جھگڑا شروع نہیں کیا، اور تم لوگ ہمارے وجود کو ایک عوامی قوت اور ایک سیاسی و معاشرتی تحریک کے طور پر تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہو۔

محمود جواب دیتا کہ تم لوگ ہی تشدد کی طرف مائل ہوتے ہو اور لاٹھیاں، زنجیریں اور کلہاڑیاں استعمال کرتے ہو۔ تم لوگ فلسطین کی آزادی کی تنظیم (پی ایل او) کو تسلیم نہیں کرتے اور مسلح جدوجہد میں اپنی ذمہ داری نہیں نبھاتے اور قومی تحریک کے نمائندوں پر حملہ کرتے ہو جبکہ قبضہ کرنے والے تمہیں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔

ابراہیم ناراض نظر آتا اور پوچھتا: کیا ہم پر غداری کا الزام لگا رہے ہو کہ ہم قبضہ کرنے والوں کے پالے ہوئے ہیں؟

محمود وضاحت دینے کی کوشش کرتے ہوئے کہتا کہ میں تم پر الزام نہیں لگا رہا ابراہیم! لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہارے قائدین کے ذاتی مقاصد ہوں۔

ابراہیم جواب دیتا: یار ہم نے کبھی جھگڑا شروع نہیں کیا، ہم نے ہر بار اپنے دفاع میں کام کیا ہے، اصل مسئلہ یہ ہے کہ تم لوگ ہمارے وجود کو بطور حریف قوت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہو جیسے کہ فلسطینی کام اور اداروں اور تنظیموں پر قبضہ صرف تمہارے نام پر رجسٹرڈ ہو۔ تمہیں تسلیم کرنا ہو گا کہ یہاں ایک حریف قوت ہے جو تم سے نقطہ نظر اور موقف کا اختلاف رکھتی ہے۔

اسی دوران میری ماں، جو اس گفتگو کو سن رہی ہوتیں اور اس کی پیش رفت کو دیکھ رہی ہوتیں، مداخلت کرتیں اور کہتیں کہ اس بات چیت کو روک دو اور سڑکوں کی مشکلات کو گھر کے جھگڑوں میں تبدیل نہ کرو۔

ایک بار فوجی گورنر نے ابراہیم اور مختلف دیگر تحریکوں کے کارکنوں کو اپنے دفتر میں بلا بھیجا، جب ابراہیم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ تقریباً دس کارکن جمع ہیں، اور گورنر انہیں باری باری اپنے دفتر میں بلاتا ہے، جب ابراہیم کو بلایا گیا تو گورنر ان سے بات کرنے لگا اور انہیں حالات کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ ابراہیم نے اس انداز پر اعتراض کیا اور وضاحت کی کہ ان کا جھگڑوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

گورنر نے طریقہ بدلتے ہوئے کہا: تم لوگ جو قبضے میں رہتے ہو، آزادی چاہتے ہو، تم آپس میں لڑتے جھگڑتے ہو، تم لوگ زندگی کے مستحق نہیں ہو، اور تم یہ اور وہ ہو۔

ابراہیم ایک مشکل میں پڑ گیا کہ اگر وہ جواب نہیں دیتا تو یہ ایک تیز تھپڑ کی طرح ہو گا، اور اگر جواب دیتا تو گویا وہ اس کی تصدیق کر رہا ہے یا اس کا حصہ ہے۔ کچھ دیر سوچ کر ابراہیم نے کہا: سب سے پہلے میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ میرا ان جھگڑوں سے کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ تمام لوگ جو قبضے میں رہتے ہیں یا جن کے پاس خود مختاری اور ادارے ہوتے ہیں، ان میں اختلافات اور جھگڑے ہوتے ہیں اور یہ آپ کے ہاں بھی بار بار ہوا ہے، پرانے اور نئے دور میں، اور آخری بار ہگانا کے اعمال اِتسل کے خلاف تھے۔[1]

حاکم حیران رہ گیا اور اپنی حیرت چھپا نہ سکا اور پوچھا: تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟ ابراہیم نے جواب دیا: یہ کتابوں میں لکھا ہے۔ حاکم نے دوبارہ ابراہیم کو چیلنج کرنے کی کوشش کی اور کہا: مجھے فخر ہے کہ تم جیسے لوگ یہودی قوم کو اپنے لیے مثال اور نمونہ سمجھتے ہیں۔ ابراہیم نے جواب دیا: میں نے اسے نمونے اور مثال کے طور پر نہیں، بلکہ تاریخ کے ایک واقعے کے طور پر ذکر کیا ہے اور میں پھر سے یقین دلاتا ہوں کہ جو کچھ ہو رہا ہے اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔

ہر گزرتے دن کے ساتھ میری نظر میں ابراہیم کی عزت اور احترام بڑھتا جا رہا تھا، کیونکہ وہ ایک یتیم تھا جس کا باپ اس کی عمر کے چوتھے سال میں شہید ہو گیا تھا، پھر اس کی ماں نے بھی اسے کم عمری میں چھوڑ دیا تھا، اور وہ ہمارے درمیان پلا بڑھا۔ وہ مشکل حالات کے تحت قبضے کے باوجود ایک خود انحصار شخص اور باوجود اپنی کم سنی کے سچا قائد بن گیا تھا، حالانکہ حالات قابض حکومت کے تحت دشوار تھے۔

میں اسے دیکھتا تھا جب وہ یونیورسٹی کے صحن میں چلتا پھرتا، اِس سے بات کرتا، اُس سے بات کرتا، ان کو احکام اور ہدایات دیتا، اور چیزوں کو اپنی مرضی کے مطابق چلاتا۔ پھر وہ ایک مفکر اور اچھا مناظر بھی تھا، اور ان سب سے بڑھ کر اس کا کردار پردے میں رہنے والی باحیا کنواری لڑکی کی طرح تھا، حیا کی وجہ سے اس کا چہرہ اس طرح سرخ ہو جاتا گویا ابھی اس کے گال پھٹ جائیں گے۔

قابض افواج یونیورسٹی میں تعمیرات کو روک رہی تھیں تاکہ اسے محدود اور تنگ کر سکیں۔ حقیقی صورتحال کو تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ یونیورسٹی کے طلبہ کی تعداد پندرہ سو سے تجاوز کر گئی تھی اور اس کا اکیڈمک اور انتظامی عملہ بھی اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ کسی بھی طالب علم یا ناظر کے دل میں یہ شک نہیں رہا تھا کہ وہ خطرے کے مرحلے سے گزر چکی ہے اور سرکاری یونیورسٹی کے راستے پر گامزن ہے۔

یہ معاملہ استعمار کے خلاف ایک چیلنج میں تبدیل ہو چکا تھا، جو ہم سے ہر چیز میں لڑتا حتیٰ کہ تعلیم کے معاملے میں بھی لڑ رہا تھا، اس لیے ہم نے اس کا حل یہ نکالا کہ ہم خیمے اور کھجور کے پتوں کی آڑ بنا کر پڑھائی کریں۔ ابراہیم ہمارے سروں پر کھڑا ہوتا اور کام کی نگرانی کرتا اور طلبہ میں اصرار اور چیلنج کی روح پیدا کرتا۔ لہٰذا ہم میں سے ہر ایک یونیورسٹی آتا اور محسوس کرتا کہ یہ اس کے قومی فریضے کا حصہ پہلے ہے تعلیمی فکر بعد میں ہے۔ "جامعہ الخیم" کا نام اسلامی یونیورسٹی پر نقش ہونے لگا۔ یہ ہمارے فخر اور اعزاز کا موضوع تھا اور استعمار علم و تعلیم کے لیے عوام کی مرضی کے سامنے کھڑا نہیں ہو سکا، اس نے حقیقی امر کو تسلیم کرنا شروع کر دیا تھا، اور ہمیں آگے بڑھنا تھا۔ اچانک بغیر کسی پیشگی اطلاع کے یونیورسٹی میں کئی ٹرک داخل ہوئے اور بڑی مقدار میں تعمیراتی مواد اتارنا شروع کر دیا، اور اچانک ابراہیم طالب علم اور کارکن سے ٹھیکیدار میں تبدیل ہو گیا جہاں اس نے اور چند معزز طلبہ نے اور ہم میں سے سینکڑوں نے اس کی مدد کی اور اینٹوں سے کلاس رومز کی تعمیر شروع کی اور ان کی چھت اسبیسٹوس(asbestos) سے بنائی۔

اس طرح جب استعمار پر حقیقت مسلط کی گئی تو کچھ ہی دیر میں کئی کلاس رومز تیار ہو گئے، اور کچھ عرصہ بعد مزید کچھ کلاس رومز تیار ہو گئے، پھر تیسری قسط بھی تیار ہو گئی اور یہ واضح ہو گیا کہ ہمیں کھجور کے پتوں اور خیموں کی چھتریوں کی ضرورت نہیں رہی۔ یہ سب کچھ ابراہیم کی عظمت، قدر اور محبت کو میری نظروں اور دل میں بڑھا رہا تھا۔

ابراہیم اپنی پڑھائی میں بہترین تھا، اور طلبہ کی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتا تھا اور اپنے ساتھیوں میں اپنے گروپ کے لیڈر کی حیثیت سے ممتاز مقام رکھتا تھا۔ ان سب کے علاوہ وہ تعمیراتی کام بھی کرتا تھا جس سے اسے اتنے پیسے مل جاتے تھے جو اس کے خرچ کے لیے کافی ہوتے تھے۔ بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ ایک دن شام کے وقت جب ہم سب گھر میں بیٹھے تھے، اس نے میری ماں سے مخاطب ہو کر کہا: میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں مگر ڈرتا ہوں کہ کہیں آپ مجھ سے ناراض نہ ہو جائیں۔ ماں نے کہا: تم جانتے ہو کہ میں تم سے ناراض نہیں ہوتی اور میں جانتی ہوں کہ تم کوئی ایسی بات نہیں کہو گے جس سے مجھے دکھ ہو۔ اس نے کہا: لیکن ایسا ہو سکتا ہے کیونکہ یہ پہلی بار ہے کہ میں ایسی بات کرنے چلا ہوں، اس لیے معافی چاہتا ہوں۔ ماں نے حیرانی اور تعجب سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا: کیا بات ہے، ابراہیم؟ اس نے اپنی جیب سے پیسے نکالتے ہوئے کہا کہ میں گھر کے خرچ میں حصہ ڈالنا چاہتا ہوں، میں اب بڑا ہو گیا ہوں اور کافی پیسے کماتا ہوں، اس لیے مجھے خرچ میں حصہ ڈالنا چاہیے۔ اتنا سننا تھا کہ ماں نے چیختے ہوئے کہا: کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟ ابراہیم نے آہستہ سے کہا: اماں، میں اب...... ، ماں نے دوبارہ چیختے ہوئے کہا: نہ تم اب نہ کچھ اور، اس فضول بات کو چھوڑ دو۔ اگر تمہارے پاس ضرورت سے زیادہ پیسے ہیں تو مجھے دے دو، میں انہیں تمہارے لیے بچا کر رکھوں گی۔ کل کو تمہیں ضرورت پڑ سکتی ہے اور ویسے بھی جب تم یونیورسٹی سے فارغ ہو کر شادی کرو گے تو ضرورت پڑے گی۔ پھر ماں نے نرمی سے کہا: جب بھی تمہارے پاس ایک پیسہ زیادہ ہو، مجھے دے دیا کرو۔ میں اسے تمہارے لیے بچا کر رکھوں

[1] "ہگانا" اور "اِتسل" دونوں نے بیسویں صدی کے وسط میں فلسطینی سرزمین پر برطانوی حکومت کے خلاف اور بعد میں عربوں کے خلاف یہودی ریاست کے قیام میں حصہ لیا۔

گی، اس کی تمہیں ضرورت پڑے گی ابراہیم! مگر ایسا لگتا تھا کہ ماں کا یہ انکار اس کے لیے قابل قبول نہیں تھا کہ میں اسے دیکھتا کہ ہر کچھ دن بعد وہ گھر آتا اور ساتھ میں کھانے پینے کی چیزوں یا پھلوں یا سبزیوں یا مٹھائیوں کا ایک لفافہ یا تھیلا لے آتا، جسے وہ گھر میں اپنے حصے کے طور پر لاتا۔ ماں اسے عزت اور احترام کی نظر سے دیکھتی اور کہتی: ہائے میں تمہارے ساتھ کیا کروں، ابراہیم، خدا تمہیں خوش رکھے۔

مسلح مزاحمت کافی حد تک کم ہو گئی تھی اور یہ مثل مشہور ہو گئی تھی کہ ہر یہودی کی موت سے یہ ہوتا ہے، جس سے اس چیز کی نایابی یا عدم موجودگی کی طرف اشارہ کیا جاتا تھا، نہ صرف دشمنوں کے درمیان موت کم ہو گئی تھی بلکہ کسی بھی مزاحمتی عمل کی علامات بھی کم ہو گئی تھیں۔ فوجی گشت کی تعداد بھی کم ہو گئی تھی جو سڑکوں پر گشت کرتی تھی، بہت ہی کم کرفیو لگایا جاتا تھا، رات کا کرفیو ہٹا دیا گیا تھا، لوگوں کو کئی علاقوں میں رات کے وقت سمندر کے کنارے رہنے کی اجازت دی گئی تھی۔

یہودیوں کی بسیں ہفتے کے دن تفریح اور سستے داموں چیزوں کی خریداری کے لیے مختلف علاقوں میں آنا شروع ہو گئی تھی، مثلاً غزہ کے قلب میں۔ اس سے ملک کی روایتی معاشرت پر بہت منفی اثر پڑ رہا تھا۔ جب درجنوں بسیں نیم عریاں لڑکیوں اور عورتوں کو لے کر آتیں تو علاقوں کے ذمہ دار انٹیلی جنس افسران اپنی گاڑیوں (سوبارو) میں سڑکوں پر گھومنے لگتے بلکہ وہ کسی بھی وقت اور کسی بھی جگہ گاڑی روک کر راہگیر کو بلاتے اور اس سے اس کا شناختی کارڈ مانگتے اور اس سے تفتیش شروع کر دیتے یا اس سے بغیر کسی حفاظتی اہلکار اور بنا کسی خوف یا اندیشے کے بات چیت کرنے لگتے، اور کبھی کبھار اگر کسی گلی میں انہیں کچھ مشکوک نظر آتا تو وہ اس گلی میں دوڑتے ہوئے مطلوبہ شخص کے پیچھے جاتے۔ اسی طرح اس بڑی بھاری فورسز کے باوجود جو خیموں پر حملہ نہیں کر سکتی تھی حالات اس سطح پر پہنچ گئے تھے۔ کبھی وہ کسی نوجوان پر چلاتے نظر آتے جسے انہوں نے روکا ہے اور کبھی کبھار اسے تھپڑ یا لات بھی مار دیتے، پھر اپنی گاڑی میں بیٹھ کر اس کا شناختی کارڈ واپس کیے بغیر چلے جاتے اور اس نوجوان کو اپنے دفتر میں آنے کا حکم دیتے، اور اگر وہ نہ جائے تو اس کے لیے بڑی مصیبت ہوتی۔

اندرونی علاقوں میں مزدوروں کی حرکت بغیر کسی حد یا ضابطے کے ہو گئی تھی، اور ان مزدوروں اور کاریگروں نے یہودی مالکان کے ساتھ دوستی کے تعلقات بنا لیے تھے اور یہ صرف کام کے تعلقات تک محدود نہیں رہا بلکہ معاشرتی تعلقات تک بھی پہنچ گیا تھا۔ اگر کوئی مزدور ایک ہفتے کی چھٹی چاہتا کہ اس کی شادی ہے تو اس کا مالک اس سے شادی کی تاریخ پوچھتا اور اسے بتاتا کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ مبارکباد دینے اور تحفے لے کر آئے گا۔ اکثر نظر آتا کہ ایک اسرائیلی گاڑی جس پر پیلے رنگ کی لائسنس پلیٹ تھی، کیمپس میں داخل ہوتی، رکتی اور اس کا ڈرائیور عبرانی یا ٹوٹی پھوٹی عربی میں کسی سے فلاں دلہا یا فلاں دلہن کے گھر کا پتہ پوچھتا اور وہ اسے راستہ بتاتے، پھر وہ اپنی گاڑی دروازے کے سامنے روک دیتا اور وہ اور اس کی نیم عریاں بیوی (ہمارے معیار کے مطابق)، تحفے اٹھائے ہوئے گھر کے اندر جاتے، ایک گھنٹے یا اس سے کم وقت کے لیے بیٹھتے اور پھر بغیر کسی مداخلت کے چلے جاتے۔

قابض انٹیلی جنس نے منظم اور منصوبہ بند طریقے سے کیمپس میں سرایت کرنا شروع کر دیا تھا اور اس کے خلاف کوئی مزاحمت یا اعتراض نہیں تھا۔ علاقے کے ذمہ دار انٹیلی جنس افسر سیکڑوں طلبی کے نوٹس نوجوانوں اور مردوں کو بھیجتے اور یہ ان کے دفتر جاتے، تخشیبہ (یہ وہ جگہ ہوتی ہے جہاں لوگ بیٹھ سکتے ہیں، آرام کر سکتے ہیں، یا کچھ وقت گزار سکتے ہیں) میں گھنٹوں بیٹھے رہتے، پھر انہیں ایک ایک کر کے بلایا جاتا، مارا جاتا، دھمکایا جاتا، دھمکیاں دی جاتیں، سودے بازی کی جاتی، تسلی دی جاتی اور ہر ممکن کوشش کی جاتی کہ ان میں سے کسی کو بھرتی کیا جا سکے، اور یوں کبھی کبھار وہ کچھ کمزور لوگوں پر قابو پانے میں کامیاب بھی ہو جاتے۔ جو بھی بیرون ملک پڑھنے، اپنے رشتہ داروں سے ملنے، یا کام کرنے کے لیے جانا چاہتا، یا تعمیراتی کام، ورکشاپ، یا دکان کھولنے کا اجازت نامہ چاہتا، یا جو کچھ بھی چاہتا اسے باضابطہ انٹیلی جنس کے دفتر میں حاضری دینی پڑتی، جہاں پھر سودے بازی شروع ہو جاتی اور اپنی خدمات کے بدلے میں اس شہری سے معمولی خدمات طلب کی جاتیں۔ لہٰذا جب ابتدائی تعاون کے لیے آمادگی نظر آتی تو یہ سمجھ لیا جاتا کہ اسے ترقی دے کر مکمل تعاون اور پھر غداری و خیانت تک لے جا سکتے ہیں۔ بات یہاں تک محدود نہیں رہی بلکہ اس سے بھی تجاوز کر گئی کہ کچھ مخبر مشہور و معروف ہو گئے اور وہ اپنی کمر پر پستول لے کر گلیوں میں گھومنے لگے۔ یہ لوگ جب چاہتے انٹیلی جنس آفس میں داخل ہو جاتے، لوگوں پر غصہ نکالتے اور ان پر حملہ کرتے۔ معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ جب کسی کو اجازت نامہ یا لائسنس چاہیے ہوتا اور انٹیلی جنس افسر انکار کر دیتا تو وہ ان مشہور مخبروں میں سے کسی کے پاس جا کر اس سے مدد کی درخواست کرتا، اور یہ مخبر اس کے بدلے کمیشن مانگتا۔

ایک پڑوسی کا بیٹا ترکی میں تحصیل علم کے لیے گیا تھا، اس نے میڈیکل کالج کے چھ سال مکمل کر لیے تھے اور انٹرن شپ کا ایک سال باقی تھا مگر اب اسے سفر کی اجازت نہیں دی جا رہی تھی۔ وہ بار بار انٹیلی جنس افسر کے پاس جاتا اور ہر بار اسے انکار ہی سننے کو ملتا، یہاں تک کہ وہ تھک گیا۔ پھر کسی نے اسے مشورہ دیا کہ وہ ایک مشہور مخبر کے پاس جا کر اس سے مدد مانگے۔ لہٰذا اس نے ایسا ہی کیا مگر اس مخبر نے اس کام کے لیے پانچ سو اردنی دینار مانگے جو بہت بڑی رقم تھی۔ جب اس شخص نے بحث کی کہ رقم بہت زیادہ ہے تو مخبر نے طنزیہ انداز میں کہا کہ میں یہودیوں کا مخبر ہوں، اگر تم مجھے قتل کرنے کی سکت رکھتے ہو تو پھر مجھے اس سے پہلے ہی تمہارا خون چوس لینا چاہیے۔

کچھ نے دفتر کھول کر اجازت نامے اور اس جیسے دیگر معاملات کے حصول میں مدد کی جو انٹیلی جنس کی اجازت کے بغیر ممکن نہیں تھے اور اس سے کمیشن کما کر دولت بنانے لگے اور مہنگی گاڑیاں چلانے لگے۔ یہ واضح ہو گیا کہ قابض انٹیلی جنس اور اس کے مخبر منشیات، شراب اور حشیش کے کاروبار اور استعمال فروغ دینے لگے تھے۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ اس سے عوام کی تباہی اور کسی بھی مزاحمتی روح کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے، اور ان کے جاسوس اسے تیزی سے پیسہ کمانے کا ذریعہ سمجھتے تھے اور ان کا تحفظ بھی ہوتا تھا۔ مخبر فحاشی اور بدکاری کو

فروغ دینے لگے اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں فحش تصاویر، میگزین اور جنسی ویڈیوز تقسیم کرنے لگے۔

مختلف تنظیموں کے سرگرم کارکن ان تاریک اور مایوس کن مناظر کو دیکھتے مگر نہ صرف یہ کہ وہ ان مظاہر کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے تھے بلکہ وہ سب ان جاسوسوں کی مستقل نگرانی میں تھے۔ چونکہ میرے بھائی محمود اور میرے چچازاد بھائی ابراہیم معروف کارکن تھے، اس لیے ایک مخبر نے ہمارے گھر کے مرکزی دروازے کی نگرانی شروع کر دی تھی، مگر وہ لوگ نہیں جانتے تھے کہ ہمارے گھر کا ایک اور دروازہ بھی ہے، جو پہلے میرے چچا کے گھر کا دروازہ تھا، لہٰذا محمود اور ابراہیم خاموشی سے پچھلے دروازے سے گھر سے نکل جاتے، اور وہ جاسوس سمجھتے کہ وہ ابھی تک گھر میں ہیں۔

کیمپ میں تمام نوجوان بہت سی خواتین کی کہانیاں جانتے تھے کہ وہ عورت یا لڑکی جاسوسی کے جال میں پھنس کر انٹیلی جنس کے لیے کام کرنے لگی ہے۔ وہ نوجوانوں کو پہلے جنسی تعلقات میں ملوث کرتی، پھر ان کی فحش اور شرمناک حالت میں تصاویر بنائی جاتیں اور پھر انٹیلی جنس انہیں بلیک میل کر کے اپنے ساتھ کام کرنے پر مجبور کرتی۔

کچھ کہانیاں خاص طور پر مشہور ہو گئی تھیں۔ جیسے کچھ بیوٹی پارلر یا فوٹو گرافی اسٹوڈیو جو کہ انٹیلی جنس کے ایجنٹس کے زیر استعمال تھے، اخلاقی گراوٹ پر مبنی اعمال کے لیے استعمال ہوتے تھے جنہیں بعد میں سکیورٹی والوں کے جال میں پھنسانے کے لیے بطور پہلا قدم استعمال کیا جاتا۔ یہ کہانیاں اُس وقت سامنے آئیں جب کئی لڑکیوں نے خودکشی کی، اور اپنے خاندان کو خط لکھ کر بتایا کہ وہ کس طرح دھوکہ کھا گئی تھیں، مثلاً جب وہ فلاں بیوٹی پارلر گئیں تو وہاں ان کے مشروب میں نشہ آور چیز ملا دی گئی، جب وہ ہوش میں آئیں تو دیکھا کہ ان کا ریپ ہو چکا تھا اور ان کی فحش تصاویر بنائی جا چکی تھیں، انہیں دھمکی دی گئی کہ انٹیلی جنس کے لیے کام کریں، ورنہ ان کی تصاویر عام کر دی جائیں گی، اس لیے انہوں نے خودکشی کو ترجیح دی۔

یہ کہانیاں بہت مشہور ہو چکی تھیں اور ان لڑکیوں کے ساتھ ساتھ ان جگہوں اور ان ایجنٹس کے نام بھی سب کو معلوم ہو چکے تھے۔ واضح ہو چکا تھا کہ انٹیلی جنس ایک منظم طریقے سے فساد پھیلانے کا کام کر رہی ہے تا کہ عوام کو برباد کیا جا سکے اور مستقبل میں ان کی آزادی یا مزاحمت کے تمام امکانات ختم کیے جا سکیں۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ ان کے طور طریقے مزید پیچیدہ ہوتے جا رہے تھے۔ ایک مشہور ایجنٹ کے دفتر نے ایک اعلان کیا کہ ایک سیاحتی سفر کا اہتمام کیا جا رہا ہے جس میں نوجوان لڑکوں کو اسرائیل کے اندر کچھ مشہور سیاحتی مقامات، جیسے فشخہ، بانیاس یا عین جیدی لے جایا جائے گا۔ جب اس قسم کے سفر ہوتے تو انٹیلی جنس کے ایجنٹس کے ساتھ کئی معروف فاحشائیں بھی شامل ہوتیں جو ان نوجوانوں کو بدنام کرنے کے لیے فحش تصویریں بنا لیتیں۔

کیمپ کے ایک نوجوان نے ایسے ہی ایک سفر میں شرکت کی اور وہاں اس کی فحش حالت میں تصاویر بنائی گئیں۔ کیمپ کے انٹیلی جنس افسر نے اسے اپنے دفتر بلایا اور اس سے تعاون کرنے کا مطالبہ کیا۔ نوجوان نے انکار کیا تو افسر نے اس کی تصاویر دکھائیں اور اسے بدنام کرنے کی دھمکی دی۔ اس کے باوجود نوجوان نے انکار کیا تو افسر نے کہا: میں تمہیں ایک ہفتے کی مہلت دیتا ہوں، اس کے بعد دوبارہ بلاؤں گا، اگر تم نے تعاون نہ کیا تو تم دیکھو گے کہ میں تمہیں کیسے بدنام کرتا ہوں۔ نوجوان خوف زدہ ہو کر نکل آیا اور اسے محسوس ہوا کہ وہ ایک جال میں پھنس گیا ہے۔ اگر وہ تعاون سے انکار کرتا ہے تو کیمپ میں اس کی بدنامی ہو گی اور اس کی عزت خاک میں مل جائے گی، اور اگر وہ تعاون کرتا ہے تو وہ اپنے اہلِ وطن سے غدار کا مرتکب ہو گا۔ آخر کار اس نے اپنے ایک دوست سے مشورہ لیا کہ اس مصیبت سے کیسے نکلا جائے؟ اس کا دوست بھی حیران تھا کیونکہ اسے بھی ایسی باتوں کا کوئی تجربہ نہیں تھا، دونوں نے مل کر محمود بھائی سے رجوع کیا اور انہیں سارا ماجرا سنایا۔

محمود نے اس نوجوان کو ڈانٹا کہ وہ ایسی جگہوں پر کیوں جاتا ہے اور وہ کیسے مخبروں کے قریب جا پہنچا اور کیسے اس مصیبت میں پھنس گیا؟ آخر میں اس نے نوجوان کو سمجھایا کہ اس کی مشکل کا حل موجود ہے۔ جب اس نے اپنے دوست کو بتا دیا اور اس کے ساتھ یہاں آ گیا تو اس مسئلے کا حل نکل آیا۔ کیونکہ عام طور پر انٹیلی جنس ایسی تصاویر کو شائع نہیں کرتی بلکہ انہیں محض نوجوانوں کو دھمکانے کے لیے استعمال کرتی ہے اور بدنامی کا خوف ہی لوگوں کو ان سے تعاون پر مجبور کر دیتا ہے۔ اس نے نوجوان کو ہدایت دی کہ اگر دوبارہ انٹیلی جنس افسر سے ملاقات ہو تو اسے صاف بتا دے کہ وہ بدنامی سے نہیں ڈرتا، بے شک اس کی تصاویر نشر کر دی جائیں بلکہ وہ خود ہزاروں نسخے لے کر کیمپ میں تقسیم کرے گا۔

چند دن بعد نوجوان کو طلب کیا گیا اور اس نے محمود کی ہدایت پر عمل کیا۔ ابو ودیع غصے سے پاگل ہو گیا اور دھمکیاں دینے لگا۔ مگر آخر کار اس نے نوجوان کو دفتر سے باہر نکال دیا اور کہا کہ وہ اسے مزید وقت دے گا اور اگر اس نے تعاون نہ کیا تو اس کی زندگی کو عذاب بنا دے گا۔ ایک شام ابو ودیع کیمپ کی گلیوں میں گاڑی چلا رہا تھا کہ اس نوجوان کو کچھ سامان خریدتے ہوئے دیکھا۔ جب ابو ودیع نے اسے بلانے کے لیے گاڑی روکی تو نوجوان بھاگتے ہوئے ایک گلی میں چلا گیا اور ابو ودیع اس کے پیچھے بھاگ کھڑا ہوا۔

محمود اور اس کے ساتھی اکثر اپنی محفلوں میں انٹیلی جنس کی سرگرمیوں اور اس کے جاسوسوں پر بات چیت کرتے تھے کہ ان کا مقابلہ کیسے کیا جائے۔ وہ اس پر غور کرتے مگر انہیں کوئی تدبیر نہیں سوجھتی تھی۔ لگتا ایسا تھا کہ حالات اتنے بگڑ گئے تھے کہ انہیں قابو میں لانا مشکل ہو گیا تھا۔

ہماری مصیبت یہ تھی کہ میرا چچازاد حسن دوبارہ کیمپ میں نظر آنے لگا تھا۔ اس کی یہودی محبوبہ نے اسے اپنے اپارٹمنٹ سے نکال دیا تھا کیونکہ اس کی کمپنی اس کے والد کے ساتھ دیوالیہ ہو گئی تھی۔ وہ بے بس ہو کر واپس کیمپ آ گیا تھا۔ جب وہ گھر آیا تو یہ طے تھا کہ اس کا

ہمارے بیچ کوئی مقام نہیں ہو گا اور اس کی واپسی کی یہاں کوئی گنجائش نہیں۔ وہ یہودیوں کی طرح ہی لگنے لگا تھا اور ہم میں سے کوئی بھی اسے دیکھنا گوارا نہیں کرتا تھا۔

محمود کا خیال تھا کہ ہم اسے ایک موقع دیں اور اسے ٹھیک کرنے اور اس کی حالت کو معمول پر لانے کی کوشش کریں۔ ہم نے اس کے لیے مہمان خانہ خالی کر دیا اور ہم سب نے اسے یہ احساس دلانے کی کوشش کی کہ سارا خاندان اس کی حرکتوں سے نالاں ہے۔ لیکن نہ تو اس پر غصے کے اس اظہار سے کوئی فرق پڑا اور نہ ہی ہم سب کی ناراضگی سے۔ ہر روز وہ کسی پڑوسی پر حملہ کرنے یا ان کی عزت پر حملہ کرنے کی کوشش کرتا۔ شکایات آتیں اور محمود اسے نصیحت کرتا، لیکن بے سود۔ یہاں تک کہ صورتحال ناقابل برداشت ہو گئی اور یہ واضح ہو گیا کہ اس کی اصلاح ناممکن ہے۔ اس لیے ہم نے متفقہ طور پر اسے گھر سے نکالنے کا فیصلہ کیا، اور اس معاملے میں سب سے زیادہ سخت ابراہیم تھا۔ ایک روز جب حسن کوئی فضول حرکت کر کے لوٹا تو ابراہیم نے اس سے سختی اور غصے سے بات کرنا شروع کی اور اسے بتادیا کہ ہمارے ہاں اس کی کوئی جگہ نہیں ہے اور وہ جہاں چاہے چلا جائے۔ ہم سب اس گفتگو میں شامل ہونے کے لیے اندر آئے اور اسے واضح طور پر بتا دیا۔ اس نے اپنا کچھ سامان، خاص طور پر اپنا ٹیلی وژن لیا، اور زیادہ تر عبرانی اور کچھ ٹوٹی پھوٹی عربی میں بڑبڑاتے اور گالیاں دیتے ہوئے نکل گیا۔

چند دنوں بعد ہمیں خبر ملی کہ وہ ایک مشتبہ عورت کے گھر میں رہ رہا ہے جو بہت بدنام تھی۔ پھر خبریں آنے لگی کہ وہ منشیات، چرس اور فحش تصاویر اور رسالے پھیلانے میں ملوث ہے۔ یہ واضح ہو گیا کہ اس کا یقینی طور پر (خفیہ ایجنسی) کے ساتھ تعلق ہے اور ہمیں اس کا یقین اس وقت ہوا جب محمد کے کچھ دوستوں نے بتایا کہ حسن باقاعدگی سے ابو ودیع کے دفتر جاتا ہے اور بغیر کسی سختی یا نگرانی کے وہاں آتا جاتا ہے۔

ہمارے کیمپ میں ہماری ساکھ ہمیشہ بہترین رہی تھی جیسا کہ ہر فلسطینی چاہتا ہے، بلکہ محمود کی فتح میں پوزیشن اور ابراہیم کی اسلامی تحریک میں پوزیشن کی وجہ سے ہم قومی عمل اور دینی استقامت کے مرکز بن گئے تھے—جیسا کہ میری ماں کہتی تھیں کہ ”الحمدللہ، پورا کیمپ آپ کی زندگی اور آپ کے ادب کی قسم کھاتا ہے“۔ مگر حسن کی اچانک آمد نے ہماری ساکھ خراب کر دی۔ اس بدنامی سے سب سے زیادہ متاثر ہونے والا میرا بھائی حسن تھا کیونکہ اکثر لوگوں نے بڑے بدعنوان اور مشتبہ حسن الصالح کے بارے میں سن رکھا تھا، لہٰذا جب میرے بھائی حسن کا نام حسن الصالح ذکر کیا جاتا تھا تو سننے والا کانپتا اور حیرانی سے آنکھیں پھاڑتا۔ ہر بار حسن کو پوری کہانی شروع سے بیان کرنی پڑتی۔ کبھی سامعین یقین کرتے اور کبھی وہ اپنے سروں کو ہلاتے اور ان کی آنکھیں بتاتی تھی کہ وہ یقین نہیں کر رہے۔

حسن اور حسن کے مسائل ہماری زندگی میں مرکزی اہمیت اختیار کر چکے تھے۔ اگرچہ محلے اور کیمپ کے سب لوگ ہمیں جانتے تھے، پھر بھی ہم نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا تھا کہ ہمیں اس بدنامی کی وجہ سے سر جھکا کر چلنا پڑے گا جو ہم پر آ پڑی تھی۔ یہ لعنت ہم سے کیسے دور ہو سکتی ہے؟ ہمیں کچھ کرنا تھا، اور ہماری بے بسی واضح تھی۔ ایک دن ابراہیم میرے پاس آیا اور کہنے لگا: احمد، مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم وعدہ کرو کہ کسی کو نہیں بتاؤ گے۔ میں نے کہا: میرا وعدہ ہے۔ اس نے کہا: ہمیں حسن کو مارنا ہی ہو گا!

میں نے جو سنا اس پر دنگ رہ گیا، اور بغیر کچھ کہے اسے حیران نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس نے دوبارہ کہا: ہاں، ہمیں اسے مارنا ہو گا۔ یا تو ہم اسے علانیہ ماریں گے تاکہ ہم بدنامی کے اس داغ کو دھو سکیں اور میں عمر قید کی سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں، یا ہم اسے چھپ کر ماریں گے، اصل اور اہم بات یہ ہے کہ اسے کسی طرح دنیا سے غائب کر دیا جائے۔

میں ابراہیم کی تکلیف محسوس کر رہا تھا اور وہ سب بھی جانتا تھا جو ہم سب حسن، اس کے اعمال اور بری شہرت کی وجہ سے برداشت کر رہے تھے، لیکن پھر بھی میں اس حد تک جانے کے لیے تیار نہیں تھا، یہاں تک کہ میں یہ سوچنے تک کو تیار نہ تھا۔

لیکن ہمیں کوئی حل نکالنا تھا، اس لیے میں نے ابراہیم کو تجویز دی کہ ہم حسن کی ٹانگیں توڑ دیں تاکہ وہ گھر میں پڑا رہے اور لوگوں کو تنگ نہ کرے۔ میں نے اسے سمجھایا کہ میں اس سے آگے جانے کے لیے تیار نہیں ہوں، اس نے مجھ سے اتفاق کیا۔

ہم حسن کے پاس گئے اور اسے معاملہ بتایا۔ وہ فوراً مان گیا اور اس نے لوہے کے تین پائپ اور تین ماسک تیار کرنے کا وعدہ کیا۔ پھر ایک رات جب وہ نشے میں دھت اپنے گھر واپس جا رہا تھا تو ہم نے گھات لگائی اور اس پر حملہ کر دیا۔ ابراہیم نے اس کے سر پر ضرب لگائی اور وہ گر گیا۔ میں نے ابراہیم کو سر کی بجائے ٹانگوں پر مارنے کی ہدایت دی اور ہم نے اس کی ٹانگوں اور بازوؤں پر بے دریغ ضربیں لگائیں۔ پھر ہم وہاں سے چلے گئے اور حسن نے پائپ اور ماسک چھپا دیے۔

اگلی صبح خبر پھیل گئی کہ ایک گروپ نے حسن کو مارنے کی کوشش کی مگر وہ نہیں مرا، البتہ اسے شدید چوٹیں آئی ہیں اور اس کی ٹانگیں اور ایک بازو ٹوٹ گیا ہے اور اس کی کھوپڑی میں بھی فریکچر ہے۔ اسے ہسپتال لے جایا گیا۔ ہم نے اس معاملے سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ظاہر کی، حالانکہ سب کی نظریں کہہ رہی تھیں کہ تم لوگوں نے کر دکھایا، اللہ تمہارے ہاتھ سلامت رکھے۔

کچھ دن بعد پولیس کی گاڑی ہمارے گھر آئی اور ہمیں لے گئی۔ گھر کے تمام نوجوانوں کو لے جایا گیا اور ہم پر حسن کو قتل کرنے کی کوشش کا الزام لگا کر تفتیش کی گئی۔ ہم نے انکار کیا کہ ہم اپنے چچازاد بھائی کو کیسے مار سکتے ہیں، وہ تو ہمارے گوشت اور خون کا حصہ ہے، اور خون پانی نہیں بن سکتا۔ ہمیں تقریباً دو ہفتے حراست میں رکھنے کے بعد رہا کر دیا گیا کیونکہ ہمارے خلاف کچھ ثابت نہیں ہوا۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۲۵ پر)

خباب ابن السبیل

جنرل کیانی کے حکم پر جی ایچ کیو کی قدیم مسجد شہید کی گئی۔ کرنل ریٹائرڈ انعام الرحیم

کرنل ریٹائرڈ انعام الرحیم نے اپنے ایک انٹرویو میں انکشاف کیا ہے کہ سابق آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی نے جی ایچ کیو میں ۷۴ء کی تعمیر کردہ مسجد شہید کروائی، کیونکہ جی ایچ کیو میں جب داخل ہوتے ہیں تو سامنے وہ مسجد تھی۔ جنرل کیانی فوج کا یہ امیج نہیں دکھانا چاہتا تھا۔ اس لیے یہ مسجد شہید کروائی گئی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں نے ان کی ایکسٹینشن چیلنج کی تھی جس کی مجھے قیمت چکانا پڑی۔

دسمبر ۲۰۲۰ء میں وزارت دفاع نے جاسوسی کا الزام لگا کر کرنل (ر) انعام الرحیم کو ان کے گھر سے گرفتار کر لیا تھا اور ایک ماہ نو دن حراست میں رکھنے کے بعد ۲۲ جنوری ۲۰۲۲ء کو انہیں عدالتی حکم کے باعث رہا کیا گیا تھا۔ ان کی جبری گمشدگی کو میڈیا میں سخت تنقید کا نشانہ بنایا گیا کیونکہ وہ خود بھی لاپتہ افراد کے لیے وکالت کرتے رہے تھے۔ وہ فوج کے حراستی مراکز میں قید افراد کے مقدمات لڑنے کے علاوہ فوجی عدالتوں اور فوجی سربراہان کی مدتِ ملازمت میں توسیع کے خلاف عدالتوں سے رجوع کر چکے ہیں۔ پرویز مشرف کے اقتدار میں آنے کے بعد وہ فوج میں رہتے ہوئے پرویز مشرف کے ناقدین میں شامل تھے۔ انہوں نے آرمی چیف جنرل پرویز مشرف سے تمغہ امتیاز ملٹری وصول کرنے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ پرویز مشرف اور دیگر عسکری شخصیات کے اثاثوں سے متعلق انعام الرحیم نیب سے بھی رجوع کرتے رہے۔ پرویز مشرف کے اثاثوں کے بارے میں انہوں نے مختلف فورمز پر درخواستیں بھی دیں۔

پارلیمانی وفد کی سرکاری خرچ پر روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری

پاکستان پیپلز پارٹی (پی پی پی) کی رکن قومی اسمبلی شگفتہ جمانی کی سربراہی میں قائمہ کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ تجویز میں کہا گیا کہ روضہ رسول ﷺ پر حاضری کے لیے پارلیمانی وفد سرکاری خرچ پر بھجوایا جائے، جو پاکستان کے عوام کا سلام عرض کرے۔ کمیٹی کے مطابق وفد پہلے بھی پاکستانی عوام کی طرف سے سلام عرض کرنے روضہ رسول ﷺ جا چکا ہے، اب پارلیمانی وفد ہر سال مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ جائے گا، وفد میں شامل ارکان کے اہل خانہ بھی ہمراہ جا سکیں گے اور پاکستان کے عوام کی طرف سے عمرہ ادا کریں گے۔ رکن کمیٹی اعجاز الحق کی تجویز پر کمیٹی نے مطالبہ کیا کہ وفد کے لیے تعداد ۷ کے بجائے ۱۰ کی جائے، اسپیکر قومی اسمبلی وفد کے ارکان نامزد کریں گے، اسپیکر کی غیر موجودگی میں چیئرمین وفد کی سربراہی کر سکیں گے۔ چیئرپرسن کمیٹی شگفتہ جمانی کا کہنا تھا کہ اسپیکر ۱۵، ۱۵ لوگوں کے وفود لے کر جاتے ہیں، اس پارلیمانی وفد کے اخراجات قومی اسمبلی اٹھائے، خود تو کبھی بھی جا سکتے ہیں۔ کمیٹی ارکان نے حمایت کی کہ ہم چاہتے ہیں کہ قومی اسمبلی یہ خرچ اٹھائے۔ کمیٹی نے یہ سفارش بھی کی کہ پاکستان ہاؤس کی سعودی عرب میں تعمیر تک وفد کو سرکاری خرچ پر ہوٹل میں ٹھہرایا جائے۔ کمیٹی نے ہدایت دی کہ وفد کو سٹیٹ گیسٹ ظاہر کرنے کے لیے دفتر خارجہ کے نمائندے کو بلایا جائے۔ وزیر مذہبی امور سردار یوسف کی جانب سے کمیٹی کی تجاویز کی حمایت کی گئی۔ بلوچستان سے ایک صارف سوشل میڈیا پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ ایک سرکاری ملازم ہیں ان کے محکمے میں ان افسران کو عمرے پر بھیجا گیا ہے جو نہ صرف فوج و خفیہ اداروں کے غیر قانونی احکامات پر عمل درآمد کرواتے ہیں بلکہ کروڑوں روپے کی رشوت و خرد برد میں ملوث ہیں۔ بظاہر یہ لگتا ہے کہ محکمہ یا محکمے کی ڈوریاں ہلانے والی شخصیات ان کرپٹ افسران کی خرد برد سے حاصل ہونے والی آمدن میں اپنا حصہ وصول کرتے ہیں اور پھر اس تعلق کو مضبوط بنانے کے لیے بطور انعام ہی ان کرپٹ افسران کے لیے سرکاری خرچ پر عمروں کا انتظام کروا رہے ہیں۔

پشین بلوچستان میں ثالثی کے لیے بھیجے جانے والے افراد بھی سی ٹی ڈی کے ہاتھوں قتل

بلوچستان کے ضلع پشین سے تعلق رکھنے والے سید طفیل شاہ نے اپنے خاندان کے دو عمر رسیدہ افراد سید عبدالرحیم شاہ اور سید عبدالقدیم شاہ کی موت کو خاندان کے لیے ایک بڑا سانحہ قرار دیا ہے۔ یہ افراد پشین کے علاقے کلی کربلا میں سی ٹی ڈی کی ایک کارروائی میں مارے گئے تھے۔ ان افراد کے رشتہ داروں اور علاقہ مکینوں کے مطابق یہ دونوں افراد ان چھ ثالثوں میں شامل تھے جو متعلقہ حکام کی اجازت سے ملزمان سے بات چیت کے لیے گئے تھے تاکہ ان کو ہتھیار ڈالنے پر آمادہ کرایا جا سکے۔ انہوں نے اس بات کو سختی سے مسترد کیا کہ قدیم شاہ اور رحیم شاہ حکومت کو مطلوب افراد کا ساتھ دینے کے لیے گئے تھے بلکہ وہ صرف ایک خیر خواہ کی حیثیت سے گئے تھے تاکہ خواتین اور بچے محفوظ ہوں اور یہ معاملہ ’پُرامن طریقے سے حل ہو۔‘ انہوں نے بتایا کہ ہمارے دونوں سفید ریش بزرگ کسی بھی مقدمے میں مطلوب نہیں تھے بلکہ وہ پورے علاقے میں خیر خواہ کی حیثیت سے مشہور تھے۔ علاقہ مکینوں کے مطابق ثالثی کے لیے جانے والے افراد ملزمان کو ہتھیار ڈالنے پر آمادہ کر چکے تھے اور سی ٹی ڈی کو فائرنگ روکنے کی درخواست کرتے رہے مگر سی ٹی ڈی فائرنگ روکنے کو تیار ہی نہ تھی۔ بلوچستان میں جعلی مقابلے تو روز کا معمول ہیں البتہ یہ درندگی کی انتہا ہے کہ پولیس نے جنہیں بطور ثالث بھیجا تھا انہیں بھی قتل کر ڈالا اور پھر اس جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے مقتولین پر جھوٹے الزامات لگائے کہ وہ بھی پولیس کو مطلوب تھے۔

اردن فلسطینی کارکنوں کے فون ہیک کرنے کے لیے اسرائیلی سافٹ ویئر استعمال کرنے لگا

دی گارڈین کی رپورٹ کے مطابق اردن اسرائیلی کمپنی کے فون کھولنے والے ٹول کا استعمال کرتے ہوئے غزہ کے حامی

کارکنوں کی نگرانی کر رہا ہے۔ یہ خبر کینیڈا کی یونیورسٹی آف ٹورنٹو سے منسلک تحقیقاتی ادارے Citizen Lab کی ایک تفصیلی تحقیق پر مبنی ہے، جس کا عنوان ہے "From Protest to Peril: Cellebrite Used Against Jordanian Civil Society"۔ تحقیق میں نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ اردنی سیکیورٹی اداروں نے اسرائیلی کمپنی سیلیبرائٹ کے بنائے ہوئے فورنسک ایکسٹریکشن ٹولز کا استعمال کر کے غزہ کی حمایت کرنے والے اور اسرائیل پر تنقید کرنے والے کارکنوں کے موبائل فونز سے ڈیٹا نکالا۔

سیلیبرائٹ ایک اسرائیلی کمپنی ہے جو پولیس اور سیکیورٹی اداروں کے لیے ڈیجیٹل فورنسک ٹولز بناتی ہے۔ یہ ٹولز فون ہاتھ میں ہونے پر لاک کھول کر مکمل ڈیٹا نکال لیتے ہیں۔ یہ اسپائی ویئر (جیسے Pegasus) کی طرح ریموٹلی نہیں کام کرتے، بلکہ فون ضبط کرنے کے بعد استعمال ہوتے ہیں۔ نکالا جانے والا ڈیٹا: تصاویر، ویڈیوز، چیٹس، میسجز، لوکیشن ہسٹری، محفوظ پاس ورڈز، ویب ہسٹری، سوشل میڈیا اکاؤنٹس، واٹس ایپ/دیگر ایپس کا ڈیٹا، اور بعض اوقات ڈیلیٹ کیا گیا ڈیٹا بھی۔ اردنی سول سوسائٹی کے اراکین، جن میں دو سیاسی کارکن، ایک طالب علم آرگنائزر، اور ایک انسانی حقوق کا کارکن شامل ہیں۔ ان کے فونز گرفتاری کے دوران ضبط کیے گئے۔ کل کم از کم ۷ کیسز میں اس ٹول کا استعمال ثابت ہوا۔ سٹیزن لیب تنظیم کا کہنا ہے کہ یہ استعمال بین الاقوامی انسانی حقوق کے معاہدوں (خاص طور پر ICCPR) کی خلاف ورزی ہے جس پر اردن نے دستخط کیے ہیں۔ سیاسی مخالفین اور سول سوسائٹی کو بغیر مناسب جواز یا عدالتی احکام کے نگرانی کرنا ممنوع ہے۔ اردن کے سائبر کرائم لاء (جسے ۲۰۲۳ء میں وسعت دی گئی) کے تحت بھی یہ کیسز چلائے گئے۔

تجارتی معاہدوں میں انڈونیشیا کی جانب سے امریکی مطالبے مسترد

انڈونیشیا نے امریکہ کے ساتھ تجارتی مذاکرات میں امریکی بنائے گئے ڈرون خریدنے کا مطالبہ مسترد کر دیا ہے۔ یہ ڈرون جنوبی چین سمندر کے قریب پانیوں میں نگرانی کے لیے تھے، لیکن انڈونیشیا نے اسے اپنے آئین کی خلاف ورزی اور قومی خود مختاری پر حملہ قرار دیتے ہوئے انکار کر دیا۔ اسی طرح جنوبی چین کے سمندر کے پالیسی تبدیل کرنے کا مطالبہ بھی مسترد کیا گیا، کیونکہ یہ تجارتی توازن سے تعلق نہیں رکھتا۔ تاہم، انڈونیشیا نے دیگر امریکی شرائط پر اتفاق کیا ہے، جن میں شامل ہیں: سنگاپور کی بجائے امریکہ سے زیادہ ایندھن درآمد کرنا، امریکی معیارات والے آٹو موبائلز کو بغیر انڈونیشیائی ٹیسٹ کے درآمد کی اجازت دینا، آئی ٹی، میڈیکل آلات اور ڈیٹا سینٹرز میں مقامی مواد کی ضروریات جیسی غیر ٹیرف رکاوٹیں ختم کرنا، امریکی الیکٹرک گاڑیوں کی بیٹریوں کے لیے نکل کے خام مال کی فراہمی، بدلے میں امریکہ انڈونیشیا کی اشیا پر ٹیرف کو ۳۲ فیصد سے کم کر کے ۱۹ فیصد کرے گا (انڈونیشیا کا امریکہ کے ساتھ تقریباً ۱۸ بلین ڈالر کا تجارتی سرپلس ہے)۔ انڈونیشیا کے حکام نے زور دیا کہ مذاکرات صرف تجارت، سرمایہ کاری اور روزگار پر مرکوز رہیں گے، غیر تجارتی مسائل (جیسے دفاعی یا خارجہ پالیسی) میں نہیں جائیں گے۔

انڈونیشیا نے ترکی کے تیار کردہ ففتھ جنریشن KAAN فائٹر جیٹ خریدنے کی شرط رکھتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ یہ طیارہ مکمل طور پر امریکی پارٹس (components) سے پاک ہو، یعنی ان میں کوئی بھی ایسا پارٹ نہ ہو جو امریکی برآمد کنٹرول قوانین (خاص طور پر ITAR - International Traffic in Arms Regulations) کے تحت آتا ہو۔ یہ شرط اس لیے رکھی گئی ہے کہ انڈونیشیا اپنے دفاعی اثاثوں میں مکمل خود مختاری اور سیاسی آزادی چاہتا ہے۔ امریکی قوانین کی وجہ سے مستقبل میں آپریشنز، اپ گریڈز، ٹیکنالوجی ٹرانسفر یا مرمت میں امریکہ کی منظوری کی ضرورت پڑ سکتی ہے، جو انڈونیشیا کے لیے قابل قبول نہیں۔ گزشتہ سال ترکی اور انڈونیشیا کے درمیان تقریباً ۱۵ بلین ڈالر کا فریم ورک معاہدہ ہوا تھا، جس میں KAAN جیٹس کی خریداری، مقامی پیداوار، ٹیکنالوجی ٹرانسفر اور صنعتی تعاون شامل ہے۔ ترک ایرو اسپیس انڈسٹریز (TAI) کے سی ای او محمد دمیر اوغلو نے بتایا کہ ڈیل تین مراحل میں ہو گی: پہلا مرحلہ فریم ورک معاہدہ ہے، جبکہ دوسرے اور تیسرے مراحل ۲۰۲۶ء میں متوقع ہیں۔

فی الحال KAAN میں امریکی بنائے ہوئے جنرل الیکٹرک (GE) انجن استعمال ہوتے ہیں، جو ITAR کے تحت آتے ہیں۔ بعد میں ترکی اپنا مقامی انجن استعمال کرے گا۔ انڈونیشیا کا کہنا ہے کہ وہ ITAR-free ورژن کا انتظار کرے گا، چاہے اس میں وقت لگے (ممکنہ طور پر ۲۰۳۰ء کی دہائی تک تاخیر ہو سکتی ہے)۔ یہ خبر انڈونیشیا کی دفاعی حکمت عملی کی بھرپور عکاسی کرتی ہے، جہاں وہ مختلف ملکوں (ترکی، جنوبی کوریا، فرانس وغیرہ) سے طیارے دیکھ رہا ہے تاکہ کسی ایک ملک پر انحصار نہ ہو۔ مذاکرات جاری ہیں، اور انڈونیشیا نے واضح کر دیا ہے کہ بغیر امریکی اجزاء کے KAAN ہی خریدے گا۔ یہ وہ بنیادی اصول ہیں جنکو مدنظر رکھتے ہوئے آزاد ممالک کے رہنما دفاعی معاہدے اور خرید و فروخت کرتے ہیں۔ جبکہ پاکستان میں حالت یہ ہے کہ تجارتی و دفاعی معاہدے کرتے ہوئے نہ ملکی خود مختاری کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور نہ ہی معاشی مفادات دیکھے جاتے ہیں۔ کمیشن اور مغربی آقاؤں کی گڈ بک میں رہنا انکا اولین ہدف ہوتا ہے۔

افریقی ملک گیمبیا کا میانمار کے خلاف عالمی عدالت انصاف میں مقدمہ

گیمبیا ایک چھوٹا مسلم اکثریتی مغربی افریقی ملک ہے جس نے ۲۰۱۹ء میں انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس (ICJ) میں میانمار کے خلاف مقدمہ دائر کیا تھا، جس میں الزام لگایا گیا ہے کہ میانمار نے روہنگیا مسلمان اقلیت کے خلاف نسل کشی کی ہے، جو ۱۹۴۸ء کی نسل کشی کنونشن کی خلاف ورزی ہے۔ جنوری ۲۰۲۶ء میں دی ہیگ (ہالینڈ) میں ICJ میں اس مقدمے کی مکمل سماعتیں (merits phase) شروع ہوئیں۔ ۱۲ جنوری سے شروع ہونے والی ان سماعتوں میں گیمبیا کے وزیر انصاف اور اٹارنی جنرل داؤدہ جالو نے کہا کہ روہنگیا کو نشانہ بنایا گیا اور ان پر "خوفناک تشدد" کیا گیا۔ میانمار کی فوج نے ۲۰۱۶ ۲۰۱۷ میں شدید کارروائیاں کیں، جس سے لاکھوں روہنگیا مارے گئے، عصمت دری کی گئی، گھر جلا دیے گئے اور تقریباً ۷۵۰,۰۰۰ روہنگیا بنگلہ دیش بھاگ گئے۔ گیمبیا جو او آئی سی کا رکن ہے، اسے سابق آمر یحییٰ جامیہ کے دور میں ظلم و ستم کا سامنا رہا، اس لیے وہ انسانی حقوق اور انصاف کی حمایت کرتا

ہے۔ یہ ایک ’’تھرڈ پارٹی‘‘ مقدمہ ہے، یعنی گیمبیا خود متاثر نہیں لیکن عالمی انسانی حقوق کے اصولوں کی حفاظت کے لیے آگے آیا ہے۔ ICJ نے ۲۰۲۰ء میں عارضی حکم دیا تھا کہ میانمار نسل کشی روکے، لیکن روہنگیا اب بھی امتیازی سلوک اور مشکلات کا شکار ہیں۔ مبصرین کے مطابق یہ مقدمہ تاریخی ہے کیونکہ یہ ICJ میں ایک غیر متاثر ملک کی طرف سے نسل کشی کا پہلا بڑا کیس ہے، اور اس کا نتیجہ دیگر مقدمات (جیسے جنوبی افریقہ بمقابلہ اسرائیل) پر اثر ڈال سکتا ہے۔

سوشل میڈیا پلیٹ فارمز نے جان بوجھ کر بچوں کو اپنا عادی بنایا؟

امریکہ میں شروع ہونے والا مقدمہ قانونی مثال قائم کر سکتا ہے کہ آیا سوشل میڈیا کمپنیوں نے جان بوجھ کر اپنے پلیٹ فارمز بچوں کو عادی بنانے کے لیے تیار کیے تھے؟ اس مقدمے میں فریقِ مخالف الفابیٹ، بائٹ ڈانس اور میٹا ہیں، جو یوٹیوب، ٹک ٹاک اور انسٹاگرام جیسی بڑی ٹیکنالوجی کمپنیوں کی مالک ہیں۔ سینکڑوں مقدمات میں سوشل میڈیا کمپنیوں پر الزام ہے کہ انہوں نے نوجوان صارفین کو ایسے مواد کا عادی بنایا جس کی وجہ سے وہ مایوسی، کھانے پینے کے مسائل، نفسیاتی ہسپتالوں میں داخلے اور یہاں تک کہ خودکشی تک پہنچ گئے۔ مدعیوں کے وکلاء واضح طور پر وہی طریقے اپنا رہے ہیں جو ۱۹۹۰ء اور ۲۰۰۰ء کی دہائیوں میں تمباکو کی صنعت کے خلاف استعمال کیے گئے تھے، جب اسے بھی اسی طرح کے مقدمات کا سامنا کرنا پڑا تھا جن میں یہ دلیل دی گئی تھی کہ کمپنیوں نے ناقص مصنوعات فروخت کیں۔ اس مقدمے کا مرکز یہ الزامات ہیں کہ ’کے جی ایم‘ کے نام سے پہچانی جانے والی ایک ۱۹ سالہ لڑکی کو سوشل میڈیا کی لت کی وجہ سے شدید ذہنی نقصان پہنچا۔ سوشل میڈیا وکٹمز لا سینٹر کے بانی میتھیو برگ مین، جن کی ٹیم اس طرح کے ۱۰۰۰ سے زائد کیسز پر کام کر رہی ہے، نے کہا کہ ’یہ پہلی بار ہے کہ کسی سوشل میڈیا کمپنی کو بچوں کو نقصان پہنچانے پر جیوری کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔‘ یہ سینٹر ایک قانونی ادارہ ہے جو سوشل میڈیا کمپنیوں کو انٹرنیٹ پر نوجوانوں کو پہنچنے والے نقصانات کا ذمہ دار ٹھہرانے کے لیے وقف ہے۔ برگ مین کا کہنا تھا کہ ’یہ حقیقت کہ اب کے جی ایم اور ان کا خاندان دنیا کی سب سے بڑی، طاقتور اور امیر ترین کمپنیوں کے برابر عدالت میں کھڑے ہو سکتے ہیں، بذاتِ خود ایک بہت بڑی جیت ہے۔‘ ’ہم جانتے ہیں کہ یہ مقدمات مشکل ہیں اور یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ٹھوس شواہد کے ذریعے ثابت کریں کہ کے جی ایم کو ان کمپنیوں کے ڈیزائن سے متعلق فیصلوں کی وجہ سے نقصان پہنچا، یہ وہ ذمہ داری ہے جو ہم خوشی سے قبول کرتے ہیں۔ برگ مین کے مطابق، اس مقدمے کا حتمی فیصلہ اسی طرح کے بہت سے کیسز کو ایک ساتھ حل کرنے کے لیے ایک ’مثال‘ بن سکتا ہے۔ سنیپ چیٹ نے گزشتہ ہفتے تصدیق کی کہ اس نے اس سول مقدمے سے بچنے کے لیے ایک معاہدہ کر لیا ہے جس میں اس پر میٹا، ٹک ٹاک اور یوٹیوب کے ساتھ مل کر نوجوانوں کو سوشل میڈیا کا عادی بنانے کا الزام لگایا گیا تھا۔ اس معاہدے کی شرائط ظاہر نہیں کی گئی ہیں۔ انٹرنیٹ کی بڑی کمپنیوں نے یہ دلیل دی ہے کہ انہیں امریکی کمیونیکیشنز ڈیسنسی ایکٹ کے سیکشن ۲۳۰ کے تحت تحفظ حاصل ہے، جو انہیں سوشل میڈیا صارفین کی پوسٹس کی ذمہ داری سے آزاد کرتا ہے۔ تاہم، اس مقدمے میں یہ دلیل دی گئی ہے کہ وہ کمپنیاں ایسے کاروباری ماڈلز کی ذمہ دار ہیں جو لوگوں کی توجہ اپنی طرف کھینچنے اور ایسے مواد کو فروغ دینے کے لیے بنائے گئے ہیں جو آخر کار ان کی ذہنی صحت کو نقصان پہنچاتا ہے۔ یہ مؤقف بھی اختیار کیا گیا ہے کہ ’ہم انہیں اس لیے قصوروار ٹھہرا رہے ہیں کہ انہوں نے اپنے پلیٹ فارمز بچوں کو عادی بنانے کے لیے ڈیزائن کیے اور ایسے الگورتھم بنائے جو بچوں کو وہ نہیں دکھاتے جو وہ دیکھنا چاہتے ہیں بلکہ وہ دکھاتے ہیں جس سے وہ نظریں نہیں ہٹا سکتے۔‘ سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر نوجوان صارفین کو خطرے میں ڈالنے کے الزامات کے تحت مقدمات شمالی کیلی فورنیا کی فیڈرل کورٹ اور ملک بھر کی ریاستی عدالتوں میں بھی زیرِ سماعت ہیں۔ واضح رہے کہ آسٹریلیا نے نوجوانوں پر سوشل میڈیا پر پابندی عائد کرتے ہوئے، دنیا کا پہلا کریک ڈاؤن شروع کیا جس کا مقصد بچوں کو فیس بک، انسٹاگرام اور ٹک ٹاک کی عادت سے روکنا ہے۔

چینی سینیئر ترین جنرل پر امریکہ کو جوہری معلومات فراہمی کا الزام

چین کے سینیئر ترین جنرل ژانگ یوکسیا پر الزام ہے کہ انہوں نے ملک کے جوہری ہتھیاروں کے پروگرام کی حساس معلومات امریکہ کو فراہم کیں اور سرکاری عہدوں کے تقرر کے بدلے بھاری رشوتیں وصول کیں۔ یہ الزمات چین کے اعلیٰ سطح کے اجلاس کی بریفنگ میں لگائے گئے۔ جنرل ژانگ کبھی صدر شی جن پنگ کے سب سے قابل اعتماد عسکری اتحادی سمجھے جاتے تھے۔ تحقیقات میں ان کی زیر نگرانی ایک طاقتور ایجنسی بھی شامل ہے جو فوجی سازوسامان کی تحقیق، ترقی اور خریداری کی ذمہ دار ہے۔ بریفنگ سے واقف افراد کے مطابق، جنرل ژانگ پر الزام ہے کہ انہوں نے اس بڑے بجٹ والے خریداری نظام میں عہدوں کی فروخت کے بدلے بھاری رقم وصول کی۔ تاہم بریفنگ میں سب سے حیران کن الزام یہ سامنے آیا کہ جنرل ژانگ نے چین کے جوہری ہتھیاروں کی بنیادی تکنیکی معلومات امریکہ کے حوالے کیں۔ خبر رساں ادارے روئٹرز کے مطابق چین میں بدعنوانی کے خلاف مہم کے تحت دیگر اعلیٰ فوجی افسران بھی زیرِ تفتیش ہیں۔ جنرل ژانگ ۲۰ نومبر کے بعد عوام میں نہیں دکھائی دیے، انہیں آخری بار ماسکو میں روس کے وزیر دفاع سے ملاقات کی تھی۔ اگرچہ چین دہائیوں سے کسی جنگ میں شریک نہیں ہوا، لیکن وہ متنازع ایسٹ چائنا سی اور ساؤتھ چائنا سی اور تائیوان کے حوالے سے اپنی عسکری پوزیشن مضبوط کر رہا ہے، جس پر چین دعویٰ کرتا ہے۔ بیجنگ نے پچھلے سال تائیوان کے اردگرد اب تک کی سب سے بڑی فوجی مشقیں بھی کیں۔

چین اور امریکہ کے درمیان کشیدگی مجموعی طور پر کم ہوئی ہے، کیونکہ ۲۰۲۵ء کے آخر میں دونوں رہنماؤں (ٹرمپ اور شی جن پنگ) کے درمیان ٹریڈ وار پر ایک سالہ معاہدہ (truce) ہوا تھا، جو اکتوبر ۲۰۲۵ء میں جنوبی کوریا میں ملاقات کے بعد طے پایا۔ تاہم، کچھ اہم مسائل اب بھی موجود ہیں، جن میں تائیوان کو ہتھیاروں کی فروخت، وینزویلا میں امریکی کارروائی (جہاں چین نے مخالفت کی)، اور امریکہ کی

جانب سے چین پر جوہری معاہدوں/ٹیسٹنگ کے الزامات شامل ہیں۔ امریکہ نے گزشتہ سال دسمبر میں تائیوان کو ۱۱ء۱$ بلین کے سب سے بڑے ہتھیاروں کا معاہدہ کیا، جس پر چین نے شدید احتجاج کیا اور تائیوان کے گرد بڑے پیمانے پر جنگی مشقیں کیں۔ شی نے ٹرمپ کو احتیاط کی ہدایت کی۔ امریکہ نے وینزویلا کے صدر نکولس مادورو کو قوانین اور اصول و ضوابط پامال کرتے ہوئے اغوا کیا تو چین نے اس اقدام کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا اور "بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی" قرار دیا۔ چین نے مادورو کی حمایت کی تھی اور اب تیل کی خریداری روک دی ہے۔

چین ایران کا سب سے بڑا تیل خریدار ہے (۲۰۲۵ء میں تقریباً ۱ء۳۸ ملین بیرل یومیہ، جو ایران کی ۸۰٪ برآمدات ہیں)۔ امریکہ کی نئی پابندیوں (فروری ۲۰۲۶ء میں shadow fleet اور ایرانی تیل ٹریڈرز پر) کے باوجود چین نے بارٹر سسٹم اور خفیہ ادائیگیوں کے ذریعے تیل کی درآمد جاری رکھی ہے۔ یہ ایران کی معیشت کے لیے لائف لائن ہے۔ امریکہ نے چین کی کمپنیوں پر بھی پابندیاں لگائیں، لیکن چین نے اسے نظر انداز کیا۔ چین نے ایران کو ایئر ڈیفنس سسٹم (جیسے HQ-9B)، اینٹی شپ میزائلز، بیلسٹک میزائل کمپوننٹس اور ڈوئل یوز آئٹمز فراہم کیے ہیں۔ ۲۰۲۵ء-۲۰۲۶ء میں ایران کی میزائل اور ایئر ڈیفنس کی بحالی میں چینی مدد کی رپورٹس ہیں۔ جنوری ۲۰۲۶ء میں چین نے ایران میں سائبر سیکیورٹی اور انٹیلی جنس سپورٹ بڑھائی، مغربی ٹیکنالوجی کو چینی سسٹمز سے تبدیل کرنے میں مدد کی۔ چین، ایران اور روس کے درمیان جوائنٹ نیول ڈرلز اور اسٹریٹجک ایگریمنٹ بھی ہوئے ہیں۔ تاہم، چین نے براہ راست فوجی مداخلت سے انکار کیا ہے۔

بھارت میں اقلیتوں کے خلاف نفرت انگیز تقریروں میں اضافہ

روئٹرز کی خبر کے مطابق واشنگٹن میں قائم ایک تحقیقاتی ادارہ India Hate Lab، جو Center for the Study of Organized Hate کا پروجیکٹ ہے، نے اپنی رپورٹ میں بتایا ہے کہ ۲۰۲۵ء میں بھارت میں اقلیتوں (خاص طور پر مسلمانوں اور عیسائیوں) کے خلاف نفرت انگیز تقریروں میں ۱۳ فیصد اضافہ ہوا۔ کل ۱,۳۱۸ نفرت انگیز تقریریں ریکارڈ کی گئیں، جو ۲۰۲۴ء میں ۱,۱۶۵ اور ۲۰۲۳ء میں ۶۶۸ تھیں۔ یعنی ۲۰۲۳ء سے اب تک تقریباً ۹۷ فیصد اضافہ ہو چکا ہے۔ یہ تقریریں سیاسی ریلیوں، مذہبی جلوسوں، احتجاجی مارچوں اور ثقافتی اجتماعات میں ہوئیں۔ اوسطاً روزانہ ۴ واقعات ریکارڈ ہوئے۔

ان میں سے ۹۸ فیصد (تقریباً ۱,۲۸۹) تقریریں مسلمانوں کو نشانہ بناتی تھیں (۱,۱۵۶ میں صرف مسلمان، اور ۱۳۳ میں مسلمانوں کے ساتھ عیسائی بھی)۔ عیسائیوں کے خلاف نفرت انگیز تقریریں ۱۶۲ تھیں (تقریباً ۱۲ فیصد)، جو ۲۰۲۴ء کے مقابلے میں ۴۱ فیصد زیادہ ہیں (۲۰۲۴ء میں ۱۱۵ تھیں)۔

۱,۱۶۴ واقعات (تقریباً ۸۸ فیصد) بی جے پی (بھارتیہ جنتا پارٹی) کے زیرِ حکومت ریاستوں یا مرکزی علاقوں میں پیش آئے، جہاں بی جے پی براہ راست یا اتحادیوں کے ساتھ حکومت کر رہی ہے۔ سب سے زیادہ اضافہ اپریل ۲۰۲۵ء میں دیکھا گیا، جہاں ۱۵۸ واقعات ریکارڈ ہوئے۔ ان میں سے تقریباً ۱۰۰ ایک مخصوص مدت (۲۲ اپریل سے ۷ مئی) میں ہوئے، جو کشمیر میں ایک حملے اور بھارت پاکستان کے درمیان سرحدی تناؤ کے بعد تھے۔

رپورٹ میں "جہاد" سے متعلق سازشی نظریات (جیسے love jihad, land jihad, population jihad وغیرہ) کا بھی ذکر ہے، جو نفرت انگیز تقریروں کا بڑا حصہ ہیں۔ تقریباً ۵۰ فیصد تقریریں ایسی سازشی تھیوریوں پر مبنی تھیں۔ بعض ریاستوں میں انتخابی مہموں کے دوران نفرت انگیز تقریریں بطور الیکشن ٹول استعمال کی گئیں، جیسے اتراکھنڈ کے میونسپل الیکشن میں چیف منسٹر پشکر سنگھ دھامی سمیت بی جے پی لیڈروں کی طرف سے۔ رپورٹ کے مطابق نفرت انگیز تقریروں میں تشدد کی کالز بھی شامل تھیں (۲۳ فیصد واقعات میں)۔ یہ رپورٹ ہیومن رائٹس گروپس (جیسے ہیومن رائٹس واچ، ایمنسٹی انٹرنیشنل) کی جانب سے ۲۰۱۴ء سے جاری تنقید کا حصہ ہے، جو کہتے ہیں کہ نریندر مودی کے اقتدار میں اقلیتوں (خاص طور پر مسلمانوں) پر زیادتیاں بڑھی ہیں۔ رپورٹ میں شہریت قانون، مذہب تبدیل کرنے کے قوانین، کشمیر کی خصوصی حیثیت ختم کرنے اور جائیدادوں کی تباہی کا بھی حوالہ دیا گیا ہے۔

سندھ اسمبلی میں شراب کی خرید و فروخت پر پابندی کی قرارداد مسترد

سندھ اسمبلی نے صوبے بھر میں شراب خانوں کے لائسنس منسوخ کرنے اور خرید و فروخت پر پابندی کی قرارداد کو مسترد کر دیا۔ شراب خانوں پر پابندی کی قرارداد ایم کیو ایم کے رکن انیل کمار کی جانب سے پیش کی گئی تھی جس کی حکومت نے مخالفت کی۔ قرارداد میں صوبے بھر میں شراب کی خرید اور فروخت پر پابندی عائد کرنے اور تمام لائسنس منسوخ کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ وزیر داخلہ سندھ ضیاء الحسن لنجار کا کہنا تھا کہ شراب خانوں پر پابندی عائد کرنے سے معاشرے کے مختلف طبقات متاثر ہوں گے، اسی لیے حکومت اس تجویز کی حمایت نہیں کر سکتی۔ بحث کے بعد اسمبلی نے قرارداد کو مسترد کر دیا۔ یہ پہلا موقع نہیں تھا کہ شراب پر پابندی کی قرارداد مسترد کی گئی اس سے قبل بھی ایک ہندو رکن اسمبلی کی جانب سے یہ کہہ کر قرارداد پیش کی گئی تھی کہ شراب ہندو مذہب میں بھی منع ہے برائے مہربانی ہمارے مذہب کے نام پر اس کی فروخت کی اجازت نہ دی جائے۔ حیرانگی ہوتی ہے کہ اسمبلی کے ایسے تماشے دیکھ کر بھی کوئی اس پلیٹ فارم کو اسلام کے لیے ناگزیر اور واحد راستہ سمجھتا ہے۔ وہ پلیٹ فارم جو دشمنانِ اسلام کو آزادی فراہم کرتا ہے کہ وہ جس مرضی حرام کام کا مطالبہ کریں۔

مری بریوری پاکستان کی سب سے پرانی (۱۸۶۰ء میں قائم) اور سب سے بڑی الکوحل (شراب / بیئر) کی پروڈیوسر ہے۔ اس کی بنیادی پیداوار راولپنڈی (پنجاب) اور ہٹار (خیبر پختونخوا) میں ہوتی ہے۔ کمپنی نے حال ہی میں ایکسپورٹ بھی شروع کرنے کا اعلان کیا ہے۔ چینی کمپنیوں کو بھی شراب کی پیداوار کے لیے لائسنس جاری کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک بڑی مقدار سمگل ہو کر آتی ہے جن کے بھتے کی وصولیوں کے لیے باقاعدہ روٹس اور تھانے متعین ہیں۔

سعودی عرب کا صومالیہ اور مصر سے فوجی اتحاد اور متحدہ عرب امارات سے کشیدگی

سعودی عرب صومالیہ اور مصر کے ساتھ ایک نیا فوجی اتحاد قائم کرنے کے عمل میں ہے۔ اس کا بنیادی مقصد بحیرہ احمر کی سکیورٹی کو مضبوط بنانا، فوجی تعاون کو مضبوط کرنا اور علاقے میں متحدہ عرب امارات (یو اے ای) کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو محدود کرنا ہے۔ صومالیہ کے صدر حسن شیخ محمد جلد سعودی عرب کا دورہ کرنے والے ہیں تاکہ اس معاہدے کو حتمی شکل دی جائے۔ یہ اتحاد بحیرہ احمر اور خلیج عدن کی بحری سلامتی پر توجہ مرکوز کرے گا اور تینوں ممالک کے درمیان فوجی اور دفاعی تعاون بڑھائے گا۔ سعودی عرب اور یو اے ای کے درمیان تناؤ حالیہ مہینوں میں شدید ہو گیا ہے، خاص طور پر یمن میں۔ سعودی عرب نے یو اے ای پر الزام لگایا کہ وہ جنوبی یمن کے علیحدگی پسند گروپ جنوبی ٹرانزیشنل کونسل (STC) کی حمایت جاری رکھے ہوئے ہے۔ سعودی عرب نے یو اے ای کو یمن سے اپنی فوجیں ہٹانے کا حکم دیا۔ ۳۰ دسمبر ۲۰۲۵ء کو سعودی عرب نے یمنی بندرگاہ مکالہ پر محدود بمباری کی، جسے سعودی حکام نے یو اے ای سے STC کے لیے آنے والے ہتھیاروں کی کھیپ روکنے کے لیے ”قومی سلامتی کا سرخ لکیر“ قرار دیا۔ اس واقعے کے بعد سعودی اور اماراتی سوشل میڈیا پر شدید تنقید اور جھگڑا ہوا، اور یمن کی صدارتی قیادت کونسل نے یو اے ای کے ساتھ دفاعی معاہدہ منسوخ کرتے ہوئے اماراتی فورسز سے نکلنے کا مطالبہ کیا۔

صومالیہ نے بھی یو اے ای کے ساتھ تمام سکیورٹی اور بندرگاہوں کے معاہدے منسوخ کر دیے ہیں، کیونکہ الزام ہے کہ یو اے ای نے صومالیہ کی خودمختاری کی خلاف ورزی کی۔

یو اے ای نے صومالیہ کے علیحدہ ہونے والے علاقے صومالی لینڈ اور پنٹ لینڈ کے ساتھ قریبی تعلقات قائم کیے ہیں، جہاں اس نے بربرا اور بوساسو جیسی بندرگاہوں میں سرمایہ کاری کی ہے۔ اسرائیل نے بھی دسمبر ۲۰۲۵ء میں صومالی لینڈ کو تسلیم کیا، جس کی سعودی عرب اور مصر نے شدید مذمت کی۔ سعودی عرب صومالیہ کی علاقائی سالمیت کی حمایت کرتا ہے اور یو اے ای کے مقابلے میں صومالیہ کے ساتھ مضبوط تعلقات چاہتا ہے۔ مصر اور سعودی عرب کے تعلقات بھی حال ہی میں بہتر ہوئے ہیں۔ مصری ذرائع کے مطابق قاہرہ نے سعودی عرب کو یمن اور سوڈان میں یو اے ای کی سرگرمیوں کی انٹیلی جنس شیئر کی ہے۔

مالدار مصری فوج کا مقروض مصری حکومت کو مدد دینے سے انکار

مصر کی مسلح افواج نے دسمبر میں حکومت کی قرضوں کے بحران کو کم کرنے میں مدد کی درخواستوں کو سختی سے مسترد کر دیا، حالانکہ فوج کے پاس اربوں ڈالر کے خفیہ ذخائر موجود ہیں جو شہری حکومت کے لیے ناقابل رسائی ہیں۔ یہ انکشاف سینئر بینکنگ اور حکومتی افسران نے مڈل ایسٹ آئی کو نام نہ ظاہر کرنے کی شرط پر بتایا۔ یہ دعوے اس وقت سامنے آئے جب مصر شدید مالی دباؤ کا شکار ہے، غیر ملکی کرنسی کے ذخائر کم ہو رہے ہیں اور گھریلو لیکویڈیٹی سخت ہو گئی ہے۔ مصر کو دسمبر کے آخر تک بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) کو تقریباً ۷۵۰ ملین ڈالر کے قرض کی قسطیں ادا کرنی تھیں، لیکن ملک اس ڈیڈ لائن پر پورا نہ اتر سکا۔ آخری حل کے طور پر اصولاً طے پایا کہ یہ رقم اگلی آئی ایم ایف قسط سے کاٹ لی جائے گی (سود سمیت)، لیکن درست شرائط واضح نہیں کی گئیں اور حکومت اور آئی ایم ایف نے تفصیلات خفیہ رکھی ہیں۔ حکام کے مطابق حکومت نے دسمبر تک تین ٹریلین مصری پاؤنڈ (تقریباً ۶۳ء۷ بلین ڈالر) قرض لینے کی کوشش کی، مگر مقامی بینکوں نے محدود لیکویڈیٹی کی وجہ سے انکار کر دیا۔ پھر حکومت نے فوج سے رجوع کیا، لیکن فوج کی مالی و انتظامی اتھارٹی کے سربراہ نے درخواست ٹھکرا دی حتیٰ کہ دفاع کے وزیر سے معاملہ اٹھانے کے بعد بھی۔

ایک سینئر بینکر نے دعویٰ کیا کہ فوج کے پاس ڈالرز کے بہت بڑے ذخائر ہیں جو مصر کے کل بیرونی قرض (۱۶۱ بلین ڈالر) سے بھی زیادہ ہو سکتے ہیں۔ یہ فنڈز نیشنل بینک آف ایجپٹ اور بینک مصر میں فزیکل طور پر موجود ہیں، مگر شہری حکام ان تک نہیں پہنچ سکتے۔ بینکر کا کہنا تھا کہ یہ رقوم ”حقیقی اور محفوظ“ ہیں لیکن انہیں قرض ادائیگی یا دیگر استعمال کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ واضح رہے کہ فوج کی آمدنی کے اہم ذرائع میں، مصری سونے کی کانوں کی پیداوار کا ۵۰ فیصد حصہ براہ راست فوج کو جاتا ہے (تقریباً ۵۰۰ ملین ڈالر سالانہ)۔ سونے کی درآمد، پروسیسنگ اور دوبارہ برآمد سے اربوں ڈالر کی آمدنی۔ بڑے انفراسٹرکچر پراجیکٹس، ٹول گیٹس، زمینوں کی فروخت، اور دیگر کاروباری سرگرمیاں۔ فوج کو ٹیکس چھوٹ، سستی زمین اور فوجی جوانوں کو سستی لیبر ملتی ہے۔ حکام کا کہنا ہے کہ فوج نظریاتی طور پر مصر کے بیرونی اور ملکی قرضے ادا کر سکتی ہے اور سخت کرنسی بحران حل کر سکتی ہے، مگر وہ معیشت پر کنٹرول چھوڑنے کو تیار نہیں۔ ۲۰۲۲ء میں ڈالر کی شدید کمی کے وقت فوج نے ۱۰ بلین ڈالر انجیکٹ کیے تھے، مگر اب بار بار قرض ادائیگی میں حصہ ڈالنے کی تجاویز مسترد کی جا رہی ہیں، حتیٰ کہ فوج کے اپنے نام پر لیے گئے قرضوں کی ادائیگی کی بھی۔ آئی ایم ایف نے جولائی میں رپورٹ میں کہا تھا کہ فوج کے زیر کنٹرول معاشی ماڈل نجی شعبے کی ترقی روک رہا ہے، سرمایہ کاروں کو روک رہا ہے اور ملک کو قرضوں کے چکر میں پھنسائے رکھ رہا ہے۔ فوج کی کمپنیاں ٹیکس چھوٹ، سستی زمین اور ترجیحی سرکاری کنٹریکٹس سے فائدہ اٹھاتی ہیں۔ یہ الزامات مصری فوج کے معیشت میں غیر شفاف اور بے قابو کردار کو مزید نمایاں کرتے ہیں، جہاں مالیاتی ریکارڈز صرف صدر سیسی اور فوج کے اعلیٰ افسران تک محدود ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے یہ پاکستان ہی کی کہانی کاری چلے ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہاں یہ خیال آیا تو صحیح کہ فوج کی آمدن سے کچھ مانگا جائے جبکہ یہاں یہ سوچنا ہی محال ہے۔

☆☆☆☆☆

ابابیلیں ہیں ہم

ابابیلیں ہیں ہم
بس اسی قدر فرض ہے ہم پر
کوئی کنکر
کوئی پتھر
ذرا ان ہاتھیوں کے لشکروں پر پھینک دیں اور پھر
افق کے اس پار جا پہنچیں
جہاں ساروں کو جانا ہے
حساب اپنا چکانا ہے
ہمیں لیکن
محض زخم جگر اپنا دکھانا ہے
پھر اس کے بعد کی دنیا کا
ہر منظر سہانا ہے

ہم اور ہمارا دشمن

”ہمیں ہر وقت ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ دشمن ہمارے لیے قطعاً قابلِ تقلید نمونہ نہیں ہیں، ہمارے لیے مثالی کردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اُن کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور نیک سیرت اور خوفِ خدا رکھنے والے مجاہدین ہیں۔ ہمیں یہ ہر وقت ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ ہم اور ہمارے اصولِ جنگ صہیونیوں اور صلیبیوں سے مختلف ہیں جن کے ساتھ ہم حالتِ جنگ میں ہیں۔ ہم بدمعاش اُچکے نہیں ہیں، ہم منافق نہیں ہیں، ہم وحشی درندے نہیں ہیں، ہم ابناء الوقت اور مطلب پرست نہیں ہیں۔ ہم آزادی اور تہذیب وتمدن کے دشمن نہیں ہیں۔ ہم وہ بزدل نہیں ہیں جو بغیر پائلٹ جہازوں کی آڑ میں جنگیں لڑیں۔ بالفاظِ دیگر، جو کچھ ہمارے دشمن ہیں، ہم وہ نہیں ہیں، اور جو کچھ ہم ہیں، وہ ہمارے دشمن نہیں ہیں۔ ہم جرات، غیرت، شائستگی، مدارات اور اخلاقی اقدار کے حامل لوگ ہیں جو دنیا کے ارفع ترین مقصد کی خاطر بے غرضی سے اپنے آپ کو قربان کر دیتے ہیں، اور اِسی لیے ہر مسلمان اور ہر مجاہد کو چاہیے کہ اس شاہراہ پر گامزن رہے اور اخلاق کی اعلیٰ اقدار کی حفاظت کرتا رہے، جس کے لیے ہم ایک طویل عرصے سے لڑ رہے ہیں اور جس کا حصول ایک محنت طلب مشکل امر ہے۔“

شیخ عــزّام الامریکی رَحِمَہُ اللّٰہ

(آدم یحیی غدن)